اسرار شریعت

جلد اول

مؤلفہ

مولوی محمد فضل خان ؒ

طبع اول ۱۹۱۰ء

طبع دوم ۱۹۱۱ء

طبع سوم ۱۹۲۵ء

fazli@gmx.net

پیش لفظ

مصنف "اسرار شریعت" حضرت دادا جان مولوی محمد فضل خان چنگویؒ کا شمار ہندوستان میں بیسویں صدی کے نامور مصنفین میں ہوتا ہے۔آپ کے قلم سے بیش بہا کتب اسلامی مسائل پر نکلیں، جن کی افادیت ایک سو سال گزر جانے کے بعد آج بھی محسوس کی جا رہی ہے۔ چنانچہ ایک لمبے عرصے سے اہل علم حضرات کی طرف سے ان کتب کی از سر نو اشاعت کی تحریک آپ کے لواحقین کو پہنچتی رہی ہے۔ اس سلسلے میں اردو ترجمہ "فتوحات مکیہ" (حصہ اول اور دوم) چند برس ادھر چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ حصہ سوم پر کام مکمل ہو چکا ہے اور اس کی اشاعت انشاءاللہ جلد متوقع ہے۔

اسباب تالیف "اسرار شریعت" کا ذکر مصنف پہلے ایڈیشن میں بالفاظ ذیل کرتے ہیں۔

"اسلام کے مخالفین آریہ وعیسائیوں کے ایک مذہبی جلسہ میں ایک مدرسہ کے چند طلباء و معلمین ان کے اعتراضات کے جوابات کے لئے مجھے لے گئے۔ مجھے احکام شریعت پر ان کے اعتراضات سن کر اور اکثر موافقین اہل اسلام کی ناسمجھی دیکھ کر دل میں جوش پیدا ہوا کہ اسرار و وجوہات احکام شریعت کے متعلق اردو زبان میں کوئی ایسی جامع کتاب ضرور ہونی چاہیئے، جس میں نہ اختصار اور نہ طوالت ہو اور وہ خاص و عام کے لئے، بچوں تک، بیان اسرار شریعت میں مفید و کامل ہو۔اور جس حکم شریعت کی وجہ کسی کو معلوم کرنی و دیکھنی مطلوب ہو، وہ اس کتاب میں اس کو مل جائے۔ بہت مدت سے یہ آرزو میرے دل میں متمکن تھی اور میں منتظر تھا کہ کوئی صاحب ہمت اس کام کو پورا کر دے گا۔مگر چونکہ یہ ایک عظیم الشان کام تھا، اس لئے مجھے باور نہ تھا کہ اتنے بڑے کام کا میں اہتمام کر سکوں گا۔ سال رواں ماہ محرم الحرام ۱۳۲۷ھ (مطابق ۱۹۰۹ء) کے ابتدائی ایام میں ایک دن بعد ادائے نماز ظہر یکا یک میرے دل میں ڈالا گیا کہ اسی وقت کتاب "اسرار شریعت" کا لکھنا شروع کروں۔ لہٰذا میں نے اس تحریک کو امر الٰہی سمجھ کر اسی وقت یہ کتاب لکھنی شروع کی اور قریباً چھ ماہ کے عرصہ میں بتوفیق الٰہی "اسرار شریعت" کی چاروں جلدیں لکھ کر ختم کر لیں۔ پہلی تین جلدیں عملی شریعت کے اسرار میں ہیں اور چوتھی جلد اعتقادی امورات کی حکمت میں ہے"۔

عملاً "اسرار شریعت" کے تین ایڈیشن ۱۹۱۰ء اور ۱۹۲۵ء کے درمیان تین جلدوں کی صورت میں چھپ کر شائع ہوئے۔ مصنف نے اس کتاب کا عربی ایڈیشن بھی تیار کر لیا تھا۔ اور امید رکھتے تھے کہ اس کی طباعت کسی عرب ملک سے کرائیں گے۔ مگر بوجوہ اس کی نوبت نہ آئی۔ اس لئے پہلی جلد آپ کی کتاب "نہج المصلی" نامی کتاب کے نچلے نصف پر چھپی تھی۔

دادا جان کی تصانیف کا سلسلہ "مکتوبات محمدؐیہ" سے شروع ہوا، جو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات کے اردو ترجمہ پر مشتمل تھا۔ آپ کی دوسری کتاب "خزینۃ الاسرار" فی زمانہ ناپید ہے۔ جب کہ تیسری کتاب "تحفۃ الصوفیہ" تواتر سے دہلی اور لاہور سے چھپتی رہی ہے اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ کے اقوال پر مشتمل ہے، جن کا ترجمہ اردو اور فارسی میں نثر و نظم میں کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عربیؒ کی کتاب "فتوحات مکیہ" کا اردو زبان میں ترجمہ وتشریح کو دادا جان کی اہم ترین تصنیف قرار دیا جا سکتا ہے۔ آپ کی کتاب "ہدایات الزوجین" کا کامل مسودہ مجھ تک پہنچا تھا، جس کو محفوظ کرنے کی خاطر میں نے جرمنی جانے سے قبل اسے والد صاحب مرحوم کی خدمت میں پہنچانے کے لئے ایک صاحب کے حوالے کیا تھا۔ مگر ان کی لاپرواہی کے سبب وہ مسودہ تلف ہو گیا۔ مزید براں آپ نے ایک رسالہ تفسیر سورۃ فاتحہ کے موضوع پر اور ایک کتابچہ ردعیسایت کے بارے میں بھی شائع کیا۔ تفصیلی معلومات کی خاطر میری کتاب "مولوی محمد فضل خان۔ ایک عالم ربانی کی سوانح حیات" کا مطالعہ فرمائیں۔

کمر فیلڈ (جرمنی) منیر الدین احمد

فہرست مضامین

☆ تمہید۔ شریعت اسلام کا خطاب عقل پر ہے ۱۵
☆ صحت عقل کا معیار ۱۷
☆ صحیح معرفت حقائق دینیہ عقل کے دوسرے جوڑ کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی ۱۸
☆ اسباب وبواعث تالیف کتاب ہذا ۲۰
☆ اسرار شریعت میں طریق قرآن کریم و احادیث نبویہ ۲۰
☆ احکام کے اوصاف مؤثرہ ان کی حرمت وحلت کا باعث ہوتے ہیں ۲۱
☆ احکام الٰہی کے نظائر اور ان کی تشبیہ اسباب دنیا سے ۲۲
☆ علم تعبیرات واستعارات ومجازات ۲۳
☆☆☆ کتاب الطہارت۔ معنی لفظ وضو ۲۵
☆ ترتیب وضو ۲۶
☆ فرائض وضو ۲۶
☆ سنن ونوافل وضو ۲۶
☆ ابتدائے وضو میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کی وجہ ۲۷
☆ وضو میں نیت واجب نہ ہونے اور تیمم میں واجب ہونے کی حکمت ۲۷
☆ ہاتھوں کو برتن میں ڈالنے سے پہلے دھونے کا راز ۲۷
☆ اسرار طہارت (وضو کی حکمتیں) ۲۹
☆ چھونے اور کلام ودعا سے اشیاء عالم پر اثر ڈالنا ۳۰
☆ پادری کا اعتراض۔ پادری کا حضرت بلالؓ کے تحیہ وضو ونماز پر اعتراض ۳۹
☆ ایک ہی شخص کا کئی مکانوں میں ہونا ممکن ہے ۴۳
☆ بحالت نماز رسول کریمؐ پر قرات کے اشتباہ وصحابہ کرام کے وضو پر پادری کے اعتراض کا جواب ۴۴
☆ احکام الٰہی میں وجوہات واغراض متعددہ کی حکمتیں ۴۸
☆ اختتام وضو پر دعائے توبہ پڑھنے کا راز ۵۲
☆ جواب اس سوال کا کہ مسلم اور غیر مسلم کی طہارت میں کیا فرق ہے ۵۲
☆ جواب اس سوال کا کہ وضو کی ترتیبِ منصوص کا خلاف کیوں ناجائز ہے ۵۴
☆ ترتیب وضو کے متعلق علامہ فخر الدین رازیؒ کے فلسفیانہ سوالات پر جوابات اور وضو میں پاؤں کے سب سے آخر میں دھونے کا راز ۵۵
☆ حکمت طہارتِ صغریٰ وکبریٰ بطور اختصار ۵۸
☆ مسح سر وکانوں کے لئے جدید پانی لینے کی حکمت ۵۸
☆ بطور استحباب وضو کا باقی پانی پینا متوضی کے لئے شافی ہونے کا راز ۵۸
☆ وضو کے لئے سات اندام مخصوص ہونیکی وجہ ۵۹
☆ ہر اندام وضو کو تین بار دھونے کا راز ۶۰
☆ حکمۃ السواک فی الاسلام ۶۲
☆ وضو باسم خدا مقرر ہونے کا راز ۶۳
☆ وضو وغسل کے لئے پانی کی ایک معین مقدار مقرر ہونے کی حکمت ۶۳
☆ جواب اس سوال کا کہ جبکہ منہ، ہاتھ، پاؤں کو تین تین بار دھویا جاتا ہے، تو سر اور کانوں کا مسح کیوں تین تین بار مشروع نہ ہوا ۶۴
☆ اعمال واحکام شریعت میں تقرری اعداد کی حکمت ۶۴
☆ وجہ تسمیہ وضو ۶۵
☆ شریعت کا خطاب انسان کے ظاہر وباطن دونوں کے لئے ہے ۶۵
☆ وضو کی ابتداء بدن کے بالائی حصہ سے مشروع ہونے اور جسم کے نچلے حصہ سے مشروع نہ ہونیکا راز ۶۶
☆ دائیں طرف کا بائیں طرف سے افضل ہونے کی وجہ ۶۶
☆ وضو میں کہنیوں تک ہاتھ دھونے کا راز ۶۸
☆ وضو میں کانوں وسر کا دھونا مقرر نہ ہونیکی وجہ ۶۹

اور گوشت شتر کھانے سے امر وضو کیوں ہوا۔ کیا ان سے وضوٹوٹ جاتا ہے؟ ۹۴
کمت مسح سر و وجہ تسمیہ ۹۷

☆وضو میں ناک کو صاف کرنے کی حکمت ۷۰
☆وضو میں پاؤں کو ٹخنوں تک دھونے کا راز ۷۰
☆بحالت عدم موزہ وضو میں پاؤں کو دھونے کا راز ۷۰
☆طہارت معنوی پر عام نظر ۷۲
☆وضو کی فلاسفی نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی نظر میں ۷۴
☆ابن قیم جوزیؒ کے الفاظ میں ۷۵
☆طہارت صغریٰ و کبریٰ کی فلاسفی حضرت محی الدین ابن عربی المعروف شیخ اکبرؒ کے الفاظ میں ۷۵
☆☆باب التیمم ۷۶
☆تیمّم کو خلیفہ وضو و غسل ٹھیرانے کی وجہ ۷۶
☆جواب اس سوال کا کہ وضو خلیفہ تیمّم کیوں نہ ہوا ۷۷
☆وضو و غسل کے تیمّم میں فرق نہ ہونے کی وجہ ۷۷
☆پانی اور مٹی سے طہارۃ صغریٰ و کبریٰ مشروع ہونے کی وجہ ۷۸
☆تیمّم کرنے کا طریق جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے ۸۰
☆تیمّم دو اندوموں میں مخصوص ہونیکی وجہ اور پاؤں و سر پر مسح تیمّم مشروع نہ ہونے کا راز ۸۱
☆☆باب الغسل۔ حائض اور جنبی کے مسجد میں نہ داخل ہونے کی وجہ ۸۱
☆جس مکان میں کتا، جنبی، تصویر ہو اس میں ملائکہ رحمت کے نہ آنے کی وجہ ۸۱
☆کافر کا مسلمان ہونیکے وقت غسل کرنیکی وجہ ۸۲
☆طہارت حیض کے بعد غسل واجب ہونیکی وجہ ۸۲
☆جنبی و حائض کے لئے قرآن کریم و نماز پڑھنا جائز نہ ہونے کی وجہ ۸۳
☆ہر بال کے نیچے جنابت ہے ۸۳
☆منی نکلنے سے غسل واجب ہونے کی وجہ۔ بول و براز سے عدم وجوب غسل کا راز ۸۴
☆غسل جنابت میں پہلے وضو کرنے کی حکمت ۸۶
☆غسل میں پاؤں کو بعد میں دھونے کی وجہ ۸۶

☆☆باب النواقض الوضو والتیمم ۸۶
☆خروج بول و براز و ریح سے امر وضو ہونیکی وجہ ۸۶
☆دبر سے ہوا خارج ہونے سے امر وضو کی وجہ اور استنجا کا امر نہ ہونے کی حکمت ۸۸
☆دبر سے ہوا خارج ہونے سے وجوب اور منہ سے ڈکار، چھینک کی ہوا خارج ہونے سے عدم وجوب وضو کا راز ۸۹
☆بول و براز اور جماع کرنے کے وقت خانہ کعبہ کی طرف پشت و منہ کرنا منع ہونے کی حکمت ۹۰
☆نیند کرنے سے وضو ٹوٹنے کی وجہ ۹۰
☆پاخانہ جانے اور اس سے نکلنے کے وقت اعوذ اور غفرانک پڑھنے کی وجہ ۹۱
☆تین ڈھیلوں سے امر استنجا کی وجہ ۹۱
☆قہقہ، قے، نکسیر سے امر وضو کا راز ۹۴
☆جواب اس سوال کا کہ شرمگاہ یا عورت کو چھونے اور گوشت شتر کھانے سے امر وضو کیوں ہوا؟ ۹۵
☆لڑکی کے بول کرنے سے کپڑے دھونے اور لڑکے کے بول سے کپڑے پر پانی چھڑکنے کی وجہ ۹۸
☆حاجت بول و براز کے وقت منع نماز کی وجہ ۹۹
☆☆باب المسح علی الخفین۔ مسح موزہ کا راز ۱۰۰
☆موزہ پر نیچے کی جانب مسح مشروع نہ ہونیکی وجہ ۱۰۰
☆مسح موزہ مقیم کے لئے ایک دن رات اور مسافر کے لئے تین دن رات مقرر ہونے کی حکمت ۱۰۱
☆موزہ پر ہاتھ کی تین انگلیوں سے مسح کرنیکا راز ۱۰۱
☆موزہ کا تین انگلیوں کے مقدار پھٹ جانے سے اس پر مسح ناجائز ہونے کی وجہ ۱۰۲
☆خواب میں غسل جنابت کی تعبیر ۱۰۲
☆☆باب المیاہ۔ شناخت طہارت آب کیلئے اوصاف ثلاثہ رنگ، بو، ذائقہ مقرر ہونے کی وجہ ۱۰۲
☆جواب اس سوال کا کہ کیا کنوئیں میں رفع ناپاکی کے لئے ڈول نکالنا موافق عقل ہے ۱۰۳
☆باوجود وقوع نجاست جاری پانی پاک ہونیکی وجہ ۱۰۶

☆ پانی اور تمام رکیک اشیاء میں ناپاک اشیاء پڑنے سے قوت استحالہ سے ان کے پاک ہونے کی وجہ ۱۰۸
☆ وجہ تعیین قلتین ۱۱۰
☆ قلیل پانی کی نجاسات حکمی کی حکمتیں اور آب قلیل وکثیر کی حد مقرر ہونے کا راز ۱۱۱
☆ بشرط عدم تغیر اوصاف سہ گانہ قلتین جتنے پانی کا وقوع نجاست سے پاک وناپاک ہونیکی وجوہات ۱۱۲
☆ وجہ خصوصیت آب دہ دردہ (عندالاحناف) ۱۱۳
☆ پلید چشمہ دار کنوئیں سے دو یا تین سو ڈول نکالنے سے کنوئیں کے پاک ہونیکی حکمت ۱۱۴
☆ کنوئیں کی پاکی وناپاکی کے متعلق مؤلف کتاب ہذا کی رائے ۱۱۵
☆ چوہے وبلی کا جوٹھا پاک ہونے کی وجہ ۱۱۶
☆ بیئر بضاعہ کی نجاستیں اور اسکی پاکی کی وجوہات ۱۱۷
☆ کتے اور بلی کے جوٹھے میں فرق ہونیکی وجہ ۱۱۸
☆ کتے کا برتن میں منہ ڈالنے یا اس سے پانی وغیرہ پینے سے اس برتن کو سات بار دھونے سے پاک ہونے کی حکمت ۱۱۹
☆ کتے سے زیادہ پرہیز دلانے کی وجہ ۱۲۱
☆ حقیقت تقلید ائمہ اربعہ ۱۲۲
☆☆☆ کتاب الصلوۃ۔ معیار صحت عقل ۱۲۳
☆ عبادات کے لئے تخصیص اوقات کی حکمتیں ۱۲۴
☆ وجہ تعیین اوقات پنجگانہ نماز ۱۲۵
☆ وجہ تعیین نماز ظہر ۱۲۵
☆ ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنے کی حکمت ۱۲۶
☆ وجہ تعیین نماز عصر ۱۲۶
☆ وجہ تعیین نماز مغرب ۱۲۶
☆ وجہ تعیین نماز عشاء ۱۲۷
☆ وجہ تعیین نماز فجر ۱۲۷
☆ اوقات نماز کیلئے اول وآخر حد مقرر ہونیکا راز ۱۲۸
☆ پابندی اوقات کی حکمتیں ۱۲۸
☆ نماز کا شعائر الٰہی میں سے ہونے کی وجہ ۱۲۹
☆ انسان پر نماز مقرر ہونے کا راز ۱۲۹
☆☆ باب الاذان۔ حکمت اذان نماز ۱۳۰
☆ وجہ تسمیہ اذان ۱۳۱
☆ مسجد کے دائیں طرف اذان دینے کا راز ۱۳۱
☆ جواب اذان دینے کی وجہ ۱۳۲
☆ عبرت اذان ۱۳۲
☆ جماعت کی اقامت کہنا مؤذن کے لئے مخصوص ہونے کی وجہ ۱۳۳
☆ اذان کا نبوت کی شاخوں میں سے ہونیکا راز ۱۳۳
☆ بعض کلمات اذان کو چار بار اور بعض کو دو بار کہنے کی حکمت ۱۳۳
☆ کان میں انگلی دے کر اذان دینے کی وجہ ۱۳۴
☆ قیامت میں مؤذن کا دراز گردن ہونیکی وجہ ۱۳۴
☆ نوزائیدہ بچے کا کان میں اذان دینے کا راز ۱۳۴
☆☆ باب صفت الصلوۃ۔ نماز میں استقبال خانہ کعبہ کی وجہ ۱۳۵
☆ نماز میں صفائی مکان وستھرائی لباس کا راز ۱۴۱
☆ نماز کے لئے تعیین ارکان وشروط کا راز ۱۴۱
☆ حقیقت نماز ۱۴۲
☆ حقیقت ارکان نماز ۱۴۳
☆ خانہ کعبہ کا شعائر الٰہی میں سے ہونے کی حکمت ۱۴۵
☆ وجہ تسمیہ صلوٰۃ ۱۴۶
☆ نماز میں ناف کے نیچے یا ناف وسینہ پر ہاتھ باندھنے کی وجہ ۱۴۷
☆ جماعت کی صف میں ممانعت فرجہ کی وجہ ۱۵۲
☆ نماز میں مؤدب کھڑے ہونے کی حکمت ۱۵۳
☆ تکبیر تحریمہ میں دونوں ہاتھوں کو کانوں وسینہ تک اٹھانے کا راز ۱۵۳
☆ تکبیر تحریمہ میں عورت کا کاندھوں تک ہاتھ اٹھانے کی وجہ ۱۵۴
☆ نماز میں دست بستہ کھڑا ہونے کی وجہ ۱۵۵

☆نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھنے کی وجہ ۱۵۵
☆نماز میں ادھرادھر دیکھنا،لوگوں سے کلام کرنا منع
ہونے کی وجہ ۱۵۶
☆نماز میں ثناء پڑھنے کی وجہ ۱۵۷
☆دعائے استفتاح کے اسرار ۱۵۷
☆وجہ تسمیہ خطا ۱۵۸
☆ثناء واستفتاح کے بعد اعوذ پڑھنے کا راز ۱۵۸
☆ابتدائے فاتحہ میں قرات تسمیہ کی وجہ ۱۵۹
☆نماز میں فاتحہ پڑھے جانے کا راز ۱۵۹
☆فاتحہ خلف الامام جائز وناجائز ہونیکی وجوہات ۱۵۹
☆قراتوں کے نام ۱۶۰
☆فاتحہ کے ساتھ ضم سورۃ کا راز ۱۶۰
☆حقیقت رکوع وسجود ۱۶۲
☆حقیقت قیام نماز ۱۶۳
☆سورۃ فاتحہ کی ساتوں آیات کو نماز کے سات
ارکان کے ساتھ طبعی مناسبت ہونے کی حکمت ۱۶۵
☆نماز میں دو سجدے مقرر ہونے کی حکمت ۱۶۶
☆سمع اللہ کہنے کی حکمت ۱۶۷
☆ہر رکعت میں رکوع ایک وسجود دو ہونیکی وجہ ۱۶۷
☆تمام عبادات سے افضلیت نماز کی وجہ ۱۶۸
☆رفع یدین جائز وناجائز ہونے کی وجہ ۱۶۸
☆سورۃ فاتحہ نماز کی ہر رکعت میں پڑھنے کی حکمت ۱۶۹
☆امام کیلئے تقرری محراب کی حکمت، وجہ تسمیہ محراب ۱۶۹
☆امام حیّ کی موجودگی میں بغیر اجازت کسی دوسرے
شخص اور نابینا کی امامت مکروہ ومقبوح ہونے کی وجہ ۱۶۹
☆ادائے نماز کے بعد امام کا مصلّے سے دائیں طرف
سے پھر کر بیٹھنے کا راز ۱۷۱
☆پنجگانہ جماعت وجمعہ وعیدین وحج کی عبادات
میں اہل اسلام کے جمع ہونے کی حکمتیں ۱۷۲
☆نماز میں سات اعضاء پر سجدہ کرنے کی وجہ ۱۷۲
☆نماز میں قومہ مقرر ہونے کی وجہ ۱۷۳
☆نماز میں تعیین جلسہ کا راز ۱۷۳
☆حکمت تکرار تکبیر بوقت رکوع وسجود ۱۷۳
☆سجدہ ورکوع میں قرآنی دعا نہ ہونے کا راز ۱۷۴
☆نماز میں جمائی آنے پر منہ پر ہاتھ رکھنے کی وجہ ۱۷۴
☆ظہر وعصر کی نمازوں میں خفیہ اور مغرب وعشاء و
فجر میں جہری قرات پڑھنے کی وجہ ۱۷۴
☆جمعہ وعیدین وغیرہ میں جہری قرات کی وجہ ۱۷۶
☆جمعہ وعیدین وغیرہ میں تقرری خطبہ کی وجہ ۱۷۷
☆نماز میں ہر دو رکعت کے درمیان تحیہ مقرر
ہونے کی وجہ ۱۷۷
☆نماز میں تقرری تحیہ کی وجہ ۱۷۷
☆جلسہ میں دائیں پاؤں کا کھڑا رکھنے کی وجہ ۱۷۸
☆تحیہ نماز میں آنحضرتؐ پر سلام مقرر ہونیکی وجہ ۱۷۸
☆تحیہ نماز میں عام مومنین وصلحا پر سلام مقرر
ہونے کی حکمت ۱۷۸
☆نماز میں تشہد کی وجہ ۱۷۸
☆حکمت اشارہ بالسابہ عند المحد ثین ۱۷۸
☆نماز میں حکمت منع اشکال مکروہہ ۱۷۹
☆نماز میں رکوع وسجود میں امام سے سبقت کرنے
والے کو گدھے سے تشبیہ دینے کی وجہ ۱۷۹
☆تشہد کے بعد درود ودعا کی وجہ ۱۷۹
☆سلام کے ساتھ اختتام نماز کی وجہ ۱۸۰
☆نماز سے باہر آنے کے لئے اول دائیں طرف
سلام دینے کی حکمت ۱۸۰
☆وتر میں دعائے قنوت پڑھنے کی وجہ اور وجہ تسمیہ
قنوت ۱۸۰
☆دعا کا مخ العبادت ہونے کی وجہ ۱۸۱
☆نماز میں سہو کرنیوالے امام کو اسکا سہو جتلانے
کیلئے مرد کی طرف سے سبحان اللہ کہنا اور عورت کی
طرف سے اپنے ہاتھ کی تالی بجانے کی حکمت ۱۸۱
☆نماز میں لذت وعدم لذت کا باعث ۱۸۲
☆نماز میں حصول حضور ولذت کا طریق ۱۸۵
☆روح نماز ۱۸۵

☆نماز میں تعیین دو تین چار رکعات کی وجہ ۱۸۵
☆فرض کے اول و بعد سنتیں مقرر ہونے کی وجہ ۱۸۷
☆تقرری نماز وتر کی وجہ ۱۸۸
☆چارگانہ فرائض کی آخری دو رکعتوں میں سورت ضم نہ کرنے کی وجہ ۱۸۹
☆جماعت نماز کی صفوں کو برابر کرنے کی وجہ ۱۸۹
☆جماعت کی نماز میں کثرت ثواب کا راز ۱۹۰
☆نماز کی جماعت کی عظمت وفضیلت بتانے کیلئے نبی علیہ السلام کا مختلف اشکال واعداد بیان فرمانیکی وجہ ۱۹۱
☆حکمت تعیین مدت سفر تین ایام ۱۹۱
☆حقیقت تعلیم ارکان نماز قرآنی ۱۹۲
☆حقیقت تحیہ نماز ۱۹۳
☆جلسہ تحیہ کے بعد درود نبویؐ پڑھنے کی حکمت ۱۹۸
☆درود شریف پر ایک آریہ کے اعتراض کا جواب ۱۹۹
☆امامت نماز و جماعت کی حکمت ۲۰۱
☆جواب اس اعتراض کا کہ نماز کیوں ایک وقت مقرر نہ ہوئی؟ ۲۰۶
☆حقیقت جماعت پنجگانہ۔ جمعہ۔ عیدین۔ حج ۲۰۶
☆جماعت نماز کی دائیں جانب کو بائیں پر فضیلت کی حکمت ۲۰۶
☆ترک نماز سے کفر لازم ہونے کی وجہ ۲۰۷
☆جوتے اتار کر اور پہن کر نماز پڑھنے کی حکمت ۲۰۷
☆نبی علیہ السلام کے اجتہادی سہو کا راز ۲۰۸
☆حکمت سجدہ سہو نماز ۲۰۹
☆حکمت سجدہ تلاوت قرآن کریم ۲۱۰
☆وجہ تقرری نماز تہجد ۲۱۰
☆وجہ تقرری نماز تراویح ۲۱۲
☆نماز ختم کرنے کے بعد دعائیں پڑھنے کا راز ۲۱۳
☆نماز میں سترہ کا راز ۲۱۴
☆مقبرہ میں نماز پڑھنے سے ممانعت کی وجہ ۲۱۵
☆غروب وطلوع واستوائے آفتاب کیوقت منع نماز ۲۱۵
☆حمام میں منع نماز کی وجہ ۲۱۶
☆اونٹوں کے مقام میں منع نماز کی وجہ ۲۱۶
☆مذبح میں ممانعت نماز کی وجہ ۲۱۶
☆اونٹوں کے مقام میں منع نماز کی وجہ ۲۱۵
☆راستہ میں منع نماز کی وجہ ۲۱۶
☆اعمال کیلئے قضا ورخصتیں مقرر ہونیکی حکمت ۲۱۷
☆مسافر کا چار رکعت کو دو کر کے پڑھنا اور دو اور تین رکعت کو کم نہ کرنے کا سرّ ۲۱۷
☆مسافر بآرام کے لئے رخصت افطار روزہ اور قصر نماز کی وجہ ۲۱۸
☆حائضہ پر ادائے روزہ اور عدم ادائے نماز کی وجہ ۲۱۹
☆چاند سورج گرہن کے وقت نماز مشروع ہونے کی وجہ ۲۲۰
☆خسوف وکسوف کی نماز میں قیام ورکوع دو دو مقرر ہونے کی وجہ ۲۲۲
☆نماز استسقاء میں چادر الٹانے کی حکمت ۲۲۳
☆نماز استسقا میں دو رکعت مقرر ہونے کی وجہ ۲۲۵
☆نماز استسقا میں قرات جہر پڑھنے کی وجہ ۲۲۵
☆نماز استسقا میں چادر الٹانے کے وقت دعا مقرر ہونے کی وجہ ۲۲۶
☆نماز عیدین میں زیادہ تکبیرات کہنے کی وجہ ۲۲۶
☆نماز عیدین کی تکبیروں میں کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی حکمت ۲۲۶
☆قرآن کریم کا شعائر الٰہی میں سے ہونے کی حکمت ۲۲۷
☆پیغمبر خدا کا شعائر الٰہی میں سے ہونیکی حکمت ۲۲۷
☆نماز میں مغفرت گناہوں کا راز ۲۲۷
☆ہر خطبہ میں امام کا جلسہ استراحت کرنیکی وجہ ۲۲۸
☆ہر خطبہ میں تقرری تشہد کی وجہ ۲۲۸
☆اسماء الٰہی کا ننانوے میں محدود ہونیکی وجہ ۲۲۹
☆☆باب الجمعہ۔ وجہ تقرری نماز جمعہ ۲۳۰
☆خصوصیت یوم جمعہ۔ ہفتہ۔ اتوار ۲۳۲
☆ترک جمعہ سے دل پر مہر لگنے کی وجہ ۲۳۴
☆شہروں میں تقرری جمعہ کی وجہ ۲۳۴
☆خطبہ جمعہ کے درمیان خطیب کا بیٹھنا مسنون ہونے کی وجہ ۲۳۷

☆ قبولیت دعا کے آثار
☆ حقیقت زندگی شہداء اوران کی ارواح کا سبز ۲۵۸

☆ جمعہ کی دوسری اذان مقرر ہونے کی حکمت ۲۳۷
☆ حکمت تعطیلات جمعہ ۲۳۷
☆ نماز میں خوف زدہ ہوکر کھڑا ہونے کی وجہ ۲۳۸
☆ حقیقت نماز از زبان حضرت جلال الدین رومی صاحب مثنوی ۲۳۹
☆ حقیقت دعا وقضاء ۲۴۱
☆ قبولیت دعا کے آثار ۲۴۳
☆ صورت دعا ۲۴۴
☆☆ باب الجنائز ۲۴۵
☆ میت پر نماز جنازہ پڑھنے کی وجہ ۲۴۶
☆ حکمت ماتم پرسی ۲۴۶
☆ انسان کے جننے اور مرنے کے وقت ہاتھ بند کرنے وکھولنے کا راز ۲۴۷
☆ فرض کفایہ کا راز ۲۴۷
☆ جنازہ میں چار تکبیرات مشروع ہونے کی حکمت ۲۴۸
☆ نماز جنازہ وصدقہ خیرات سے میت کو فائدہ پہنچنے کا راز ۲۴۸
☆ جنازہ کی ہر دعا کے بعد تکبیر پڑھنے کی حکمت ۲۴۹
☆ عورت کو والدین کا سوگ تین دن اور خاوند کا سوگ چار ماہ دس دن رکھنے کی وجہ ۲۴۹
☆ اہل اسلام کا مردہ خاک میں دفن کرنے اور آگ میں نہ جلانے کی حکمت ۲۵۰
☆ جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونے کی وجہ ۲۵۲
☆ مردہ کو نہلانے کی حکمت ۲۵۲
☆ میت کے پاؤں قبلہ کی طرف کر کے اس کو غسل دینے کی وجہ ۲۵۳
☆ مردہ کے سر کو جانب شمال و پاؤں جنوب کو کر کے مدفون کرنے کی وجہ ۲۵۵
☆ مردہ کو قبر میں قبلہ کی طرف سے داخل کرنے کی حکمت ۲۵۷
☆ مردہ کو کافور لگانے کی حکمت ۲۵۷
☆ شہید کو غسل نہ دینے وخون آلودہ کپڑوں میں مدفون کرنے کی وجہ ۲۵۸
☆ وجہ تسمیہ شہید ۲۵۹
☆ حج کے احرام میں فوت ہونے والے کو احرام کے کپڑوں میں دفن کرنے کی حکمت ۲۵۹
☆ حقیقت زندگی شہراء اوران کی ارواح کا سبز پرندوں کے اجواف میں داخل ہوکر قندیل عرش کے ساتھ معلق ہونے کی وجہ ۲۵۹
☆ شہداء کا قنادیل عرش سے معلق ہونے کا راز ۲۶۱
☆ مقروض مومن کی روح معلق ہونے کی وجہ ۲۶۲
☆ نماز جنازہ میں امام کے پیچھے مقتدیوں کو دعائیں پڑھنے کی اجازت ہونے کی وجہ ۲۶۲
☆ قبر پکی بنانے کی وجوہات ۲۶۲
☆ اہل قبور وغیرہ سے مشکل کشائی وطلب امداد جائز وناجائز ہونے کی وجوہات ۲۶۳
☆ میت کی جانب سے روزہ رکھنے اور صدقہ دینے کا راز ۲۶۶
☆ استواء وطلوع وغروب آفتاب کے وقت میت کو دفن کرنا منع ہونے کی حکمت ۲۶۷
☆ نماز جنازہ میں امام کے لئے میت کے سینے کے برابر کھڑا ہونے کی وجہ ۲۶۷
☆ اختتام نماز جنازہ میں دائیں بائیں سلام پھیرنے کی حکمت ۲۶۸
☆ نماز جنازہ میں رکوع وسجود وتحیہ نہ ہونیکی وجہ ۲۶۸
☆ زیارت قبور کا مسنون طریقہ ۲۶۸
☆☆☆ کتاب الزکوٰۃ ۲۷۰
☆ وجہ تسمیہ زکوٰۃ وصدقہ ۲۷۱
☆ تعریف زکوٰۃ ۲۷۲
☆ حرام مال سے زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہونے کا راز ۲۷۴
☆ حقیقت زکوٰۃ ذل ۲۷۴
☆ اسلامی زکوٰۃ کا مقابلہ مسیحی زکوٰۃ سے ۲۷۵
☆ حکمت تعین زکوٰۃ ۲۷۶
☆ وجہ تخصیص مقادیر زکوٰۃ نصاب زکوٰۃ اشیائے متفرقہ ۲۸۰
☆ چھوہاروں کا نصاب زکوٰۃ پانچ وسق ۲۸۰

☆ چاندی کا نصاب پانچ اوقیہ مقرر کرنے کی وجہ ۲۸۰
☆ پانچ اونٹوں کی مقدار میں نصاب زکوٰۃ مقرر ہونے کی وجہ ۲۸۰
☆ بکریوں کا نصاب ۴۰ سے شروع ہونیکی وجہ ۲۸۱
☆ بیلوں اور گائیوں کی زکوٰۃ کا نصاب ۳۰ سے شروع ہونے کی حکمت ۲۸۱
☆ چاندی وسونے کی مقدار نصاب کی حقیقت ۲۸۱
☆ ہر چیز میں خاص نصاب زکوٰۃ مقرر ہونیکی وجہ ۲۸۱
☆ حقیقت نصاب زکوٰۃ کھیتی ۲۸۲
☆ سال میں ایک بار ادائے زکوٰۃ کی وجہ ۲۸۲
☆ نصاب زکوٰۃ سے پانچواں، دسواں، بیسواں، چالیسواں حصہ دینے کی وجہ ۲۸۳
☆ سائمہ میں وجوب زکوٰۃ وعوامل سے اسقاط زکوٰۃ کی وجہ ۲۸۳
☆ اونٹوں میں زکوٰۃ واجب ہونے کی حکمت ۲۸۳
☆ گھوڑوں میں زکوٰۃ نہ واجب ہونے کی وجہ ۲۸۴
☆ پہننے کے زیورات میں زکوٰۃ نہ مقرر ہونے کی وجہ ۲۸۴
☆ موالید ثلاثہ میں زکوٰۃ واجب ہونے کی حکمت ۲۸۵
☆ وجہ اس امر کی کہ جس قسم کا مال ہو، اسی قسم کی زکوٰۃ لی جائے ۲۸۶
☆ معلق مال کی زکوٰۃ ۲۸۶
☆ پانچ اونٹوں میں زکوٰۃ مقرر ہونا اور ہزار ہا گھوڑوں، خچروں، گدھوں میں زکوٰۃ مقرر نہ ہونے کی وجہ ۲۸۷
☆ خاندان نبوی کے لئے حرمت صدقات کی وجہ ۲۸۷
☆ جواب اس سوال کا کہ جبکہ تم نے شریعت کا خطاب عقل پر مانا ہے، تو پھر تمہارا یہ کہنا کہ عقل اسرار حق کو نہیں پاسکتی اور صحت عقل کا معیار وحی الٰہی ہے کیونکر صحیح ہوسکتا ہے ۲۹۰
☆ عقل کا جوڑ وطریق ہدایت کا فلسفہ ۲۹۳
☆ ہمارے علمائے اسلام ذ دی الاحترام توجہ سے سنیں ۲۹۴

مرتب کتاب

منیرالدین احمد

مولوی محمد فضل خان کے فرزند راجہ عبدالرؤف خان (۱۸۹۹ء۔ ۱۹۶۶ء) کے بیٹے ہیں اور پنجاب یونیورسٹی لاہور (مولوی فاضل، بی۔اے) اور ہمبرگ یونیورسٹی جرمنی (ڈاکٹر آف فلاسفی) کے فارغ التحصیل ہیں۔آپ ۱۹۶۰ء سے جرمنی میں مقیم ہیں، جہاں پر آپ جرمن اور ینٹ انسٹی ٹیوٹ کے ریسرچ فیلو اور ہمبرگ یونیورسٹی کے استاد کی حیثیت سے خدمات سرانجام دینے کے بعد دسمبر ۱۹۹۹ء میں ریٹائر ہوئے۔آپ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں، جو اردو، عربی، فارسی، انگریزی اور جرمن زبان میں شائع شدہ ہیں۔آپ اردو ادب میں بطور افسانہ نگار اور جرمن ادب کے مترجم کے جانے جاتے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

اسرارِ شریعت

جلداول

تمہید

شریعت اسلام کا خطاب عقل پر ہے

ساری حمد وثنا اللہ تعالیٰ رب العالمین کی ذات مستجمع الصفات کو اور صلوٰۃ وسلام محمد رسول اللہ خاتم الانبیاء سرتاج اتقیائے متقدمین ومتاخرین وافسر عقلائے اولین وآخرین اور آپ کی آل واصحاب و خلفائے راہنما وحامیان دین متین پر نازل ہو۔

اما بعد۔ واضح ہو کہ شریعت اسلام کا خطاب چونکہ عقل پر وارد ہوا ہے، اس لئے بالضرور ماننا پڑتا ہے کہ اسلام کا کوئی مسئلہ عقل کے برخلاف نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں صاف لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ ہر ایک معقول بات پیش کرتا ہے اور کسی بات کے قبول کرنے کے لئے جبر نہیں کرتا۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے **لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا** ۔ترجمہ۔یعنی خدا تعالیٰ انسانی نفوس کو ان کی وسعت علمی سے زیادہ کسی بات کو قبول کرنے کے لئے تکلیف نہیں دیتا۔ بلکہ وہ عقیدے پیش کرتا ہے، جن کا سمجھنا انسان کی حد استعداد میں داخل ہے، تاکہ اس کے حکم تکلیف مالایطاق میں داخل نہ ہوں۔ قرآن کریم میں جس قدر عقائد اور اصول اور احکام خدا تعالیٰ نے پیش کئے ہیں، ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے، جس میں زبردستی اور تحکم ہو۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے **ھٰذَا ذِکۡرٌ مُّبَارَکٌ**. ترجمہ یعنی یہ قرآن بابرکت ہے۔ کوئی نئی چیز نہیں لایا، بلکہ جو کچھ انسان کی فطرت میں بھرا پڑا ہے، اس کو یاد دلاتا ہے۔ اور فرماتا ہے **لَا اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ** ۔یعنی دین اسلام کوئی بات جبر سے منوانی نہیں چاہتا، بلکہ ہر ایک بات پر روشن دلائل پیش کرتا ہے۔

معقول کے علاوہ علم منقول وسماعی کی طرف بھی توجہ دلائی اوراس کو ضائع نہیں کیا، بلکہ اس کو حصول علم الیقین بتایا۔ چنانچہ خداتعالیٰ دوزخیوں سے حکایت فرماتا ہے۔ قَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ اَصْحَابِ السَّعِيْرِ . ترجمہ۔ یعنی دوزخی کہیں گے کہ اگر ہم عقلمند ہوتے اور مذہب اور عقیدہ کو معقول طریقوں سے آزماتے یا کامل عقلمندوں اور محققوں کی تحریروں اور تقریروں کو توجہ سے سنتے، تو آج دوزخ میں نہ پڑتے۔ اس آیت میں علم معقول کے علاوہ صحت وتصدیق علم سماعی کی طرف بھی اشارہ ہے کہ انسان کانوں سے بھی علم الیقین حاصل کرسکتا ہے۔ مثلاً ہم نے لنڈن نہیں دیکھا، صرف دیکھنے والوں سے اس شہر کے وجود کے بارے میں سنا ہے۔ مگر کیا ہم شک کرسکتے ہیں کہ شاید ان سب نے جھوٹ بول دیا ہوگا۔ ہم نے عالمگیر بادشاہ کو نہیں دیکھا اور نہ اس کا زمانہ پایا، مگر کیا ہمیں اس بات میں شک ہوسکتا ہے کہ عالمگیر چغتائی بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا۔ ایسا یقین کیوں حاصل ہوا۔ اس کا جواب یہی ہے کہ صرف سماع کے تواتر سے۔ پس اس میں شک نہیں کہ سماع بھی علم الیقین کے مرتبہ تک پہنچا تا ہے۔
پس جبکہ مدار احکام شرع اسلام اور اس کا خطاب عقل پر ہے، تو لامحالہ اعمال بغیر عقل قابل قبولیت نہیں ہو سکتے۔ جو شخص دولتِ عقل سے محروم ہے، اس کی کوئی عبادت اور ایمان، نماز، روزہ، زکوٰۃ۔ حج اور فرائض ونوافل درست نہیں، کیونکہ قرآن کریم ہر عبادت کے لئے عاقلوں کو خطاب کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں مجنون اور نابالغ، غیر عاقل کے لئے کوئی حکم شرعی فرض واجب نہیں ٹھرایا گیا۔ قرآن کریم اعلیٰ درجہ کے دلائل اپنے ساتھ رکھتا ہے اور ایک چمکتا ہوا نور اس میں پایا جاتا ہے۔ تمام مذہبی کتابوں سے قرآن کریم کے افضل وممتاز ہونے کی منجملہ اور وجوہات کے ایک یہ بھی ہے کہ وہ عقائد اور احکام کے بارے میں عقل کو خطاب کرتا ہے اور خلاف وعناد کی صورتوں میں اسی کو حکم قرار دیتا ہے۔ اس نے جس عقیدہ وحکم کو ثابت کیا، یا جس کی تردید کی ہے، دلیل عقلی سے کی ہے۔
قرآن کریم نے عاقل کی تعریف کی اور حق کی بات نہ سمجھنے والے غیر عاقل کی مذمت یہانتک بیان فرمائی کہ اس کو تمام جانداروں میں سے بدترین مخلوق قرار دیا۔ چنانچہ فرمایا اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ . یعنی بدتر سب جانداروں میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ بہرے اور گونگے انسان ہیں، جو حق بات کو نہیں سمجھتے اور باوجود کان ہونے کے خدا کا کلام نہیں سنتے اور باوجود زبان موجود ہونے کے خدا کی بات دوسروں کو نہیں سناتے۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے حق کی بات نہ سننے اور نہ کہنے والے انسانوں کو بہرے اور گونگے فرمایا۔
علیٰ ھذا القیاس احادیث نبویہ میں بھی ہر بات عقلی رنگ میں پیش کی گئی ہے۔ اور انسان کی

شرافت اور کرامت بوجہ عقل ہی قرار دی گئی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **دِیْنُ الْمَرْءِ عَقْلُه، فَمَنْ لا عَقْلَ لَه، لَادِیْنَ لَه،** ۔ ترجمہ۔یعنی آدمی کا دین اس کی عقل کے ذریعہ درست ہوتا ہے، جس کو عقل نہیں اس کا کوئی دین نہیں ہے۔اور فرمایا **اَفْلَحَ مَنْ رُزِقَ لُبّاً** ترجمہ۔یعنی جس کو عقل عطا ہوئی، وہ نجات یافتہ و کامیاب ہوگا۔

خردافسر شہر یاراں بود خرد زیور نامداراں بود
خرد زندگی جاودانی شناس خرد مایہء زندگانی شناس
چہ گفت آں ہنرمند مرد خرد کہ دانا زگفتار خود برخورد

(۱) عقل بادشاہوں کیلئے بمنزلہ تاج کے ہوتی ہے۔عقل شرفاء کیلئے بمنزلہ زیب وزینت کے ہوتی ہے (۲) عقل کو ہمیشہ کی زندگی جانو۔عقل کو زندگی کی پونجی سمجھو۔(۳) ہنرمند دانا نے کہا ہے کہ عاقل آدمی اپنی عاقلانہ باتوں کا پھل کھاتا ہے۔

صحت عقل کا معیار

صحت عقل کا بھی کوئی معیار چاہیئے۔ورنہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے اور دیکھا گیا ہے کہ جن باتوں کو بعض ناقص العقل لوگ معقول سمجھ بیٹھتے اور ان پر قائم ہو جاتے ہیں، وہ حماقت اور مالیخولیا وجنون اور خیالات ناقصہ انسانیہ کا مجموعہ ثابت ہوتی ہیں۔

عقل کا آں با کبرے دارند خلق ہست حمق وعقل پندار ند خلق
کبر شہر عقل را ویراں کند عاقلاں را گمرہ و ناداں کند

(۱) لوگ جو عقل کبر (غرور) کے ساتھ رکھتے ہیں، وہ حماقت کا مجموعہ ہوتا ہے، جس کو وہ عقل گمان کرتے ہیں۔
(۲) کبر تو عقل کے شہر کو ویران اور عاقلوں کو گمراہ اور نادان کر دیتا ہے۔

دنیا کے محض عقلی مذاہب مختلفہ کو دیکھ کر عدل اس امر کا مقتضی ہے کہ انسانی عقل کی صحت وسقم جانچنے کے لئے کوئی معیار ہو اور معیار بھی اسی کا مقرر کردہ ہو، جو اس کا خالق ہے۔سو اس کا خالق خدا تعالیٰ اور معیار برائے تنقید صحت عقل اس کا کلام ہے۔اگر بجز اقتباس نور وحی و پرتوی آفتاب نبوت محض انسانی عقلیں درست ہوتیں، تو دنیا کے صدہا مذاہب باطلہ کے پیروکار، جو اپنے تراشیدہ خیالات اور وہمی عندیات کو موافق عقل سلیم سمجھ بیٹھے ہیں، ان کو درست کہنا پڑتا اور نہ ان میں اس قدر طویل وعریض اختلافات رونما ہوتے۔لہٰذا اس بارے میں ہمیں یہی ہدایت ملی ہے کہ دینی عندیات وعقائد وعبادات و معاملات میں خالق عقول کے کلام اور اس کے منور کئے ہوئے چراغ ہدایت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ ءحسنہ سے باہر نہ نکلیں، تا کہ آمیزش خیالات نفسانیہ کی تاریکی میں داخل ہونے سے ہماری عقل افراط وتفریط کی موجب نہ ہو۔

عقل در اسرار حق بس نا رساست آنچہ گہ گہ مے رسد ہم از خداست
اندرون خویش را روشن مداں آنچہ مے تابد بتابد ز آسماں
سرکشی از حق کہ من دانا دلم حاجت وحیش ندارم عاقلم
لغزش تو حاجتے پیدا کند درد مے عقل ترا رسوا کند
چوں ز آموزش خرد را یافتی پس ز تعلیمش چرا سر تافتی

(۱) اللہ تعالیٰ کے بھیدوں تک پہنچنے میں عقل بہت کمزور ہے۔ جو کچھ کبھی کبھی عقل کی بات ٹھیک نکل آتی ہے، وہ بھی خداتعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ (۲) اپنے دل کو ذاتی روشنی رکھنے والا نہ سمجھو۔ اس پر جو نور چمکتا ہے، وہ آسمان سے چمکتا ہے۔ (۳) حق سے سرکشی کر کے کہتے ہو کہ میں دل دانا رکھتا ہوں اور اسکی وحی کی حاجت نہیں رکھتا، خود عاقل ہو۔ (۴) تیرا پھسلنا اور چوک جانا وحی الٰہی کی حاجت کو ثابت کرتا ہے۔ اور ایک لحظہ میں تیری عقل کو کمزور اور شرمندہ کرے گا۔ (۵) جبکہ تم نے خداتعالیٰ کی تعلیم اور ہدایت سے عقل کو حاصل کیا ہے، تو پھر اسکی تعلیم وحی قرآن سے کیوں سر پھیرتے ہو۔

صحیح معرفت حقائق دینیہ عقل کے دوسرے جوڑ کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی

عقل کی مثال آئینہ کی ہے۔ مگر کوئی آئینہ بغیر نور آفتاب چہرہ نما نہیں ہوسکتا۔ عقل کی مثال آنکھ کی ہے، جس کے ذریعہ سیاہ وسفید وغیرہ ہر رنگ کی تمیز ہوسکتی ہے، مگر کوئی آنکھ بجز شعاع آفتاب نہ خود کچھ دیکھ سکتی ہے اور نہ دکھلا سکتی ہے۔ پس جس طرح جسمانی آنکھ وآئینہ میں بغیر امداد نور آفتاب کچھ دیکھا نہیں جاسکتا، ایسا ہی روحانی چشم عقل کا حال ہے کہ وہ روحانی آفتاب کے بغیر کور ہے۔

عقل ایں جا ساکت آید یا مضل بے شعاع نور فرقاں ہمچو خر ماند بگل

(ترجمہ) اس موقعہ پر عقل یا تو خاموش رہتی ہے اور راستہ نہیں دکھا سکتی یا گمراہ کرتی ہے۔ قرآن کریم کی روشنی کے بغیر گدھے کی طرح کیچڑ میں پھنس جاتی ہے۔

جس انسان کا اعتقادی وعملی رخ آفتاب نبوت سے پھرا ہوا ہو، اسکی چشم عقل نابینا ہے۔ اس کا حال اس شخص کا سا ہے جو بیاباں میں شب تاریک میں راہ راست نہ دیکھنے سے حیران وسرگرداں رہ جائے۔ ہم ہر ایک بات کی تحقیق عقل کے ذریعہ سے کرسکتے ہیں۔ بلاشبہ عقل نہایت عمدہ چیز ہے اور انسان کی فضیلت اس کی عقل ہی کے سبب سے ہے۔ لیکن اس کا جوہر تب ہی ظاہر ہوتا ہے کہ جب وہ اپنے جوڑ کے ساتھ شامل ہو۔ ورنہ وہ دھوکا دینے میں دشمنوں سے بدتر ہے۔ دورنگی دکھانے میں منافقوں سے بڑھ کر ہے۔ جس طرح کوئی جاندار ایک پاؤں سے چل نہیں سکتا اور کوئی پرندہ ایک بازو سے اڑ نہیں

سکتا، اسی طرح عقل معرفت دینیہ اور راہ خدا طے کرنے میں بغیر اپنے جوڑ کے لنگ (لنگڑا) وشکستہ بازو ہے۔ خوب سوچو۔ بن جوڑ کسی بات کی بھی گت نہیں۔ خدا نے جوڑ بھی ایک عجیب چیز بنایا ہے۔ جہاں دیکھو جوڑ ہی سے کام نکلتا ہے۔ تم سب کانوں ہی سے سنتے ہو، مگر ہوا کی بھی حاجت ہے۔ آفتاب چھپا، تو بس اندھے بیٹھے رہو۔ کانوں کو ہوا سے ڈھانک لو، تو بس سننے سے چھٹی ہوئی۔

حاجت نورے بود ہر چشم را	ایں چنیں اوفتاد قانون خدا
چشم بینا بےخور تاباں کہ دید	کے چنیں چشمے خداوند آفرید
تافتن رو از خور تاباں کہ من	خود بر آرم روشنی از خویشتن
عالمے را کور کرداست ایں خیال	سرنگوں افگند در چاہ ضلال
ناز برفطنت مکن گر فطنتے است	در رہ تو ایں خردمندی بتے است
چوں نیائی زیر تاب آفتاب	کے فتد بر تو شعاع در حجاب
منتہائے عقل و تعلیم خدا است	ہر صداقت را ظہور از انبیاست
با زبان حال گوید روزگار	اے قصیر العمر گیر آموزگار
از کس و ناکس بیاموزی فنون	عار داری زاں حکیم بیچگوں
طبعزاد ناکساں ہم ناقص است	گرترا گوشے بود حرفے بس است

(۱) ہر آنکھ کو ایک اور چیز کی حاجت ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ کا قانون اسی طرح پر واقع ہوا ہے۔ (۲) بغیر چمکنے والے آفتاب کی مدد کے چشم بینا کس نے دیکھی ہے۔ خدا تعالیٰ نے ایسی آنکھ کب پیدا کی ہے۔ (۳) سورج سے روگرداں ہو کر یہ دعویٰ کرنا کہ میں اپنے آپ سے روشنی پیدا کرلوں گا۔ (۴) ایسے خیال نے ایک جہان کو اندھا کر کے گمراہی کے کنوئیں میں سر کے بل گرا دیا ہے۔ (۵) اگر تم کو کچھ عقل حاصل ہے، تو اس پر غرّہ مت ہو، کیونکہ یہ عقل تمہارے لئے راہ خدا میں ایک بت ہے۔ (۶) جب تک تم سورج کی چمک کے نیچے نہ آ ؤ گے، تم پر حجاب اور پردہ میں آفتاب کی چمک کب پڑ سکتی ہے۔ (۷) عقل کا انجام خدا تعالیٰ کی تعلیم حاصل کرنا ہے۔ ہر سچائی کا ظہور انبیاء سے ہوتا ہے۔ (۸) زمانہ زبان حال سے پکار کر کہہ رہا ہے کہ اے کوتاہ عمر انسان استاد سے سبق حاصل کر۔ (۹) ہر کمزور انسان سے تم ہنر سیکھتے ہو اور اس بے مثل حلیم سے سبق سیکھنے سے کیوں عار کرتے ہو۔ (۱۰) ناکس انسان کے خیالات ناقص ہوتے ہیں۔ اگر تم کان رکھتے ہو، تو یہی ایک بات تمہارے لئے کافی ہے۔

جیسا کہ انسان کی ہر چیز محدود ہے ایسا ہی اس کی عقل و تجربہ بھی محدود ہے۔ ایک حد تک پہنچ کر عقل ماندہ ہو جاتی ہے آگے نہیں جا سکتی۔ لہٰذا اس کی ایسی حالت بیکسی اور بے بسی میں خدا تعالیٰ نے انسان کی دستگیری کے لئے اپنا الہام اور کلام مقرر فرمایا۔

اسباب و بواعث تالیف کتاب ہذا

اس کتاب کے لکھنے کے محرک اسلام کے مخالف فرقہ ہائے ضالہ آریہ، عیسائی اور دہریے ہیں۔ ان کی کتابوں میں اسلام پر اعتراض کرنے میں جو رنج دہ اور دل شکن روش اختیار کی گئی ہے، میں نے اس کو ترک کر کے صرف اسلام کی خوبیاں اور حقائق و اسرار اور ان کے جوابات بالفاظ مناسب و ملائم لکھے ہیں۔ اور بعض مقامات پر مخالفین کے اصل اعتراض نقل کر کے ان کے بالمقابل جوابات لکھے ہیں تاکہ ضدین کے مقابلہ سے ان کا حسن و قبح ظاہر ہو جاوے اور روشنی کے سامنے سے تاریکی بھاگ جاوے۔

گر نبودے در مقابل روئے مکروہ و سیاہ　　کس چہ دانستے جمال شاہد گلفام را
گر نیفتادے بخصمے کار در جنگ و نبرد　　کے شدے جوہر عیاں شمشیر خوں آشام را
روشنی را قدر از تاریکی است و تیرگی　　وز جہالتہاست عزو وقر عقل نام را

اعتراضات کے جوابات کے ضمن میں بعض مسائل کے اسرار و حقائق متعددہ لکھے ہیں۔ اور حسب فرمان نبوی از دیاد رحمت الٰہی ہیں۔ فرمایا اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَةٌ یعنی میری امت کے لوگوں کا بعض شرعی مسائل کی مختلف جائز صورتوں میں تعمیل کرنا موجب رحمت الٰہی ہے۔ یعنی ایک ہی بات میں سے وجوہات مقدورہ علیٰ سبیل لزوم الحق تسلیم کئے جائیں اور ان میں سے کسی کو اپنی رعونت نفس کے باعث انکار و اصرار نہ ہو۔ جیسا کہ ہم نے کتاب الصلوٰۃ میں باصح الروایات نماز میں ہاتھ باندھنے کے متعلق تین مقام ثابت کر کے لکھا ہے۔ سینہ، شکم، زیر ناف۔ اور یہ تینوں مقام نماز میں ہاتھ باندھنے کے لئے جائز ہیں۔ اب ہم ان تینوں میں سے کسی ایک کو لے کر باقی کی تردید کریں گے، تو یہ ناجائز ہے۔ اور اس قسم کی اختلافی صورتوں کو دیکھ کر جو کہ موجب رحمت الٰہی ہیں، کسی ایک کا ماننا اور باقی کی تردید کرنا اور ان کے قائل اور عامل کی تفسیق و تکفیر کرنا موجب بُعد از رحمت الٰہی و حرمان ہے۔ وَ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِیْحُکُمْ. وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ ط ترجمہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کر کے اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ نمونہ پر چلو۔ اور آپس میں کشمکش نہ کرو۔ ورنہ تم کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری قوی قوت تمہارے اندر سے نکل جائے گی۔ خدا کے حکم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر ثابت قدم رہو۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اسرار شریعت میں طریق قرآن کریم و احادیث نبویہ

وحی جلی و خفی میں احکام الٰہی کے فوائد و اسرار اور امور ممنوعہ و محرمہ کے نقصانات و مضرات کو مثالوں و

نظائر میں بیان کر کے انسانی عقول وفہوم کے سمجھنے کیلئے سہل وآسان کر دیا گیا ہے، تا کہ انسان ضعیف البنیان کی عقل انکا ادراک کر سکے۔ قرآن کریم واحادیث نبویہ میں متماثل ومتشابہ امور کی برابری مثال سے سمجھائی گئی ہے اور ایک نظیر کو دوسری نظیر سے مثال کے ذریعہ ملحق کیا گیا ہے۔ خدا نے انسان کی فطرت میں یہ راز مرکوز فرمایا ہے کہ وہ ایک حکم کی نظیر سے دوسرے حکم کی نظیر اور ایک مثل سے دوسری مثل کو سمجھ لیتا ہے اور اسکی عقل میں یہ بات سمائی ہوئی ہے کہ یکساں ومتشابہ امور کا انکار کرنا اور مختلف ومتضاد باتوں کو یکساں سمجھنا مقبوح و بُرا ہے اور قانون الٰہی میں بھی ایسا ہی مقرر ہے۔ چنانچہ اعمال نیک و بد کی جزاء وسزا اعمال کے موافق ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے **وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا** ۔ ترجمہ۔ یعنی جن لوگوں نے برے کام کئے انکو بدلہ بھی ویسا ہی ملے گا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **مَنْ سَتَرَ مُسْلِماً سَتَرَهُ اللهُ وَ مَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَهُ اللهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَ الآخِرَةِ وَ مَنْ ضَارَّ مُسْلِماً ضَارَّ اللهُ بِه وَ مَنْ عَفَا عَنْ حَقِّه عَفَى اللهُ عَنْ حَقِّه** ترجمہ۔ یعنی جوشخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے خدا تعالیٰ اسکی پردہ پوشی کرتا ہے اور جوشخص کسی تنگدست پر آسانی کرے خدا تعالیٰ اسکو دنیا وآخرت میں آسانی دیتا ہے۔ جوشخص کسی مسلمان سے دنیا کی کوئی تنگدستی وسختی دفع کرے خدا تعالیٰ اسے دنیا وآخرت میں آسانی دیتا ہے۔ جوشخص کسی مسلمان کو ضرر دے گا، خدا تعالیٰ اسکو ضرر دے گا۔ جوشخص کسی کے حق میں درگذر کرے گا۔ خدا تعالیٰ اس سے درگذر کرے گا۔

احکام کے اوصاف مؤثرہ انکی حرمت وحلت کے باعث ہوتے ہیں

وحی جلی وخفی میں احکام کی حکمت وحرمت کے اسباب اور وجوہات ان کے اوصاف مؤثرہ کو قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ حرمت شراب کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُّوَقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ** ۔(۲/۷)۔ ترجمہ۔ یعنی شیطان چاہتا ہے کہ شراب خوری وقمار بازی کے سبب تمہارے درمیان عداوت اور دشمنی پیدا کر دے۔ اور تم کو اللہ تعالیٰ کی یاد اور نماز سے روک دے۔ پس تم ان دونوں فعلوں سے باز آجاؤ۔

حالت حیض میں حرمت جماع کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ. قُلْ هُوَاَ ذىً فَاعْتَزِلُوْا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ** ۔ ترجمہ۔ یعنی تجھ سے حیض میں حرمت جماع کا سبب پوچھتے ہیں۔ کہو حیض میں جماع اس لئے منع کیا گیا کہ حیض نجاست و بیماری ہے۔ جو حیض کی حالت

میں جماع کرے گا، وہ ظاہری و باطنی نجاست میں آلودہ و بیماری میں مبتلا ہوگا۔ لہٰذا حالت حیض میں عورتوں سے کنارہ کرو اوران سے مباشرت نہ کرو، جبتک وہ اس نجاست و بیماری سے پاک نہ ہولیں۔

اپنی بیوی کی زندگی میں اس کی پھوپھی وخالہ سے نکاح کی وجہ حرمت کے متعلق نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ اِنَّکُمْ اِذَا فَعَلْتُمْ ذٰلِکَ قَطَّعْتُمْ اَرْحَامَکُمْ۔ ترجمہ۔ یعنی اگر تم اپنی زوجہ کی زندگی میں اس کی پھوپھی یا خالہ سے نکاح کروگے، تو تمہارا یہ فعل صلہ رحمیوں کے قطع کا باعث ہوگا۔ اس لئے ایسا نکاح حرام ہوا۔ ایسا ہی اس عورت سے نکاح حرام ہے، جس کی پھوپھی یا خالہ اس سے پہلے ناکح کے نکاح میں موجود ہو۔

احرام حج میں مرنے والے کے منہ کو نہ ڈھانپنے کی وجہ کے متعلق فرمایا۔ اَنَّہٗ یُبْعَثُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مُلَبِّیًا ۔ ترجمہ۔ یعنی احرام حج میں فوت ہونے والے کا منہ نہ ڈھانپو، کیونکہ وہ قیامت کو لبیک کہتا ہوا اٹھے گا۔ سرگوشی کی حرمت کے متعلق فرمایا۔ لَایَتَنَاجِی اِثْنَان دُوْنَ الثَّالِثِ فَاِنَّ ذَالِکَ یَحْزُنُہٗ ۔ ترجمہ۔ یعنی تیسرے آدمی سے علیٰحدہ ہوکر دو آدمی آپس میں سرگوشی نہ کریں، کیونکہ یہ تیسرے آدمی کے لئے باعث رنج ہوگا۔

گدھے کی حرمت کے سبب کے متعلق فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ وَ رَسُوْلُہٗ یَنْھَیَانِکُمْ عَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ فَاِنَّھَا رِجْسٌ ۔ ترجمہ۔ یعنی خدا تعالیٰ اور اس کا رسول تم کو گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرماتے ہیں، کیونکہ گدھا ناپاک ہے۔

اپنے لئے وجہ حرمت صدقہ کے متعلق فرمایا۔ اَنَّھَا لَا تَحِلُّ لآلِ مُحَمَّدٍ انَّمَا ھِیَ اَوْسَاخُ النَّاسِ ۔ ترجمہ۔ یعنی صدقہ محمدؐ اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حلال نہیں ہے، کیونکہ صدقہ لوگوں کے گناہوں کی میل ہے۔

احکام الٰہی کے نظائر اوران کی تشبیہ اسباب دنیا سے

ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میرا باپ مسلمان ہوگیا ہے اور وہ بہت بوڑھا ہے۔ سواری پر بیٹھ نہیں سکتا اور اس پر حج فرض ہے۔ کیا میں اس کی طرف سے حج کرلوں۔ تو فرمایا۔ لَوْکَانَ عَلٰی اَبِیْکَ دَیْنٌ اَ کُنْتَ قَاضِیًا قَالَ نَعَمْ. قَالَ فَدَیْنُ اللّٰہِ اَحَقُّ اَنْ یُّقْضٰی ۔ ترجمہ۔ یعنی اگر تیرے باپ پر کسی کا قرض ہو، تو کیا اس کو تو ادا کرے گا یا نہیں۔ کہا، ہاں۔ فرمایا پس خدا کا قرض زیادہ مستحق ہے کہ ادا کیا جائے۔

حضرت عمرؓ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے آج ایک بڑا

خراب کام کیا کہ میں نے بحالت روزہ اپنی عورت کو چوم لیا اور اس میں مجھے روزہ ٹوٹ جانے کا شک ہے۔اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم بحالت روزہ پانی سے کلی کرو، تو کیا اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔حضرت عمرؓ نے کہا کہ اس میں کوئی مضایقہ نہیں، یعنی اس سے روزہ نہیں ٹوٹ سکتا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ رکھے رہو۔اس تشبیہ کا ذکر اس لئے فرمایا کہ اس کی اس بات پر دلالت ہو کہ حکم کی نظیر اس کی مثل کے حکم پر ہوتی ہے، کیونکہ بوسہ، جو کہ جماع کا وسیلہ ہے، اس کو منہ میں پانی رکھنے کی طرح قرار دیا اور ظاہر کیا کہ جس طرح منہ میں پانی رکھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اسی طرح بوسہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔واضح رہے کہ یہ فتویٰ ہے مگر احتیاط اسی میں ہے کہ عندالتوقان ہر ایک جوان آدمی بالخصوص بحالت روزہ عورت کے بوس وکنار سے کنارہ کش رہے، ورنہ مظنہ فساد ہے۔

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ میں ذکر فرمایا کہ اپنی بیوی سے مباشرت کرنے میں تمہارے لئے اجر وثواب ہے۔صحابہ نے عرض کیا کہ آیا کوئی شخص اپنی عورت سے بغرض شہوت رانی مباشرت کرے، تو بھی اسکو ثواب ملے گا۔فرمایا کیوں نہیں۔اگر تم بوجہ حرام کاری کسی بیگانہ عورت سے شہوت رانی کرتے، تو اس پر تم گنہگار ہوتے ہو یا نہیں۔اس میں ظاہر فرمایا کہ جس طرح انسان حرام کاری سے گنہگار ہوتا ہے، ایسا ہی کار حلال سے اس کو اجر ملتا ہے۔مذکورہ بالا نظائر وتشبیہات سے واضح ہو چکا کہ احکام شریعت کا نقشہ فطرت انسانی میں مرکوز ہے اور وہ بتمامہا معقول ہیں۔

علم تعبیرات واستعارات ومجازات

علم الشرائع کے بیان کرنے میں علم التعبیر ات واستعارات ومجازات کا بڑا دخل ہے چنانچہ قرآن کریم واحادیث نبویہ میں علمائے عاملین بالعلم کی تاویل نجوم آئی ہے۔**اَصحَابِی کَالنُّجُوم**۔ یعنی میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔اس جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے بالمقابل بمنزلہ شمس واقع ہیں اور عالم بےعمل کی تاویل حمار (گدھا) واقع ہوئی ہے۔چنانچہ خداتعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ **مَثَلُ الَّذِّیْنَ حُمِلُوا التَّوْرَاۃَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْھَا کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَاراً**۔ترجمہ۔ یعنی مثال ان لوگوں کی، جن پر لادی گئی توریت یعنی وہ اس کے علم کے حامل ہوئے پھر اس کو نہ اٹھایا یعنی اس کے مطابق عمل نہ کیا، مثل گدھے کی ہے، جو پیٹھ پر کتابیں اٹھاتا ہے۔

بارش کی تاویل رحمت۔علم، قرآن حکمت اور اصلاح حال ہے۔آگ کی تاویل فتنہ وفساد ہے۔ یہود اور عیسائی کی تاویل، دین اسلام میں بدعت ہے۔لوہے اور آلات حرب کی تاویل قوت اور نصرت ہے۔خوشبو کی تاویل اچھی صفت وثناء اور اچھی بات ہے۔ٹڈی دل کی تاویل لشکر ہے۔مرغ کی تاویل

عالی ہمت انسان ہے۔سانپ کی تاویل دشمن اور موت ہے۔بھیڑیئے کی تاویل ظالم اور فاجر انسان ہے۔بلی کی تاویل خدمتگار انسان ہے۔لومڑی کی تاویل مکار اور چالباز انسان ہے۔بیمار کا اپنے گھر سے خاموش نکلنے کی تاویل اسکی موت اور باتیں کرتے ہوئے نکلنے کی تاویل اسکی زندگی ہے۔کُرتے اور دودھ کی تاویل علم شریعت اسلام ہے۔سبز کھیتی کی تاویل صالح انسان وعمل صالح ہے۔شیر کی تاویل غالب و قاہر انسان ہے۔اس کتاب میں ہر حکم شریعت کی تاویل از روئے علم تعبیر اپنے موقعہ پر درج ہوگی۔

راقم۔خاکسار محمد فضل خان عفی عنہ

۱۷۔رمضان ۱۳۴۴ھ

نوٹ از مدوّن۔ یہ پیش لفظ "اسرار شریعت" کے تیسرے ایڈیشن سے لیا گیا ہے۔جیسا کہ دوسری جگہ پر بیان ہو چکا ہے،مصنف نے اس کتاب کی تصنیف کا کام ماہ محرم الحرام ۱۳۲۷ھ (مطابق ۱۹۰۹ء) میں شروع کیا تھا اور چھ ماہ کے اندر مکمل کر لیا تھا۔کتاب کی اشاعت ۱۳۲۸ھ (مطابق ۱۹۱۰ء) کو پہلی بار ہوئی۔ پہلی دونوں جلدیں عملی شریعت کے اسرار کے بارے میں ہیں، جب کہ تیسری جلد اعتقادی امور کے بارے میں ہے۔چونکہ یہ کتاب عرصہ دراز سے نایاب تھی اور اس کی تصنیف پر پوری ایک صدی گزر چکی ہے، اس لئے ہم نے اس کو از سر نو شائع کرنے کا تہیہ کیا ہے۔تینوں حصوں کو علیحدہ علیحدہ شائع کیا جارہا ہے۔اس کتاب کی اشاعت جرمنی، امریکہ اور پاکستان سے بیک وقت ہو رہی ہے۔فالحمدللہ۔

راقم عاجز منیرالدین احمد
(جون ۲۰۱۱ء)

کتاب الطہارت

معنی لفظ وضو

لفظ وضوعربی ہے، جو وضاءۃ سے نکلا ہے۔ وضاءۃ کے معنی پاکیزگی، صفائی وستھرائی وخوبی کے ہیں۔ اور وضولغت میں صاف ستھرا بننے اور اصطلاح شرع میں طہارت صغریٰ یعنی اندامہائے مخصوصہ جملہ اجزائے منہ کو طولاً پیشانی کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک اور عرضاً ایک کان کی لَو سے دوسرے کان کی لَو تک اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونے اور ہر دو کانوں وسر کا مسح کرنے اور دونوں پاؤں کو ٹخنوں تک دھونے کو کہتے ہیں۔

وضـــو. بفتح واؤ پانی۔ بکسر واؤ لوٹا۔ بضمہ واؤ اس فعل کو کہتے ہیں، جس کا ہم ذکر کرتے ہیں۔ فرضیت وضو کے متعلق قرآن کریم کی یہ آیت ہے۔ **یَاایُّھَا الَّذِیۡنَ آمَنُوۡا اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَی الصَّلوٰۃِ فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡھَکُمۡ وَ اَیۡدِیَکُمۡ اِلَی الۡمَرَافِقِ وَ امۡسَحُوۡا بِرَؤُسِکُمۡ وَ اَرۡجُلَکُمۡ اِلَی الۡکَعۡبَیۡنِ** ۔ ترجمہ۔ اے ایمان والو، جب تم نماز کے لئے اٹھو، تو اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھولو اور مل لو اپنے سر کو اور دھولو پاؤں کو ٹخنوں تک ۔ بعض لوگ اس بات میں بحث کرتے ہیں کہ اعضائے وضو میں، جن کے دھونے کا حکم ہے، پاؤں بھی داخل ہیں یا نہیں۔ لہٰذا واضح ہو کہ عبارت قرآنی کو بغور دیکھا جائے، تو اس سے پاؤں کا دھونا بھی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ پاؤں کے ساتھ **اِلَی الۡکَعۡبَیۡنِ** کی حد لگا دی ہے، جیسے کہ ہاتھوں کے دھونے کے ساتھ **اِلَی الۡمَرَافِق** کی قید لگائی تھی۔ اگر پاؤں پر صرف مسح ہی کرنے کا حکم ہوتا، تو جس طرح سر کے مسح میں کوئی حد نہیں لگائی، اسی طرح پاؤں کے مسح میں بھی کوئی حد نہ لگائی جاتی اور صرف یوں کہا جاتا کہ **وَامۡسَحُوۡا بِرَؤُسِکُمۡ وَ اَرۡجُلَکُمۡ** ۔ اور پاؤں کا ذکر اندام ممسوح کے بعد آنے کا راز آگے منصوص کی حکمت میں ملاحظہ کرو۔

اکثر اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جس کو آپ دیکھتے کہ اس نے ایک ناخن کے برابر بھی اندام وضو کو خشک چھوڑا ہے اور تر نہیں کیا، تو آپ اس کو دوبارہ وضو و نماز کے دہرانے کا حکم کرتے اور فرماتے۔ **وَیۡلٌ لِلاَعۡقَابِ وَ بُطُوۡن الاَقۡدَامِ مِنَ النَّارِ** ۔ یعنی ٹخنوں اور قدموں کی اندرونی طرف کے لئے جہاں وضو کرنے کے وقت ایک ذرہ بھر بھی خشک رہ جائے جہنم کی آگ ہے، جس کو وضو

میں لوگ اچھی طرح نہیں دھوتے ۔تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب صحابہ نماز کا وقت قریب الاختتام دیکھتے تو خروج وقت کے خوف سے جلدی جلدی وضو کر کے مسجد میں آ جاتے اور ٹخنے پانی سے تر نہ ہوتے ۔لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ کر فرماتے اَیُّھَا النَّاسُ اسْبِغُوا الْوُضُوْءَ، وَیْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ ۔یعنی اے لوگو وضو اچھی طرح پورا کرلیا کرو۔ جو ٹخنے خشک رہتے ہیں، ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے ۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ وضو کر کے آیا ہے اور اس کے پاؤں کی پیٹھ پر سے تھوڑی جگہ خشک ہے جہاں پانی نہیں پہنچا تھا، تو اس کو فرمایا کہ اپنے قدموں کی جو جگہ تم نے خشک چھوڑی ہے اس کو دھوڈالو (کذافی "کشف الغمہ عن جمیع الامہ"۔جلد اول صفحہ ۳۹)۔ان احادیث سے بھی پاؤں کا دھونا ہی ثابت ہوتا ہے۔

ترتیب وضو

پہلے منہ کو، پھر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک، پھر سر کا مسح کرنا، پھر دونوں پاؤں کو ٹخنوں تک دھونا۔

فرائض وضو

وضو میں اندامہائے ذیل کا بتفصیل ذیل دھونا فرض ہے۔عرض میں ہر دو رخساروں کو ایک کان سے دوسرے کان تک اور طول میں پیشانی کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک اور دونوں پاؤں کو ٹخنوں تک دھونا فرض ہے ۔ ہر دو کہنیاں اور ہر دو ٹخنے وضو میں دھونے فرض ہیں ۔سر کے چوتھے اور تہائی اور دو تہائی اور کل سر کا مسح کرنا بھی آیا ہے اور ان میں سے کسی ایک کی تعمیل کرنا جائز ہے۔

سنن ونوافل وضو

متوضی کا اپنی نیند سے بیدار ہو کر برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے دونوں ہاتھوں کو دھونا۔ابتدائے وضو میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا۔مسواک کرنا۔کلی کرنا۔اور ناک جھاڑنا۔دونوں کانوں کا مسح کرنا۔ ڈاڑھی اور انگلیوں کا خلال کرنا۔مغسولہ اندا موں کو تین بار تک دھونا۔دل میں طہارۃ کی نیت کرنا۔ سارے سر کا مسح کرنا۔ترتیب وار وضو کرنا۔ہر اندام کو دائیں طرف سے دھونا شروع کرنا اور متواتر تین بار تک دھونا۔

ابتدائے وضو میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کی وجہ

بدن انسانی گناہوں اور غفلتوں سے مردہ یا کمزور ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا نام ابتدائے وضو میں یاد کرنے سے غفلت دور ہوتی ہے۔ پانی ظاہر بدن کو پاک بناتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا نام باطن کو زندگی اور بیداری بخشتا ہے۔ جو لوگ ابتدائے وضو میں تسمیہ ترک کرتے ہیں، ان کے دل مردہ یا بیمار ہوتے ہیں۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ وضو بغیر تسمیہ کے بھی ہو جاتا ہے۔ مگر وہ اس راز سے ناواقف ہیں، جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ اے عزیز من! اگر دل کی زندگی چاہتے ہو، تو ہر وضو کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ لیا کرو۔ بھول جاؤ تو بطور استحباب وضو از سر نو کرلو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے **مَنْ ذَكَرَ اسْمَ اللهِ تَعَالىٰ اَوَّلَ وَضُوئِهٖ طَهَّرَ جَسَدَه' كُلَّه' وَ اِذْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللهِ تَعَالىٰ لَمْ يَطْهُرْ مِنْهُ اِلَّا مَوَاضِعَ الْوَضُوْءِ** اور فرمایا **لَا وَضُوْءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ**۔ یعنی وضو کرنے کے وقت جو کوئی خدا تعالیٰ کا نام نہ لے اس کا کوئی وضو نہیں۔

وضو میں نیت واجب نہ ہونے اور تیمّم میں واجب ہونیکی حکمت

وضو میں نیت کرنا واجب نہیں ہے اور تیمّم میں واجب ہے۔ اس میں یہ راز ہے کہ جیسا کہ پانی ہر چیز کو زندگی بخشتا ہے، اسی طرح وہ بدن کو اپنی طبعی خاصیت سے بغیر کسی نیت کے زندہ کرے گا، جس طرح وہ زمین پر بغیر کسی انسان کے فعل کے جاری ہو کر اس کو زندہ کرتا اور اس پر سبزی اور دانے کو اگاتا ہے۔ ایسا ہی وہ وضو کے انداموں کو اپنی طبعی خاصیت سے زندہ کرے گا۔ تیمّم میں نیت اس وجہ سے واجب ہوئی ہے کہ مٹی بہ نسبت پانی کے روحانیت اور زندگی بخشنے میں کمزور ہے۔ اس لئے قصد تیمّم کے ساتھ نیت شروع ہوئی تا کہ ہمت و نیت مل کر دل کو زندہ اور بیدار و ہوشیار کریں۔

سید الاعمال بالنیات گفت نیت خیرت بسے گلہا شگفت

ترجمہ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ **الاعمال بالنیات**، یعنی عملوں کی جزاء و سزا نیت پر منحصر ہے۔ اگر تمہاری نیت اچھی ہوگی، تو تمہاری جزاء بھی اچھی ہوگی اور بجائے خار کے پھول دیکھو گے۔

ہاتھوں کو برتن میں ڈالنے سے پہلے دھونے کا راز

ا۔ رات یا صبح انسان کو خواہ مخواہ حاجت بول و براز لاحق ہوتی ہے اور مخرج کو پاک کرنے میں ہاتھ کا نجاست سے آلودہ ہونا ایسی حالت میں ممکن تھا، لہٰذا یہ امر وارد ہوا کہ انسان ہاتھوں کو برتن میں ڈالنے سے پہلے احتیاطاً دھولے۔

۲۔ علاوہ ازیں اور کئی امور ہیں، جن کی وجہ سے ہاتھوں کو برتن میں ڈالنے سے پہلے احتیاطًا دھونا

مقرر فرمایا۔ ازاں جملہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں **اِذَااسۡتَیۡقَظَ اَحَدُکُمۡ مِنۡ مَنَامِہٖ فَلۡیَسۡتَنۡشِقۡ بِمَنۡخَرَیۡہِ مِنَ الۡمَاءِ فَاِنَّ الشَّیۡطَانَ یَبِیۡتُ عَلٰی خَیۡشُوۡمِہٖ** ۔ترجمہ۔یعنی جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو، تو اپنے نتھنوں کو پانی سے جھاڑ کر صاف کر لے، کیونکہ شیطان رات کو اس کے ناک میں رہتا ہے۔اس لئے بھی ہاتھ دھونا احتیاطاً امر فرمایا کہ شیطانی مادہ کو ہاتھوں سے زائل کرنے میں ہاتھ آلودہ ہوتے ہیں۔علاوہ ازیں اگر انسان نے اپنے ہاتھ سے گوشت کاٹا ہو یا کوئی جانور ذبح کیا ہو اور اس کو اچھی طرح مبالغہ کے ساتھ دھویا نہ جائے اور رات کو بھی ہاتھ ایسے رہیں، تو ان میں سخت بدبو پیدا ہو جاتی ہے اور اس سے خطرناک جراثیم پیدا ہو کر جسم کی تباہی کا موجب ہوتے ہیں۔اور ایسی حالت میں پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے سارے پانی میں جراثیم پھیل کر دوسروں تک پہنچنے سے متعدی ہو جانے کا خطرہ ہے۔ابو داؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ نے رسول کریمؐ سے مرفوعاً روایت کی ہے۔ **مَنۡ نَامَ وَ فِیۡ یَدِہٖ غَمۡرٌ وَ لَمۡ یَغۡسِلۡہُ فَاَصَابَہٗ شَیۡءٌ فَلَا یَلُوۡمَنَّ اِلَّا نَفۡسَہٗ** ۔یعنی جو شخص سو جاوے اور اس کے ہاتھ میں گوشت کی بدبو ہو اور وہ ہاتھ دھو کر نہ سویا ہو اور اسکو کوئی تکلیف لاحق ہو، تو اس کو اپنے آپ کو ہی ملامت کرنی چاہیئے۔اور ایک روایت میں آیا ہے۔**فَاَصَابَہٗ وَ ضَحٌ** ۔یعنی جس کے ہاتھوں میں گوشت کی بدبو ہو، اسکو برص ہو جائے گا۔پانی میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے دونوں ہاتھوں کا دھونا اس لئے مقرر فرمایا کہ انسان شب و روز مدام انہی کے ساتھ کام کرتا اور اشیاء میل آلودہ وغیرہ کو ہاتھ لگاتا ہے اور میل آلودہ چیزوں میں جراثیم امراض مختلفہ کے ہوتے ہیں، جو ہاتھوں میں چمٹ جاتے ہیں اور ایسی حالت میں ہاتھوں کو بغیر دھونے کے تھوڑے پانی میں ڈالنے سے جراثیم کے اس پانی میں گرنے سے ان کے متعدی ہونے کا اندیشہ تھا، جو اوروں کے لئے بھی مضر ہوتے۔اور ہاتھوں کو پانی کے باہر دھونے سے جراثیم کے باہر ہی گرانے کے لئے ارشاد فرمایا۔ اور ہاتھوں کو ہر قسم کے میل سے صاف کر کے پہلے ان کے ساتھ منہ دھونے کا امر کیا۔اگر جراثیم کے ساتھ آلودہ ہاتھوں سے منہ کو دھوتا، تو منہ اور نتھنوں کے ذریعہ فی الفور جراثیم کے اندر چلے جانے کا مظنہ تھا اور یہ طریق ہلاکت کا ہے، جس سے منع فرمایا۔

بے خبر را دل تپد بر بے خبر　　رحم بر کورے کند اہل بصر

ہم چنیں قانون قدرت اوفتاد　　مرضعیفاں را قوی آرد بیاد

ترجمہ۔واقف کو ناواقف سے ہمدردی ہوتی ہے اور اس کو واقف کرتا ہے۔بینا نابینا پر رحم کرتا ہے۔خدا تعالیٰ کا قانون قدرت اسی طرح واقع ہوا ہے کہ کمزوروں کو قوی تر لوگ دھیان میں رکھتے ہیں۔

اسرارطہارت

(وضو کی حکمتیں)

ا۔**وضوراہ نمائے توبہ ہے**۔مسلمان جب دعا کے لئے تیار ہوکرآتا ہے،تو سب سے پہلا کام وضو ہے۔اکثر گناہ ہاتھ پاؤں سے متعلق ہوتے ہیں،اس لئے ان کو وضو میں دھوتا ہے۔گویا یہ بتاتا ہے کہ اے اللہ جہاں جہاں میرا ہاتھ پہنچا ہے، میں اس کو دھونے کے لئے تیار ہوں،باقی کے لئے آپ مدد کریں۔وضو کی ظاہری حالت اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے نیچے ہے اوراس کی اصل حقیقت اورروح جواندرونی طہارت اور باطنی پاکیزگی ہے،وہ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن کے ماتحت ہے۔

عنداللہ مجرم ٹھہر جانے کی تین ہی قسمیں ہیں۔اول یہ کہ زبان پر ناپاک کلمے،جو دین اورراستی اورانصاف کے برخلاف ہیں،جاری ہوں۔دوسرے یہ کہ جوارح یعنی ظاہری اعضاء سے نافرمانی کی حرکات صادر ہوں۔تیسرے یہ کہ دل،جو نافرمانی پر عزیمت کرے،یعنی پختہ ارادہ کرے کہ فلاں فعل بد ضرور کروں گا۔اسی طرف اشارہ ہے جواللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔وَلٰکِنْ یُّوَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ ۔یعنی جن گناہوں کودل اپنی عزیمت سے حاصل کرے ان گناہوں کا مواخذہ ہوگا۔مگرمجرد خطرات پرمؤاخذہ نہیں ہوگا کہ وہ انسانی فطرت کے قبضہ میں نہیں ہیں۔خدائے رحیم ہمیں ان خیالات پر نہیں پکڑتا،جو ہمارے اختیار سے باہر ہیں۔ہاں اس وقت کہ جب ہم ان خیالات کی زبان سے یا ہاتھ سے یا دل کی عزیمت سے پیروی کریں۔بلکہ بعض وقت ہم ان خیالات سے ثواب حاصل کرتے ہیں۔اورخدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں صرف ہاتھ پیر کے گناہوں کا ذکر نہیں کیا،بلکہ کان اورآنکھ اوردل کے گناہوں کا بھی ذکر کیا ہے،جیسا کہ وہ اپنے پاک کلام میں فرماتا ہے۔اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰئِکَ کَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلاً۔(۱۵۔ع۴)۔یعنی کان اورآنکھ اوردل جو ہیں ان سب سے باز پرس ہوگی۔

۲۔قرآن شریف نے تمام عبادات اوراندرونی پاکیزگی کے اغراض اورخشوع وخضوع کے مقاصد میں جسمانی طہارتوں اورجسمانی آداب اورجسمانی تعدیل کو بہت ملحوظ رکھا ہے۔اورغور کرنے کے وقت یہی فلاسفی نہایت صحیح معلوم ہوتی ہے کہ جسمانی اوضاع کا روح پر بہت قوی اثر ہے جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے طبعی افعال گو بظاہر جسمانی ہیں،مگر ہماری روحانی حالتوں پر ضروران کا اثر ہے،مثلاً جب ہماری آنکھیں رونا شروع کریں،گو تکلیف سے روویں،مگر فی الفوران آنسوؤں کا ایک شعلہ اٹھ کر

دل پر جا پڑتا ہے۔تب دل بھی آنکھوں کی پیروی کر کے غمگین ہو جاتا ہے۔ایسا ہی جب ہم تکلف سے ہنسنا شروع کریں،تو دل میں بھی ایک انبساط پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ جسمانی سجدہ بھی روح میں خشوع اور عاجزی کی حالت پیدا کر دیتا ہے۔اس کے مقابل پر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جب ہم گردن کو اونچی کھینچ کر اور چھاتی کو ابھار کر چلیں،تو یہ وضع رفتار ہم میں ایک قسم کا تکبر اور خود بینی پیدا کرتی ہے۔تو ان نمونوں سے پورے انکشاف کے ساتھ کھل جاتا ہے کہ بے شک جسمانی اوضاع کا روحانی حالتوں پر اثر ہے۔جس قدر ہمارا کھانا پینا،سونا، جاگنا،حرکت کرنا،آرام کرنا،غسل کرنا وغیرہ افعال طبعیہ ہیں، یہ تمام افعال ضرور ہمارے روحانی حالات پر اثر کرتے ہیں۔

۳۔انسان کے خیالات اور جذبات کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کچھ ذرائع بنائے ہیں۔ان میں سے ایک اعصاب کا سلسلہ ہے۔ان کے ذریعہ سے انسان کے خیالات اور جذبات کا اثر دوسری چیزوں پر پڑتا ہے اور وہ ایک راستہ کے طور پر ہے۔یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آیۃ الکرسی پڑھ کر اپنے جسم پر پھونکتے تھے۔کیا یہ لغو فعل تھا۔ہرگز نہیں۔بلکہ اصل بات یہ ہے کہ خیالات کا اثر اعصاب کے ذریعہ اور آواز اور پھونک کے ذریعہ اور خیالات کے ذریعہ منتقل ہوتا ہے۔پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان تینوں طریقوں کو جمع کر لیتے تھے۔آیۃ الکرسی منہ سے پڑھ کر ہاتھوں پر پھونکتے،پھر ہاتھ سارے جسم پر پھیر لیتے تھے۔

چھونے اور کلام ودعا سے اشیاء عالم پر اثر ڈالنا

اسلام میں یہ ایک ثابت شدہ صداقت اور مسلّم عندالکل ہے کہ ایک انسان کے جذبات اور حالات دوسرے انسان پر چھونے سے بھی اثر کرتے ہیں۔اور صدہا سال سے ان امور کا تجربہ ہوتا چلا آیا ہے کہ بعض قدسی صفات انسان، جو اپنے حالات و جذبات پر پورا پورا قابو رکھتے ہیں اور ان کا نفس حالت مطمئنہ تک پہنچا ہوا ہوتا ہے، وہ جب چاہیں اپنے باطنی کمالات اور حالات سے دوسرے انسان صاحب استعداد کو صرف چھونے یا معانقہ کرنے یا خرقہ عطا کرنے سے بہرہ ور کر سکتے ہیں اور اپنا حال دوسرے انسان پر ڈال کر اس کو صاحبِ حال بنا سکتے ہیں اور صاحبِ استعداد ہونے کی حالت ان کو کشف یا تعریف الٰہی والہام سے معلوم ہوتی ہے۔مثلاً جس کو وہ اپنا حال عطا کرنا چاہیں،اس کو چھوتے ہیں یا اس سے معانقہ کرتے یا اس کو اپنا لباس پہناتے یا اس کو فرماتے ہیں کہ اپنا کپڑا یا دامن پھیلاؤ اور پھر ہوا میں سے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر چلو بھرتے اور موہوب لہ کے دامن یا کپڑے میں ڈالتے ہیں اور اس کو فرماتے ہیں کہ یہ کپڑا سارے اطراف سے سمیٹ کر اپنے سینہ سے لگا لو یا اس کو پہن لو۔پس وہ حال اسی

وقت دوسرے شخص میں سرایت کر جاتا ہے، کوئی دیر نہیں ہوتی۔ حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب فتوحات مکیہ کے باب ۳۷ میں لکھتے ہیں ہم نے ایسے صاحب حال اپنے ایک شیخ کو دیکھا ہے کہ جب وہ کسی قوم کے پاس تشریف لے جاتے، مجھے فرماتے کہ فلاں شخص صاحبِ استعداد ہے۔ پس آپ اس کے پاس جاتے یا اس کو چھوتے یا اس کے سینہ کے بالمقابل اس کی پیٹھ پر ہاتھ لگاتے، تو ان کا حال اسی وقت دوسرے انسان میں سرایت کر جاتا اور وہ منقطع الی اللہ ہو جاتا۔ مکی واسطی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی حال تھا۔ جب ان پر حال وارد ہوتا، تو جو شخص انکے پاس حاضر ہوتا اس کو فرماتے کہ مجھ سے معانقہ کرو۔ اسی وقت معانقہ کرنے والے پر وہ حال سرایت کر جاتا۔ قریباً چالیس اور تیس سال کے درمیان گذرا ہے کہ خاکسار راقم حروف نے اپنے دو شیخوں سے تجربہ و مشاہدہ کیا کہ انہوں نے خاکسار پر جو توجہ القائی فرمائی تھی وہ اسی وقت میرے اندر سرایت کر گئی۔ تفصیل یہ ہے کہ اول حضرت خواجہ فقیر محمد رحمۃ اللہ کی توجہ چھونے سے تھی۔ دوسرے کی توجہ مجھ پر کلمات سے تھی، جو ابتک میرے اندر قائم و مدام رو بہ ترقی رہتی ہے۔ آپ کی دعاء، عقد ہمت اور توجہ الی اللہ نہایت زبردست تھی۔ آپ کے اس مقولہ "برسنگ اثر مے کنداین منطقم" کی صداقت کو صدہا بار تجربہ کیا۔

ایک دفعہ میرا لڑکا عبدالرؤف خان جس کی عمر اس وقت ۲۵ سال کی ہے، جب کہ وہ چھ ماہ کا تھا اور کئی ایام سے سخت بیمار رہ کر قریب الموت ہو گیا تھا اور کوئی دوا موثر نہ ہوتی تھی۔ میں نے لڑکے کی حالت نازک دیکھ کر حضرت کی خدمت میں دعا کے لئے عرض کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ دعا کرتا ہوں اور مجھے اطمینان دلایا۔ چنانچہ ظہر کے وقت آپ نے دعا فرمائی اور عصر کے وقت اسی دن لڑکا بغیر کسی علاج کے آپ کی دعا سے تندرست ہو گیا۔ اسی طرح میرا بڑا لڑکا عبدالرحمٰن خان جس کی عمر اس وقت ۲۹ سال کی ہے، اس کو مرض رعاف چھ سال کی عمر میں لاحق ہوا تھا۔ یعنی ہر وقت اس کو ناک سے خون جاری رہتا تھا اور اسی طرح کئی ایام گذر گئے خون بند نہ ہوا۔ کئی علاج کئے گئے مگر فائدہ نہ ہوا۔ اور بالآخر اس کی حالت نازک ہو گئی اور چلنے پھرنے سے بھی معذور ہو گیا تھا۔ میں اس کو تھام کر حضرت کے پاس دعا کے لئے لے گیا۔ اور اس وقت بھی اس کی ناک سے خون جاری تھا اور واپس آنے کے وقت بند تھا۔ حضرت کے در دولت تک آنے جانے کا راستہ قریباً ایک سو قدم کا تھا۔

علاوہ ازیں طریق توجہ کا وہی طریق ہے، جس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد روایات باشکال مختلف آئی ہیں۔ جابر بن عبداللہؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ میں گھوڑے کی پیٹھ پر ٹھہر نہیں سکتا گر جاتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ اس کے سینے

پر لگایا۔ اس کے بعد وہ کبھی گھوڑے سے نہیں گرے۔ ایک سست رفتار گھوڑا ایک صحابی کے پاس تھا اور وہ ہمیشہ سب سے پیچھے رہا کرتا تھا۔ رسول کریمؐ نے اس کو ہاتھ لگایا۔ پھر وہ ہمیشہ قافلے سے آگے آگے جایا کرتا تھا۔

ایک دفعہ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ جو بات میں حضور سے سنتا ہوں بھول جاتا ہوں۔ آنحضرتؐ نے اس کو فرمایا کہ اپنی چادر پھیلاؤ۔ پس ابو ہریرہؓ نے چادر پھیلائی۔ اور آنحضرتؐ نے ہوا میں سے ایک بار یا تین بار چلو بھر کر ابی ہریرہؓ کی چادر میں ڈالے اور فرمایا کہ چادر سمیٹ کر اپنے سینے سے لگا لو۔ اس کے بعد وہ جو کلام سنتے تھے، اس کو کبھی نہیں بھولے۔

یہ سب راز کی باتیں اسی مقام کی ہیں اور ان اسباب کے اثبات کی مؤید ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے کامل افراد بنی آدم میں مقدر و معین فرمائی ہیں۔ (اسبارہ میں ایک بسیط مضمون آگے آئے گا)۔

غرض آواز، اعصاب، نظر اور پھونک وغیرہ خیالات کے باہر نکلنے کے راستہ ہیں۔ اسی وجہ سے دَم کرنا بھی صلحاء سے ثابت ہے۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مروی ہے۔ پس چونکہ اعصاب کے ذریعہ خیالات نکلتے اور پراگندہ ہو جاتے ہیں، ان کو قابو میں رکھنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کا حکم دیا ہے۔ اور چونکہ ان کے نکلنے کے بڑے بڑے مرکز ہاتھ، پاؤں اور منہ ہیں اور تجربہ کیا گیا ہے کہ جب ان پر پانی ڈالا جائے تو خیالات کی رو، جو ان سے نکل رہی ہوتی ہے، وہ بند ہو جاتی ہے اور خیالات رک جاتے ہیں۔ یہ ایک ثابت شدہ مسئلہ ہے۔ اور وضو کی اغراض میں سے ایک یہ غرض بھی ہے۔ وضو میں اور بھی کئی حکمتیں ہیں، جن کو ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ لیکن ایک یہ بھی ہے کہ اس طرح خیالات کی رَو رک جاتی ہے اور جب رَو رک جاتی ہے، تو سکون حاصل ہو جاتا ہے اور جب سکون حاصل ہو جاتا ہے، تو توجہ قائم رہ سکتی ہے۔ پس وضو توجہ کے قائم رکھنے کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کا ذریعہ ہے۔ لیکن جب وضو کرنے بیٹھو، تو ساتھ ہی یہ خیال بھی رکھو کہ ہم ایسا پراگندہ خیالات کے روکنے کے لئے کر رہے ہیں۔ جب ایسا کرو گے تو نماز میں سکون حاصل ہو جائے گا اور خیالات تمہاری توجہ کو پراگندہ نہیں کر سکیں گے۔

ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں کہ وضو میں علاوہ طہارت اور صفائی کے فائدہ کے، جس پر اسلام نے خاص زور دیا ہے، روحانی فائدہ بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ اس طرح ان تمام راستوں کی حفاظت ہو جاتی ہے، جن کے ذریعہ سے خیالات پراگندہ ہوتے ہیں۔ یعنی حواس خمسہ۔ کان۔ ناک۔ آنکھ۔ منہ اور قوت لامسہ کے قائم مقام ہاتھ اور پاؤں کی۔ جو لوگ روحانیت کا دَرک رکھتے ہیں، وہ اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھ

سکتے ہیں۔ اسلام نے ان امور کی طرف خود اس کام کے نام سے اشارہ کیا ہے، یعنی وضو کے لفظ سے، جس کے معنی صفائی اور خوبصورتی کے ہیں۔ پس اس کا نام ہی دلالت کرتا ہے کہ اس فعل کے ذریعہ سے ظاہری صفائی بھی ہو جاتی ہے، جو باطنی صفائی کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اور اس سے نماز بھی خوبصورت ہو جاتی ہے، یعنی اس کے ذریعہ سے خیالات پراگندہ ہونے سے بچ جاتے ہیں۔ اور نماز میں وہ حقیقت پیدا ہو جاتی ہے، جس کے لئے وہ ادا کی جاتی ہے۔

قرآن مجید کی آیات اور احادیث نبویہ، جن میں طہارت کا ذکر ہے، ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ طہارت سے اصلی مقصود صرف منہ اور ہاتھ، پاؤں کا دھونا اور ظاہری نجاست کا بہانا ہی نہیں ہے، بلکہ ظاہری ستھرائی کے علاوہ اصلی مقصود اندرونی نجاستوں کا دور کرنا بھی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بُنِیَ الدِّیْنُ عَلَی النَّظَافَۃِ۔ یعنی دین اسلام کی بنیاد پاکیزگی پر رکھی گئی ہے اور ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ اَلطُّھُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ۔ یعنی طہارت ایمان کا جزو ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ایمان قلبی یقین اور دلی اعتقاد کا نام ہے۔ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ ۔ یعنی خدا تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور جسمانی طہارت کے پابند رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں۔ (۱) اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ ھُوَ یَتَوَضَّاءُ فَسَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ وَ وَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ وَ بَارِکْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ۔ اور آنحضرت یہ بھی فرمایا کرتے تھے۔ (۲) مَنْ تَوَضَّاءَ ثُمَّ رَفَعَ رَاسَہٗ اِلَی السَّمَاءِ فَقَالَ اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ. اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَ اجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ، فُتِحَتْ لَہٗ اَبْوَابُ الْجَنَّۃِ الثَّمَانِیَۃِ یَدْخُلُ مِنْ اَیِّھَا شَاءَ۔ ترجمہ۔ (۱) یعنی میں رسول کریمؐ کے پاس آیا اور آپ وضو کر رہے تھے۔ اور میں نے آپ سے سنا کہ آپ وضو کرتے ہوئے یہ دعاء (برائے تعلیم امت) پڑھ رہے تھے۔ اے اللہ میرے گناہ بخش اور میرے گھر میں کشادگی عطا کر اور میرے رزق میں برکت دے۔ (۲) جس نے وضو کیا اور پھر اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ ایک معبود برحق کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کا بندہ اور اس کا رسول ہے۔ اے اللہ مجھے اپنی طرف رجوع کرنے والوں اور پاک رہنے والوں میں شامل کر۔ تو اس کے لئے آٹھ بہشتوں کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ داخل ہوگا بہشت میں جس دروازے سے وہ چاہے گا۔

مذکورہ بالا آیت میں تَوَّابِیْن کے لفظ سے خدا تعالیٰ نے باطنی طہارت اور پاکیزگی کی طرف توجہ دلائی اور مُتَطَھِّرِیْن کے لفظ سے ظاہری طہارت اور پاکیزگی کی ترغیب فرمائی۔اس آیت سے یہ مطلب نہیں نکلتا کہ صرف ایسے شخصوں کو خدا تعالیٰ دوست رکھتا ہے، جو محض ظاہری پاکیزگی کے پابند ہوں، بلکہ تَوَّابِیْن کے لفظ کو ساتھ ملا کر بیان فرمایا کہ اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ خدا تعالیٰ کی اپنے بندوں کے لئے اکمل اوراتم محبت، جس سے قیامت میں نجات ہوگی، اس سے وابستہ ہے کہ انسان علاوہ ظاہری پاکیزگی کے خدا تعالیٰ کی طرف سچا رجوع کرے۔لیکن محض ظاہری پاکیزگی کی رعایت رکھنے والا دنیا میں اس رعایت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے کہ بہت سے جسمانی امراض سے محفوظ رہے۔پس جبکہ ظاہری طہارت کے پابند کے لئے یہ رعایت ہے، تو دونوں طہارتوں کا پابند بالاولیٰ عذاب دارین سے نجات حاصل کرے گا۔گو صرف طہارت ظاہری کا پابند خدا تعالیٰ کی اعلیٰ درجہ کی محبت کا نتیجہ نہیں دیکھ سکتا، مگر چونکہ اس نے تھوڑا سا کام خدا تعالیٰ کی منشاء کے موافق کیا ہے، یعنی اپنے گھر اور بدن اور کپڑوں کو ناپاکیوں سے پاک رکھا ہے، اس لئے اس قدر نتیجہ دیکھنا ضروری ہے کہ وہ جسمانی بلاؤں سے بچا لیا جائے۔بجز اس صورت کے کہ وہ کثرت گناہوں کی وجہ سے سزا کا لائق ٹھہر گیا ہو۔کیونکہ اس صورت میں اس کے لئے یہ حالت خدا تعالیٰ میسر نہیں کرے گا کہ وہ ظاہری پاکیزگی کو کماحقہ بجالا کر اس کے نتائج سے فائدہ اٹھا سکے۔غرض بموجب وعدہء الٰہی کے محبت کے لفظ میں ایک خفیف اور ادنیٰ سے حصہ کا وارث وہ دشمن خدا دنیا کی زندگی میں ہو جاتا ہے، جو ظاہری پاکیزگی کے لئے کوشش کرتا ہو، جیسا کہ تجربہ کی رو سے یہ مشاہدہ ہوتا ہے کہ جو لوگ اپنے گھروں کو صاف رکھتے ہیں اور بدرووں کو گندہ نہیں ہونے دیتے اور اپنے کپڑوں کو دھوتے رہتے ہیں اور خلال اور مسواک کرتے اور بدن پاک رکھتے ہیں اور بدبو اور عفونت سے پرہیز کرتے ہیں، وہ اکثر خطرناک وبائی بیماریوں سے بچے رہتے ہیں۔پس گویا وہ اس طرح پر يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ کے وعدہ سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔لیکن جو لوگ طہارت ظاہری کی پرواہ نہیں رکھتے، بالآخر وہ خطرناک بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

۲۔اگر قرآن کریم کو غور سے پڑھو، تو تمہیں معلوم ہوگا کہ خدا تعالیٰ کے بے انتہا رحم نے یہی چاہا ہے کہ انسان باطنی پاکیزگی اختیار کر کے روحانی عذاب سے نجات پاوے اور ظاہری پاکیزگی اختیار کر کے دنیا کے جہنم سے بچا رہے، جو طرح طرح کی بیماریوں اور وباؤں کی شکل میں نمودار ہو جاتا ہے۔اور اس سلسلہ میں قرآن شریف میں اول سے آخر تک بیان فرمایا گیا ہے، جیسا کہ مثلاً یہ آیت اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ صاف بتلا رہی ہے کہ تَوَّابِيْنَ سے مراد وہ لوگ ہیں، جو باطنی

پاکیزگی کے لئے کوشش کرتے ہیں اور **مُتَطَهِّرِيْنَ** سے مراد وہ لوگ ہیں، جو ظاہری اور جسمانی پاکیزگی کے لئے جدوجہد کرتے رہتے ہیں۔ ایسا ہی ایک دوسری جگہ پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحاً**۔ یعنی پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور پاک عمل کرو۔

اس آیت میں حکم جسمانی صلاحیت کے انتظام کے لئے ہے، جس کے لئے **كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ** کا ارشاد ہے۔ اور دوسرا حکم روحانی صلاحیت کے انتظام کے لئے ہے، جس کے لئے **وَاعْمَلُوْا صَالِحاً** کا امر ہے۔ اور ان دونوں کے مقابلہ سے ہمیں یہ دلیل ملتی ہے کہ بدکاروں کے لئے عالم آخرت کی سزا ضروری ہے، کیونکہ جب ہم دنیا میں جسمانی پاکیزگی کے قواعد کو ترک کر کے فی الفور کسی بلا میں گرفتار ہو جاتے ہیں، اس لئے یہ امر بھی یقینی ہے کہ اگر ہم روحانی پاکیزگی کے اصول کو ترک کریں گے، تو اس طرح موت کے بعد کوئی عذاب مؤلم ضرور ہم پر وارد ہوگا، جو وبا کی طرح ہمارے اعمال کا نتیجہ ہوگا۔ چنانچہ آج کل (۱۹۰۹ء) یہی طاعون، جس سے ہر ہفتہ میں ہندو پنجاب میں ہزارہا انسان مر رہے ہیں، اس بات کا گواہ ہے کہ جن شہروں اور گھروں میں جسمانی پاکیزگی کی ایسی رعایت نہیں کی گئی جیسی کہ چاہیئے تھی، آخر وبا نے ان کو پکڑ لیا ہے۔ اگرچہ یہ عفونتی اجرام کم وبیش ہر وقت ان میں موجود تھے، لیکن وہ اندازہ غلیان سمیت کا پہلے دنوں اکٹھا نہیں تھا، اور بعد میں اور اسباب کے ذریعہ سے پیدا ہو گیا۔ پس یہ کس قدر مشکل بات ہے کہ جبکہ انسان جسمانی ناپاکی اور عفونت مہلکہ کا کوئی اندازہ قائم نہیں کر سکتا، جب تک وہ خود اس پر وارد نہ ہو جائے، تو روحانی سمیّت کا اندازہ کیونکر لگا سکتا ہے کہ وہ کب وارد ہو کر اس کو ہلاک کر سکتی ہے۔ لہٰذا لازم ہے کہ انسان لاپرواہی اور غفلت سے زندگی بسر نہ کرے۔ اور ظاہری و باطنی پاکیزگی کیلئے وہ طریق اختیار کرے، جو کہ خدا تعالیٰ نے بتایا ہے، تاکہ دارین میں نجات حاصل کرے۔

تقریر مذکور سے یہ بات بھی واضح ہو چکی کہ عیسائیوں کا اعتقاد کفارہ کچھ چیز نہیں۔ بلکہ جیسا کہ انسان اپنے جسمانی بد طریقوں سے وبا کو اپنے اوپر لاتے ہیں اور پھر حفظان صحت کے قواعد کی پابندی سے اس سے نجات پاتے ہیں، یہی قانون قدرت انسان کے روحانی عذاب اور نجات سے وابستہ ہے۔

۳۔ ہر قوم میں جوش قلبی کی تحریک اور اس کی آگ بھڑکانے کے لئے کئی ایک ظاہری اعمال کا التزام پایا جاتا ہے۔ مثلاً بدن کو پانی سے طاہر کرنا۔ کپڑا صاف رکھنا۔ مکان لطیف و نظیف رکھنا۔ ظاہری صفائی اور حسب فطرت اصلاح بدن سے بے شک اخلاق پر قوی اثر پڑتا ہے۔ نجاست، گندگی، ناپاکی، چرک، نچلے پن سے کبھی وہ علو ہمت، بلند حوصلگی، پاکیزگی اخلاق پیدا نہیں ہو سکتی، جو واجبی صفائی اور طہارت کا لازمی نتیجہ ہے۔ بدیہی بات ہے کہ ہاتھ منہ دھونے وغیرہ افعال جوارح سے حتماً ایک قسم کی

بشاشت اور تازگی عقلی قویٰ میں پیدا ہوتی ہے۔علی الصباح بستر غفلت سے اٹھ کر بدنی طہارت کی طرف متوجہ ہونا تمام مہذب بلاد میں ایک عام لازمی عادت ہے۔اس سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ تقاضائے فطرت کی زور واجبار سے یہ دائمی عادات پیدا ہوئے ہیں اور طبیعت اعضاء وجوارح سے جبراً اس خدمت کا لینا پسند کرتی ہے۔پس اگر ایسی عبادت میں، جس سے روحانی جوشوں اور اصلی باطنی طہارت کا اظہار مقصود ہو، ایسی طہارت ظاہری کو لازمی اور لابدی کر دیا جائے، تو کس قدر اس شوق وذوق کو تائید ہوگی۔ صاف واضح ہے کہ جہاں فانی طہارت اور ظاہری صفائی کا حکم ہوگا، وہاں باطنی طہارت اور باقی صفائی کی کتنی زیادہ تائید ہوگی۔

غرض اس میں شک نہیں کہ صفائی ظاہر کی طرف طبعاً ہر قوم متوجہ ہے اور اس میں شک نہیں کہ نہایت بدبخت سیاہ درون وہ ہیں، جو صرف جسمانی صفائی اور ظاہری زیب وزینت کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔یقیناً بہت سے انہی ظاہری رسوم کی پابندی اور انہی فانی قیود میں ایسے الجھے ہیں کہ قساوت قلبی اور بداخلاقی کے سوا کوئی نتیجہ ان کے اعمال وافعال پر مترتب نہیں ہوا۔اس کی وجہ صرف یہ ہوئی کہ انہوں نے ظاہر ہی کو مقصود بالذات اور قبلہء ہمت ٹھہرالیا۔یا ان کے پاس کوئی روحانی شریعت نہ تھی، جو مجاز سے حقیقت کی طرف ان کو لے جاتی۔مگر اس سے نفس فعل طہارت قبیح یا مستوجب ملامت نہیں ٹھہرتا۔اس عملی افراط وتفریط کے اور ہی موجبات اور بواعث ہیں۔

ہمیں اسوقت اور قوموں کی رسوم سے تعرض کی ضرورت نہیں۔اسوقت ہم اسلامی طہارت وضو کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ہم دیکھتے ہیں کہ غیر قوموں نے اسلامی اعمال پر انصاف سے غور نہیں کیا۔انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ مسلمانوں نے، ہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت پر چلنے والوں نے، ہرگز ظاہری طہارت میں خوض نہیں کیا۔وہ اسکو مقصود بالذات نہیں سمجھے، کیونکہ ایک پیچھے آنے والے جلیل الشان حقیقی فعل نماز کا یہ عمل مقدمہ ہونا ثابت کرتا ہے کہ وہ یہ عمل تو صرف نشان یا دلیل دوسرے امر کی ہے۔

وضو میں مسلمانوں کو جو دعا پڑھنے کی نصیحت کی گئی ہے، یقیناً معترض کو راہ حق پر آنے کی ہدایت کرتی ہے۔سنو اور غور کرو۔وھو ہٰذا۔ **اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَ اجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ سُبْحَانَکَ اَللّٰھُمَّ وَ بِحَمْدِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْکَ۔** ترجمہ۔یعنی اے اللہ مجھے اپنی طرف خالص رجوع کرنے والوں سے بنا اور مجھے پاک رہنے والوں کی جماعت میں شامل کر۔اے اللہ تو قدوس ہے۔تیری حمد ہے۔میں دل سے شہادت دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اور تیری طرف رجوع لاتا ہوں۔

غسل جنابت میں بھی یہی دعا مانگی جاتی ہے اور بعد اس دعا کے یہ فقرہ کہا جاتا ہے۔اب غسل پورا ہوا۔یعنی ظاہر باطن سے مل کر پورا ہوا۔

یاد رکھنا چاہئے کہ عذر اور ضرورت کے وقت یہ طہارت ساقط ہو جاتی ہے۔ یہ کافی دلیل اس امر کی ہے کہ یہ عمل بھی صرف مقصود بالعرض ہے۔مثلاً پانی نہ ملنے کی صورت میں بجائے غسل اور وضو دونوں حالتوں میں اس آسان شریعت نے تیمّم کا حکم دیا ہے،جس سے مقصود اتنا ہے کہ اعضائے ظاہری کا جرس بجا کر قوائے باطنی کے غافل قافلے کو بیدار اور برسر کار کیا جائے۔

یہ ناپاکی اور پاکی،طہارت کا لفظ اور اس کا مفہوم اسلام میں ایسا نہیں برتا گیا،جیسا کہ وسوسہ ناک طبائع اور وہمی مزاجوں کے درمیان معمول ہوا ہے کہ انسان کی ذات میں کوئی ایسی نجاست نفوذ کر گئی ہے،جس نے اس کو گھنونا اور لوگوں کے پرہیز و اجتناب کا محل بنا دیا ہے اور جس کا ازالہ سوائے اس ظاہری طہارت کے ہو نہیں سکتا۔میں سچ کہتا ہوں کہ اسلام ان توہمات سے بالکل پاک ہے۔

احبار ۱۵ باب ۸ اور ۱۸ باب ۱۵ میں ہے کہ جریان والا کپڑا دھووے اور غسل کرے،شام تک ناپاک ہے اور جس جانور پر وہ سوار ہو اور جو کوئی اس کی سواری کو چھووے وہ ناپاک ہے

اور خروج ۱۹ باب ۱۰۔اور خدا نے موسیٰ سے کہا کہ لوگوں کے پاس جا اور آج کل انہیں پاک کر اور ان کے کپڑے دھلوا۔اور تیسرے دن تیار رہیں کہ خداوند تیسرے دن لوگوں کی نظر میں کوہ سینا پر اتر آئے گا۔

اسلامی شریعت کے احکام سے ان کا مقابلہ کر لو۔صاف کھل جائے گا کہ اسلامی شریعت نے روحانیت کی طرف کیسی توجہ دلائی ہے۔نصاریٰ کے نزدیک زرد رنگ یا پانی چھڑکنا اور چلو بھر میں کفارے والی بادشاہت میں داخل ہونے کی شرط قرار دی گئی ہے۔اس پر رسوم ظاہری سے عیسائیوں کو انکار ہے۔ سنو قرآن کریم اس کے مقابل میں کیا فرماتا ہے۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً۔ترجمہ۔یعنی خدا تعالیٰ کا بتایا ہوا رنگ بہتر ہے۔خدا کے بتائے ہوئے رنگ سے اور کس کا رنگ بہتر ہو سکتا ہے۔یہی اعتقاد قدیم سے مسلمانوں میں چلا آیا ہے کہ طہارت باطنی ہی راساً مطلوب ہے۔ چنانچہ اسلام کے قدیم فلاسفر امام غزالیؒ نے ان لوگوں کی نسبت،جو ظاہری طہارت پر مرتے ہیں اور جن کے قلوب کبر و ریاء سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں،لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے،سب سے اہم اور اعظم طہارت پاک کرنا دل کا ہے تمام بری خواہشوں اور بیہودہ رغبتوں سے،اور دفع کرنا نفس سے تمام مکروہ و مذموم خیالات اور ان

تصورات کو جو انسان کے دل کو خدا کی یاد سے باز رکھتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب "احیاء علوم الدین" میں لکھتے ہیں کہ سب سے اہم اور اعظم مقصود باطن کا پاک کرنا ہے۔ کیونکہ یہ بات ناممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کلام معجز نظام اَلطُّهُوْرُ نِصْفُ الْاِيْمَان . اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَان سے یہ مراد ہو کہ ظاہری وجود کو پانی سے پاک وصاف بنایا جائے اور باطن کی خباثتوں اور ناپاکیوں کو اسی طرح برقرار رہنے دیا جائے۔ طہارت کے چار مراتب ہیں۔ مرتبہ اول۔ ظاہر کو ناپاکیوں اور پلیدیوں سے پاک کرنا۔ مرتبہ دوم۔ اندامو ں کو الٰہی نافرمانیوں و گناہوں سے بچانا۔ مرتبہ سوم۔ دل کو اخلاق مذمومہ ورذائل سے صاف کرنا۔ مرتبہ چہارم۔ اپنے ضمیر کو ماسوی اللہ سے صاف کرنا۔

پس جب تک انسان عقائد فاسدہ سے اپنے دل کو پاک و صاف نہ کر لے، تب تک وہ ان احادیث نبویہ اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانُ وَ نِصْفُ الْاِيْمَان کا مصداق نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ایمان کو دل سے تعلق ہے۔ پس جب تک دل خباثتوں سے پاک نہ ہو جائے، تب تک طہارت نامکمل ہے۔

مرتبہ چوتھا جو کہ سر کو ماسوی اللہ سے پاک کرنا مقصد ہے، یہ طہارت انبیاء وصدیقین کی ہے۔ اور طہارت ہر ایک مرتبہ میں اس عمل کا نصف ہے، جس کے لئے مشروع ہوئی ہے۔ کیونکہ سر کا آخری درجہ یہ ہے کہ الٰہی جلال اور اس کی عظمت دل میں بیٹھ جائے۔ اور درحقیقت خدا کی معرفت سر میں داخل نہیں ہوسکتی، جب تک وہ ماسوی اللہ سے فارغ نہ ہو لے۔

دل کا آخری عمل یہ ہے کہ اس کو اخلاق محمودہ اور عقائد مشروطہ سے معمور کیا جائے۔ پس دل ان اوصاف سے موصوف نہیں ہوسکتا، جبتک عقائد فاسدہ اور خصائل رذیلہ سے پاک نہ ہو جائے۔ دل کا پاک کرنا ایمان کا نصف ہے۔ اور یہ پہلی جزو اور دوسری شرط ہے۔ پس طہارت کا جزو ایمان ہونے سے یہی مراد ہے۔ اور ایسا ہی اندامو ں کو گناہوں سے پاک کرنا نصف ایمان ہے اور یہ پہلی جزو اور شرط ثانی ہے۔ پس دل کا پاک کرنا نصف ایمان جزو اول ہے اور اندامو ں کو طاعات وعبادات الٰہی سے معمور رکھنا شرط ثانی ہے۔ یہ ایمان کے مقامات ہیں۔ اور ہر مقام کا ایک طبقہ ہے۔ جو شخص ادنی طبقہ سے نہ گذرے، وہ اعلیٰ کو نہیں پہنچ سکتا۔ طہارت کے سِرّ کو کوئی نہیں پہنچ سکتا، جب تک دل کو اخلاق مذمومہ سے پاک کر کے اخلاق محمودہ سے معمور نہ کرلے۔ اور اس مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا، جب تک اندامو ں کو گناہوں اور الٰہی نافرمانیوں سے پاک کر کے عبادات وطاعات الٰہی سے معمور نہ کر لے۔

جب مطلوب ومقصود اعلیٰ واشرف ہوتا ہے، تو اس کے حصول کا طریق وراستہ مشکل اور اس کی گھاٹیاں بہت سخت اور دشوار گذار ہوتی ہیں۔ یہ گمان مت کرو کہ یہ مقصد صرف تمنا وہوا سے حاصل ہوتا

ہے۔ ہاں جس کی چشمِ دل ان طبقات سے کور ہو، وہ مراتب طہارت سے صرف ادنیٰ درجہ کو سمجھتا ہے، جو کہ سب سے آخری ظاہری چھلکا اور پوست ہے۔ اور مغز ولب اس کے اندر ہے۔ لیکن جو شخص محض اپنے اوقات عزیزہ کو استنجا وشست وشوئے دہن ودست وپا ودرستی لباس وصفائی ظاہر وطلب آب جاری میں صرف کرتا ہے اور اپنے باطن کی صفائی کا خیال نہیں رکھتا، وہ وسوسہ شیطان ومرض مالیخولیا میں مبتلا ہے۔ بلکہ طہارت ظاہر محض صفائی باطن کی دلالت کے لئے مقرر ہوئی ہے۔ شست وشوئے رُو ودست وپا تحریک دل کے لئے ہے۔ ہمارے تمام ظاہری اقوال وافعال، حرکات وسکنات کا اثر ہمارے قلب پر بالضرور پڑتا ہے، یا یوں کہو کہ جو کچھ ہمارے باطن میں مرکوز ہے، حرکات ظاہری ہی اس کی آئینہ دار ہیں۔ یہ جواب ہے پادری عمادالدین کے اس اعتراض کا، جو وہ اپنی کتاب "تعلیم محمدی" کے صفحہ ۵۴ اور ۵۵ میں لکھتا ہے کہ محمد صلعم کا زور جسمانی طہارت پر ہے۔ "اے بداک اللہ چہ بدفہمیدہء"

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ ماند در نوشتن شِیر وشَیر

ترجمہ۔ پاک لوگوں کے حال کا اندازہ اپنی ناپاک حالت سے نہ جانچ۔ اگرچہ لکھنے میں شِیر اور شَیر یکساں ہیں۔

پادری کا اعتراض

پادری کا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تحیہء وضو ونماز پر اعتراض

اور حضرت بلالؓ کا دنیا میں موجود ہوتے ہوئے بہشت میں چلنے سے انکی جوتیوں کی کھڑکھڑاہٹ دنیا میں رسول کریم کو سنائی دینے کا راز

پادری عمادالدین اپنی کتاب "تعلیم محمدی" کے صفحہ ۷۴۔۷۵ پر لکھتا ہے: "وضو کے شکر میں جو نماز پڑھی جاتی ہے، وہ شکر الوضو ہے۔ مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب تطوع فصل اول میں ابو ہریرہؓ کی حدیث بخاری ومسلم سے یوں لکھی ہے کہ ایک روز صبح کی نماز کے وقت حضرت بلال سے کہا۔ اے بلال تو مجھے بتا کہ کون سا نیک کام تو نے کیا ہے، جس سے تو ایسا مقبول ہو گیا کہ تیری جوتیوں کی آواز بہشت میں میں نے اپنے آگے سنی ہے۔ یعنی رات کو تو بہشت میں مجھ سے بھی آگے جوتیاں کھڑکاتا ہوا پہنچ گیا۔ بلال بولا۔ میں نے جب وضو کیا ہے ضرور اس سے کچھ نماز پڑھی ہے۔ یعنی نماز شکرالوضو کے سبب سے یہ رتبہ پایا ہے۔ حضرت نے بہشت کو بہت ہی آسان بات سمجھا ہے کہ ایک ادنیٰ سی بات کے وسیلہ سے آدمی وہاں پہنچ سکتا ہے۔ بلال ایک سیدھا سادا آدمی تھا۔ جب حضرت نے اپنے کسی خواب کا ذکر کیا تو اس نے بھی کچھ کہہ دیا۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ ایسے فقروں سے جیسا فقرہ حضرت نے یہاں سنایا ہے، اس وقت بھی مشائخ اور گورو لوگ عوام سامعین اور خدام کے دلوں کو اپنی سمت کھینچا کرتے ہیں۔ کچھ ایسی

باتیں اپنی باتوں میں ملا کر بولا کرتے ہیں کہ لوگوں کو گمان پیدا ہو جائے کہ یہ بہت پہنچے ہوئے شخص ہیں"۔

(ا) **جواب**۔ اس اعتراض کا مفصل جواب لکھنے سے پہلے ہم اصل حدیث کو مشکوٰۃ شریف سے نقل کرتے ہیں۔ بعدازاں جواب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِبَلَالٍ عِنْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ، یَا بَلَالُ حَدِّثْنِیْ بِاَرْجیٰ عَمَلٍ عَمِلْتَهُ فِیْ الاِسْلَامِ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَیْکَ بَیْنَ یَدَیَّ فِی الْجَنَّةِ. قَالَ مَا عَمِلْتُ اَرْجیٰ عِنْدِیْ اِنِّیْ لَمْ اَتَطَهَّرْ طُهُوْراً فِیْ سَاعَةٍ مِنْ لَیْلٍ اَوْ نَهَارٍ اِلَّا صَلَّیْتُ بِذَالِکَ الطُّهُوْرِ مَا کُتِبَ لِیْ اَنْ اُصَلِّی ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ ۔ ترجمہ۔ "ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر کے وقت بلال سے پوچھا۔ اے بلال تو نے اسلام میں کونسا بہت پسندیدہ عمل کیا ہے، جو میں نے تیری پاپوشوں کی آواز بہشت میں اپنے سے آگے سنی ہے۔ بلال نے عرض کیا کہ میں نے کوئی ایسا پسندیدہ عمل نہیں کیا سوائے اس کے کہ میں نے کبھی دن یا رات کے وقت طہارت نہیں کی بغیر اس کے کہ اس کے ساتھ میں نے نماز ادا کی ہو، جو میرے نصیب میں لکھی ہوئی تھی"۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے۔ **عَنْ بُرَیْدَةَ قَالَ اَصْبَحَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ فَدَعَا بَلَالاً فَقَالَ بِمَا سَبَقْتَنِیْ اِلَی الْجَنَّةِ، مَا دَخَلْتُ الْجَنَّةَ قَطُّ اِلَّا سَمِعْتُ خَشْخَشَتَکَ اَمَامِیْ، قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَذَنْتُ قَطّاً اِلَّا صَلَّیْتُ رَکْعَتَیْنِ وَ مَا اَصَابَنِیْ حَدَثٌ قَطُّ اِلَّا تَوَضَاتُ عِنْدَه، وَرَاَیْتُ اَنَّ لِلّٰهِ عَلَیَّ رَکْعَتَیْنِ . فَقَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ بِهِمَا** . رَوَاهُ التِّرْمَذِیْ۔ ترجمہ۔ "بریدہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کے وقت بلال کو بلا کر پوچھا: تم کس سبب سے مجھ سے جنت کی طرف سبقت لے جاتے ہو۔ جب کبھی میں جنت میں داخل ہوا ہوں، میں نے تمہارے جوتوں کی آواز اپنے سے آگے سنی ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ میں نے کبھی اذان نہیں دی بغیر دو رکعتیں ادا کرنے کے۔ اور جب کبھی مجھ پر بے وضو ہونا طاری ہوا، تو میں نے اسی وقت وضو کیا اور اس بات کو یاد کیا کہ مجھ پر اللہ کی دو رکعتیں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں چیزوں کے سبب"۔ ترمذی نے اس کو روایت کیا۔

۲۔ جواب۔ عیسائی معترض اپنی حالت سے اس پاکوں کے سردار کی حالت کو جانچتا اور قیاس کرتا ہے۔

کار پاکاں راکئی بر خود قیاس کار ناپاکیء تست اے بد حواس

ترجمہ۔ پاک لوگوں کے کام کو تو اپنی حالت پر جانچتا ہے۔ یہ کام تیرے خیالات کی ناپاکی پر دلالت کرتا ہے۔

اس کوتاہ اندیش معترض کو خدا تعالیٰ کی قدرتوں پر اتنا ایمان حاصل نہیں ہے، جتنا آج کل برقی ہوائی وائرلس کے ذریعہ ہزارہا میلوں کی چیزیں وہ ظاہری جسمانی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے اور ظاہری کانوں سے ان کی آواز سن سکتا ہے۔ جب کہ انسان کی ظاہری جسمانی آنکھ و کان میں اتنی طاقت موجود ہے، تو روحانی آنکھ و کان ہزار ہا درجہ اس سے بڑھے ہوئے ہیں۔

یہ ممکن ہے کشفی ہے یہ ماجرا دکھایا گیا ہے بحکم خدا

یہ ممکن ہے اے معترض ایسا کار کہ خود غیب سے ہے یہ سب کاروبار

کہ پردہ میں قادر کے اسرار ہیں کہ عقلیں وہاں ہیچ و بے کار ہیں

تو یک قطرہ داری زعقل وخرد مگر قدرتش بحر و بے حد و عد

اگر بشنوی قصہ صادقاں مجنباں سرخود چو مستہزیاں

تو خود را خرد مند فہمیدہء مقامات مرداں کجا دیدہء

نادان معترض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کشف کو ہفوات مشائخ کی طرح ریائی بتاتا ہے۔ نادان معترض تم کو اتنی بھی خبر نہیں ہے کہ نبی جو خدا تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف رکھتا ہے، اس میں ریا کہاں ہوتی ہے۔ غور کرو کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا اعتراض کرنے سے مسیح علیہ السلام کے دعاوی پر تمہارا ایمان کیسے قائم رہ سکتا ہے؟

۳۔ جواب۔ اس کشف کا یہ راز ہے کہ تیسرا بہشت اعمال کا ہے۔ اور یہ وہ بہشت ہے، جس میں لوگوں کو ان کے عملوں کی مناسبت پر اتارا جائے گا۔ پس جو شخص وجوہ تفاضل میں اپنے غیر سے افضل ہوگا، اس کو بہشت میں سے زیادہ حصہ نصیب ہوگا۔ خواہ فاضل مفضول سے کمتر ہو یا نہ ہو، مگر فضیلت اس مقام میں اس حالت کے موافقت میں ہوگی۔ اعمال میں سے جو بھی عمل ہوگا، اس کے بدلہ میں ایک بہشت ہوگی۔ اور اس کے اہالی کے درمیان ان کے احوال کے موافق تفاضل واقع ہوگا۔ حدیث مذکورہ بالا میں جو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کشف مذکور ہے، وہ اسی مناسبت پر موافق اعمال ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بلال نے اپنی طہارت ونماز واذان کا ذکر کیا، تو آنحضرتؐ نے اس کو فرمایا کہ جو کوئی شخص فرض یا نفل پڑھے یا کوئی فعل نیک کرے یا کوئی فعل حرام یا مکروہ کو ترک کرے گا، اس کے لئے ایک مخصوص بہشت ہوگی اور خاص نعیم عطا ہوگا، جس کو وہ حاصل کر کے اس میں داخل ہوگا۔ اور تفاضل کے کئی مراتب ہیں۔ ازاں جملہ ایک تفاضل عمر کے

لحاظ سے ہے۔لیکن طاعت اور اسلام میں تفاضل الگ ہے۔ بڑی عمر والا خورد صغیر السن سے سبقت لے جائے گا، جب کہ عمل میں ایک ہی مرتبہ پر ہوں۔ پس وہ اس عمل میں مقدم ہوگا۔اور زمان کے لحاظ سے بھی افضل ہوگا۔ رمضان اور جمعہ اور لیلۃ القدر اور ذی الحج کے دس ایام اور عاشورا کے دنوں میں عمل کی قدر سب زمانوں اور ہر ایک ایسے زمانہ سے جس کو شارع علیہ السلام نے مقرر فرمایا ہے، افضل ہوگی۔اور مکان میں فضیلت واقع ہوتی ہے، جیسا کہ مدینہ کی مسجد میں نماز پڑھنا مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے افضل ہے اور ایسا ہی مسجد اقصیٰ میں نماز کی فضیلت ساری مساجد پر ہے۔ اور احوال میں بھی انسان فضیلت وفوقیت لے جائیں گے، کیونکہ فرض کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا اکیلے شخص کی نماز سے افضل ہے۔ ایسا ہی اور امور میں تفاضل ہیں۔اور اعمال میں بھی انسان سبقت لے جاتے ہیں۔ کیونکہ راستہ سے خس وخاشاک اور ایذا دینے والی اشیا کو ہٹانے کی بہ نسبت نماز کا پڑھنا افضل ہے۔اللہ تعالیٰ نے بعض اعمال کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔اور ایک ہی عمل میں بھی فضیلت واقع ہو جاتی ہے، جیسا کہ ذی رحم کو صدقہ دینے والا غیر ذی رحم کو صدقہ دینے والے سے افضل اور افضلیت رکھتا ہے۔اور جو کوئی ذی رحم کے سوا صدقہ دے گا، اس کا اجر بہ نسبت اول الذکر کے کم ہوگا۔اسی طرح جو کوئی اہل بیت میں سے کسی شریف کو ہدیہ دے گا، اس کا اجر بہ نسبت اس شخص کے زیادہ ہوگا، جو کہ ہدیہ غیر شریف کو دے گا۔ یا اس سے کوئی نیکی یا احسان کیا ہو۔اور شریعت میں مفاضلت کی بہت وجوہات ہیں، گو وہ محدود ومحصور ہیں۔لیکن میں نے تم کو ان میں سے نمونہ دکھا دیا ہے اور اس نمونہ سے تم ان باتوں کو سمجھ لوگے، جو ہم نے مفاضلت کے ساتھ ارادہ کیا ہے۔اور رسولوں نے ان امور کی فضیلت بہشت میں دوسرے امور پر جنت مخصوص کے ساتھ ظاہر فرمائی ہے اور وہ جنات اعمال میں بحسب احوال کے ہوں گے، جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔اور جو کوئی اپنے غیر پر فضیلت رکھتا ہے، اس شخص سے، جو اس کے مقام میں نہیں ہے، تو وہ جنات اختصاص کی وجہ سے ہوگا، نہ کہ جنات اعمال سے۔اور بعض ایسے اشخاص ہوتے ہیں کہ ایک ہی زمانہ میں بہت سے اعمال جمع کر لیتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص اپنے کان کو امر واجب میں صرف کرتا ہے، بیچ زمانہ صرف کرنے اپنی آنکھ کے، بیچ زمانہ صرف کرنے اپنے ہاتھ کے، بیچ زمانہ روزہ اپنے کے، بیچ زمانہ صدقہ اپنے کے، بیچ زمانہ نماز اپنی کے، بیچ زمانہ ذکر اپنے کے، بیچ زمانہ نیت اپنی کے، کسی کام کے کرنے اور ترک کرنے سے ایک ہی زمانہ میں۔ وجوہات کثیرہ کی وجہ سے اس کو اجر ملے گا اور اپنے اس غیر سے سبقت لے جائے گا، جس کا یہ احوال نہیں ہے۔اس لئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہشت کے آٹھ دروازوں کا ذکر فرمایا کہ انسان ان میں داخل ہوگا، جس دروازہ سے چاہے گا، تو حضرت ابوبکرؓ

نے عرض کی: یارسول اللہ انسان کو کیا بنی ہے کہ وہ بہت سے دروازوں سے داخل ہو۔تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوبکر میں امید رکھتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں سے ہوگے، جو ایک ہی وقت میں بہشت کے سب دروازوں میں داخل ہوں گے۔حضرت ابوبکر صدیق کا ارادہ اس قول سے وہی تھا، جس کا ہم نے ذکر کیا کہ انسان ایک ہی زمانہ میں صالح عمل کثیرہ میں ہوگا کہ جو سارے ابواب جنت کو شامل ہوں اور اس جگہ سے پیدائش آخرت بھی واضح ہو جاتی ہے۔پس جیسا کہ دنیا کی جنت اپنے سارے احوال میں مشابہت نہیں رکھتی، گو از روئے ناموں کے اجتماع ہے۔اسی طرح انسان کی پیدائش عالم آخرت میں دنیاوی پیدائش کی طرح نہ ہوگی، گو از روئے ناموں اور شخصی صورتوں کے باہم مشابہ ہوں گے، کیونکہ روحانیت پیدائش آخروی کی بہ نسبت پیدائش دینا کے غالب ہوگی۔

ایک ہی انسان کا کئی مکانوں میں ہونا ممکن ہے

حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب فتوحات مکیہ جلد اول باب ۶۵ میں حضرت بلال کے بارہ میں رسول کریمؐ کے کشف مذکورہ بالا کے تحت میں اپنا کشفی واقع ذکر فرماتے ہیں کہ " ہم نے اسی دار دنیا میں باوجود اس کی کثافت پیدائش کے ایک ہی انسان کا کئی مقامات میں ہونے کے واقع کو بذات خود مشاہدہ کیا ہے۔اور عوام الناس اس امر کو خواب میں دریافت کرتے ہیں۔میں نے اپنے لئے اس امر کی ایک رؤیا دیکھی اور اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت سمجھا، کیونکہ وہ حدیث نبوی کے بالکل مطابق ہے۔آنحضرتؐ نے انبیاء کے بارہ میں اپنی ایک مثال بیان فرمائی۔فرمایا: **مَثَلِیْ فِی الْاَنْبِیَاءِ کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی حَائِطاً فَاَکْمَلَہٗ اِلَّا لِبْنَةً وَاحِدَةً فَکُنْتُ اَنَا تِلْکَ اللِّبْنَةُ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَ لَا نَبِیَّ** ۔ترجمہ۔یعنی "میری مثل نبیوں میں مثل اس شخص کے ہے، جس نے ایک دیوار بنائی اور اس کو مکمل کیا، مگر ایک اینٹ کی جگہ باقی تھی۔سو میں وہ اینٹ ہوں۔میرے بعد کوئی رسول اور نبی نہیں ہے"۔اس جگہ نبوت کی دیوار سے اور انبیاء کو اینٹوں سے تشبیہ فرمائی، جن کے ساتھ دیوار قائم ہوتی ہے۔اور یہ تشبیہ نہایت عمدہ ہے، کیونکہ دیوار کا ظاہر ہونا بغیر اینٹوں کے نہیں ہوسکتا۔پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔۵۹۹ ہجری کو میں مکہ معظّمہ میں مقیم تھا کہ رؤیا میں دیکھتا ہوں کہ کعبہ چاندی اور سونے کی اینٹوں سے بنا ہوا ہے۔اس کی ایک اینٹ چاندی اور ایک اینٹ سونے کی ہے۔اور اس کی عمارت بالکل کامل ہو چکی ہے۔اور اس میں کوئی مقام قابل تعمیر باقی نہیں رہا۔میں اس کی اس خوبصورتی اور عمدگی کو دیکھ رہا ہوں۔پس میں اس رخ کو متوجہ ہوا، جو رکن یمانی اور شامی کے درمیان واقع ہے اور وہ مقام رکن شامی سے نزدیک تر ہے۔اس جگہ کعبہ کی دیوار میں میں نے دو اینٹوں کی جگہ خالی

دیکھی، یعنی ایک اینٹ چاندی کی اور ایک اینٹ سونے کی۔ دیوار کی صف اعلیٰ سے سونے کی اینٹ کم ہے اور اس صف سے، جو نزدیک تر ہے، ایک اینٹ چاندی کی کم ہے۔ میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ ان دو اینٹوں کے مقام میں میرا وجود لگایا گیا۔ پس میں وہ دو اینٹیں ہو گیا اور دیوار میرے دیکھتے دیکھتے کامل ہو گئی اور کعبہ میں کوئی نقص باقی نہ رہا۔ اور میں کھڑا ہوا یہ واقع دیکھ رہا تھا اور میں جانتا ہوں کہ میں کھڑا ہوا ہوں۔ اور میں جانتا ہوں کہ میرا وجود عین وہ دو اینٹیں ہیں۔ اور اس میں کوئی شک لاحق نہیں ہوا تھا۔ وہ دو اینٹیں میری ذات تھی۔ پس میں بیدار ہوا اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالایا۔ اور اس کی تعبیر میں نے یہ کی کہ رسول کریمؐ کی پیروی میں میں اپنی صنف میں ایسا ہوں جیسا کہ رسول کریمؐ انبیاء میں ہیں۔ اور ممکن ہے کہ ولایت کا خاتمہ میرے ساتھ ہو اور یہ امر اللہ تعالیٰ پر مشکل نہیں ہے"۔

حکایت۔ اسی طرح امت محمدیہؐ میں بے شمار ایسے روحانی اور پاک وجود گذرے ہیں، جو ان امور کی شہادت ادا فرماتے رہے ہیں کہ عالم آخرت کی اشیاء اسی دنیا میں نظر آ سکتی ہیں۔ چنانچہ نقل ہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ کے کسی مرید کا رنگ یکا یک متغیر ہو گیا۔ آپ نے سبب پوچھا تو بروئے مکاشفہ اس نے کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔ حضرت جنیدؒ نے ایک لاکھ یا پچھتر ہزار بار کبھی کلمہ پڑھا تھا یوں سمجھ کر کہ بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدہء مغفرت ہے۔ اپنے جی ہی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کو اطلاع نہ کی۔ مگر بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے۔ آپ نے پھر سبب پوچھا۔ اس نے عرض کیا کہ اب اپنی والدہ کو جنت میں دیکھتا ہوں۔ سو آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث سے معلوم ہوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہو گئی۔

بحالت نماز رسول کریمؐ پر قرات کے اشتباہ و صحابہ کرام کے وضو پر پادری کے اعتراض کا جواب

ہم پہلے پادری مذکور کے اعتراض کی اصل عبارت اس کی کتاب "تعلیم محمدی" کے صفحہ ۵۸۔۵۹ سے نقل کر کے اس کے جواب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، کیونکہ تاریکی اور نور دونوں بالمقابل ہوں، تو ایک دوسرے کی خوبی اور برائی معلوم و متمیز ہو سکتی ہے۔

روشنی را قدر از تاریکی است و تیرگی   وز جہالتہا است عز و وقر عقل تام را

اعتراض۔ "ایک دفعہ حضرت نے امام ہو کے نماز پڑھوائی اور سورہ روم کو پڑھا۔ مگر پڑھتے

پڑھتے ایک جگہ بھول گئے۔ جب نماز ہوچکی تو فرمایا کیا حال ہے لوگوں کا کہ اچھی طرح وضونہیں کرتے اور ہمارے ساتھ نماز کوآ جاتے ہیں۔ان کے اچھے وضو نہ ہونے کے سبب ہم قرآن کو پڑھتے پڑھتے بھول جاتے ہیں۔یعنی ان کے برے وضو ہمارے اندر تاثیر کر کے قرآن کو بھلا دیتے ہیں۔ یہاں سے ظاہر ہے کہ امت کی راستبازی پیشوا کی راستبازی کو کامل کرتی ہے یا نقصان پہونچاتی ہے۔ یہ نہیں ہے کہ پیشوا کی راستبازی امت کے نقصان کو کامل کرے۔

اس تعلیم سے یہ خوف پیدا ہوا کہ جب بعض آدمیوں کے برے وضو کے سبب اس وقت خدا کی حضوری میں حضرت قرآن کو بھول گئے ،تو قیامت کے روز جب خدا اپنے جلال اور دبدبہ میں ظاہر ہوگا اور ہزارہا آدمی بالکل فرائض شکن اور بدیوں سے بھرے ہوئے حضرت کے پیچھے ہوں گے،تو اس وقت کیا حال ہوگا۔قیاس چاہتا ہے کہ ساری نبوت ہی گم ہوجائے گی۔پس اب ہم کیونکر ایسے شخص کے پیچھے چلیں، جو ہمارے اعمال صالحہ سے منور ہوکے ہمارے سامنے چمکنا چاہتا ہے۔ ہماری تمیز صاف کہتی ہے کہ حضور نے اپنی بھول کی شرم دفع کرنے کو علی العموم لوگوں پر یہ عیب لگایا تھا کہ وہ اچھی طرح وضونہیں کرتے۔اب مسیحی وضو پر بھی خیال کرنا چاہیئے کہ وہ کیا ہے(متی ۵۔۲۳و۶۔۵) کو پڑھو کہ دوسروں کے قصور معاف کر کے اور بے ریا ہوکر عبادت کرنا چاہیئے۔مخالفت رکھنے والا ریاکار آدمی خدا کی حضوری حاصل نہیں کرسکتا۔اوراس مطلب سے تو انجیل بھرپور ہے کہ آدمی کتنا ہی گناہگار کیوں نہ ہو جب ایمان کے ساتھ یسوع مسیح کے پیچھے جائے تو مسیح کے وسیلے سے اس کے سارے گناہ دفع ہو جاتے ہیں اور وہ منور ہو جاتا ہے،اس کے گناہ دھوئے جاتے ہیں اوراس کی اندرونی آلائش جل جاتی ہے اورنئی زندگی اور روشنی اس میں داخل ہوتی ہے اور خدا کی مرضی اس پر ظاہر ہوتی ہے۔نہ آنکہ ہمارا نقصان پیشوا کے ذہن میں سے بھی خدا کی مرضی کو اڑا دے"۔

جواب۔اب ہم اصل حدیث کو مشکوٰۃ کی کتاب الطہارۃ سے نقل کر کے اعتراض مذکور کا جواب لکھنے میں مشغول ہوتے ہیں۔

عَنْ شَبِيْبِ اِبْنِ اَبِیْ رَوْحٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی صَلوٰةَ الصُّبْحِ فَقَرَا الرُّوْمَ فَالْتَبَسَ عَلَيْهِ فَلَمَّا صَلّٰی قَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ يُصَلُّوْنَ مَعَنَا لَا يُحْسِنُوْنَ الطُّهُوْرَ وَ اِنَّمَا يُلَبِّسُ عَلَيْنَا الْقُرآنَ اُولٰئِکَ . رَوَاهُ اَلنِّسَائِی ۔"ترجمہ۔"شبیب ابن ابی روح نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں سے ایک صحابی سے روایت کیا کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی اور سورہ روم پڑھی،جس میں حضور کو

التباس ہوا۔ نماز پڑھ چکے تو فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہے، جو ہمارے ساتھ درست وضو کرنے کے بغیر نماز پڑھتے ہیں اور جن کے سبب ہم پر قرآن میں التباس ہو جاتا ہے"۔

جواب (ا) واضح ہو کہ اچھی طرح کامل وضو کرنے والے کے ساتھ ملائکہ اور بے وضو یا ناقص الوضو آدمیوں کے ساتھ شیاطین بکثرت رہتے ہیں۔ جب ناقص الوضو لوگ آنحضرتؐ کے ساتھ نماز میں شامل ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بموجب فرمان والا اِتَّقُوْا مِنْ فَرَاسَةِ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللهِ ۔ان لوگوں کا حال کشف و نور فراست سے معلوم ہوا اور ان کے ساتھ شیاطین کی تاریکی دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے لئے بپاس ہمدردی و غمخواری و رفت و رافت طبعی جوش پیدا ہوا، جس سے آنحضرت کو اشتباہ ہو گیا۔ مگر یہاں پر یہ تو کہیں ذکر نہیں ہے کہ آنحضرتؐ پر ان کے برے وضو کا اثر ہوا یا ان کے برے وضو نے آنحضرتؐ کی راسبازی میں فرق ڈالا۔ بلکہ اس سے تو آنحضرتؐ کا بنی آدم کے لئے غمخوار و ہمدرد ہونا ظاہر ہوتا ہے اور یہی کامل کی نشانی ہے۔"اے ہداک اللہ چہ بدفہمیدہ ء"

جواب (۲) امام جماعت کی شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ جماعت کی صف میں کوئی خلل نہ رہنے دے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ امت کے لئے معلم و استاد اکبر تھے، لہٰذا آپ صحابہ کرام کی ہر قسم کی ظاہری و باطنی تربیت میں مشغول رہتے اور ہر حال میں ان کا تفقد احوال فرمایا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ نماز پڑھتے ہوئے بھی انکے حالات کی نگرانی فرماتے اور نقص حالات کی تلافی وتدارک کرتے۔ فرمایا کرتے صف میں خالی جگہ چھوڑنے سے اس میں شیطان داخل ہو جاتا ہے۔ امام سے پہلے سر اٹھانے یا امام سے پہلے کوئی حرکت کرنیوالے کو تنبیہ فرماتے کہ ایسی حرکات خدا تعالیٰ کو ناپسند ہیں، جو مانع قبولیت نماز ہیں۔ چنانچہ نمازیوں کے تفقد احوال کے بارے میں اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حکایۃً آیت ذیل میں اشارہ فرماتا ہے۔ وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ الَّذِيْ يَرَاكَ حِيْنَ تَقُوْمُ وَ تَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِيْنَ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (۱۵/۱۹) ترجمہ۔ یعنی" بھروسہ کر اس زبردست رحم والے اللہ تعالیٰ پر جو تجھ کو دیکھتا ہے۔ جب نماز کیلئے کھڑے ہو کر نماز قائم کرتا ہے اور دیکھتا ہے تیرے پھرنے کو نمازیوں میں۔ یقیناً وہ سننے جاننے والا ہے۔"

اس جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نمازیوں میں پھرنے سے مراد بنظر فراست و کشف اپنی جگہ پر کھڑے یا بیٹھے ہوئے اس کا تفقد احوال و غور و پرداخت کرنا اور ان میں نقص دیکھ کر انکی اصلاح و تربیت و تعلیم کرنا ہے۔ اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ جب لوگ نماز پڑھا کرتے تو آنحضرتؐ ان میں گشت فرماتے (تھے)۔ اور اس بارہ میں احادیث ذیل بھی گواہ ہیں۔ فرمایا: اِنِّــي لَارَى الشَّيْطَانَ

یَدْخُلُ مِنْ خَلَلِ الصَّفِّ کَاَنَّھَا الْخَذَفُ ۔ ترجمہ۔یعنی میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ صفوں کے فرجہ سے نکلتا ہے، گویا کہ بھیڑ کا سیاہ بچہ ہے۔

اس بات کا تجربہ ہے کہ ذکر کے حلقوں میں مل جل کر بیٹھنے سے دلجمعی خوب ہوتی ہے۔اور ذکر کی حلاوت معلوم ہوتی ہے اور خطرات بند ہوجاتے ہیں۔اور اس بات کے ترک کرنے سے یہ سب باتیں کم ہوجاتی ہیں اور ان باتوں میں سے جس قدر کسی بات میں کمی ہوتی ہے، اسی قدر وہاں شیطان کا دخل ہوتا ہے۔ایک حدیث میں اس کے بالمقابل آنحضرتؐ کا نماز میں ملائکہ کو دیکھنا بھی مذکور ہے۔ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلاً جَاءَ فَدَخَلَ الصَّفَّ وَ قَدْ حَفَزَہُ النَّفْسُ فَقَالَ اللّٰہُ اَکْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُبَارَکًا فِیْہِ ، فَلَمَّا قَضٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوتَہٗ قَالَ اَیُّکُمُ الْمُتَکَلِّمُ بِالْکَلِمَاتِ فَاَرَمَّ الْقَوْمُ فَقَالَ اَیُّکُمُ الْمُتَکَلِّمُ بِالْکَلِمَاتِ فَاَرَمَّ الْقَوْمُ فَقَالَ اَیُّکُمُ الْمُتَکَلِّمُ بِھَا فَاِنَّہٗ لَمْ یَقُلْ بَاسًا فَقَالَ رَجُلٌ جِئْتُ وَ قَدْ حَفَزَنِیَ النَّفْسُ فَقُلْتُھَا فَقَالَ لَقَدْ رَاَیْتُ اِثْنَیْ عَشَرَ مَلَکًا یَبْتَدِرُوْنَھَا اَیُّھُمْ یَرْفَعُھَا . رواہ مسلم ۔ ترجمہ۔انسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص آیا اور وہ نماز کی صف میں داخل ہوگیا اور اس کا سانس چڑھ رہا تھا۔پس تکبیر تحریمہ اللہ اکبر کہہ کر کھڑا ہوا۔اور یہ کلمات پڑھے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُبَارَکًا فِیْہِ۔جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو پوچھا کہ یہ کلمات کہنے والا تم میں سے کون ہے۔تین بار اس طرح فرمایا۔اور سب صحابہ خاموش رہے۔آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے یہ کلمات کہے، اس نے کوئی بری بات نہیں کہی۔اس شخص نے کہا کہ جب میں آیا تو مجھے سانس چڑھ رہا تھا۔اور یہ کلمات میں نے کہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے بارہ فرشتوں کو دیکھا کہ ہر ایک ان میں سے جلدی کرتا تھا کہ ان کلمات کو اٹھا کر خدا کے حضور لے جاوے۔یہ حدیث مسلم نے روایت کی ہے۔

اور ایک دوسری حدیث شریف میں ہے۔ لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَکُمْ اَوْ لَیُخَالِفُنَّ اللّٰہُ بَیْنَ وُجُوْھِکُمْ ۔یعنی اپنی صفوں کو برابر کرو، ورنہ خدا تعالےٰ تمہارے منہ پھیر دے گا۔اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَمَا یَخْشَی الَّذِیْ یَرْفَعُ رَاسَہٗ قَبْلَ الْاِمَامِ اَنْ یُحَوِّلَ اللّٰہُ رَاسَہٗ رَاسَ حِمَارٍ ۔ترجمہ۔یعنی امام سے پہلے جو کوئی سر اٹھاتا ہے، اس کو اس بات کا خوف نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ اس کا سر گدھے کا سر کردے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ان کے لئے تسویت اور اقتداء میں تھا۔لیکن انہوں نے اس میں تفریط کی۔آپ نے تہدید فرمائی۔جب اس پر بھی باز نہ آئے، تب آپ نے شدت کے ساتھ تہدید

فرمائی اوران کوخوف دلایا اس بات کا۔ اگر اب مخالفت پر اصرار کریں گے اور اس پر بھی باز نہ آئیں گے، تو خدا تعالیٰ کی لعنت میں مبتلا ہوں گے۔ کیونکہ مخالفت احکامات الٰہیہ کی مستوجب لعنت کی ہوتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی لعنت جب کسی کو محیط ہوتی ہے، تو بلا شبہ اس کا اثر احدالامرین میں سے ایک ضرور ہوتا ہے۔ مسخ یا واقع ہونا خلاف کا اس قوم میں اور نکتہ حمار کی تشبیہ میں یہ ہے کہ یہ جانور اپنی حماقت اور اہانت میں ضرب المثل ہے۔ لہٰذا ایسے نافرمان نے جب امام سے سر اٹھانے میں سبقت کی، تو اس پر بھی بہیمیت اور حماقت کا غلبہ ہو کر گدھا بن گیا۔ اور تخصیص سر کی اس لئے ہوئی کہ سر ہی نے خداوند تعالیٰ کی تابعداری میں سوء ادبی کی تھی۔ اس لئے جس عضو سے یہ قصور ہوا، اس عضو کو یہ سزا دی گئی۔ جس طرح منہ کے داغ دینے کی سزا۔ یا ظاہر میں انہوں نے آگے پیچھے ہو کر یہ اختلاف کیا تھا، اس لئے اختلاف معنوی اور باہم مخالفت سے یہ سزا دی گئی۔

جواب۔ (۳) رسول کریمؐ کی جو بات باحکمت اور اپنی قوم کی اصلاح وتربیت کے متعلق قابل قدر تھی، افسوس کہ اس مسیحی معترض کو اپنے سطحی خیالات میں قابل اعتراض نظر آئے اور جو اعتراض خود اس کے عندیہ واعتقاد پر واقع ہوتے، اس کو نظر انداز کر رہا ہے۔ مثلاً مسیحی کا اعتراض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے کہ امت کے برے عمل نے پیشوا پر تاثیر ڈالی، یعنی صحابہ کے بُرے وضو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرات بھول گئی۔ حالانکہ ایسا امر واقعی نہیں ہے۔

حملہ بر خود نے کنی اے سادہ مرد ہمچو آں شیرے کہ بر خود حملہ کرد

احکام الٰہی میں وجوہات واغراض متعددہ کی حکمتیں

یہ بات ثابت ومسلم ہے کہ خدا کی پیدا کردہ ادویہ میں مصالح واغراض متعدد ہوتے ہیں۔ ایسا ہی اس کے احکام میں متعدد حکمتیں واسرار مودع ہیں۔ چنانچہ ایک ایک جڑی بوٹی ودوا میں اس نے صدہا اوصاف وخواص رکھے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک ہی دوا سے کئی کئی امراض کا دفیعہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا بقاعدہ مذکورہ ذیل میں جس قدر وضو کی حکمتیں واسرار ہم بیان کریں گے، وہ سب اس میں پائی جاتی ہیں۔

(۱) ترک غفلت۔ اب ہم ترتیب وار وضو کی حکمتیں آیات قرآنی واحادیث نبویّہ وکتب علم الابدان سے لے کر بطور خلاصہ لکھتے ہیں۔ لہٰذا واضح ہو کہ وضو انسان کو ظاہری وباطنی گناہوں وغفلت کے ترک کرنے پر آگاہ کرتا ہے۔ اگر نماز بغیر وضو کے پڑھنی شروع ہوتی تو انسان اسی طرح پردہ غفلت میں سرشار اور غافلانہ نماز میں داخل ہو جاتا۔ کیونکہ وہ دنیاوی ہموم وشواغل میں پڑ کر نشیلے آدمی کی طرح ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس نشۂ غفلت کو اتارنے کے لئے وضو شروع ہوا ہے۔ تاکہ انسان باخبر وباحضور ہو کر

خدا کے آگے کھڑا ہو۔

(۲) حفظ ما تقدم ۔مشاہدہ وطبی تجارب اس امر پر شاہد ہیں کہ انسان کے اندرونی جسم کے زہریلے مواد اطراف بدن کو خارج ہوتے رہتے ہیں اور وہ ہاتھ پاؤں واطراف منہ وسر پر آ کر ٹھہر جاتے ہیں۔اور مختلف اقسام کے زہریلے پھوڑوں و پھنسیوں کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔بُری جوا کثر ہاتھوں یا پاؤں کی انگلیوں پر آ کر نکلتی ہے، وہ بھی جسم کے زہریلے مواد کا ایک ذخیرہ ہوتا ہے، جس کا ظہور ایک موذی پھوڑے کی شکل میں ہوتا ہے۔اور اطراف بدن کو دھونے سے وہ گندے مواد رفع ہوتے رہتے ہیں یا جسم کے اندر ہی ان کا جوش پانی سے بجھ جاتا ہے یا خارج ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ حدیث نبویؐ میں صریح اس امر کی طرف اشارہ ملتا ہے اور بیماری کے جرم جو ان انداموں پر آ کر ٹھہرتے ہیں، وہ دھونے سے رفع ہو جاتے ہیں۔

(۳) حصول حب الٰہی ۔ بہ نیت اطاعت الٰہی ظاہر و باطنی نظافت کا پابند خدا تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ وَ یُحِبُّ الۡمُتَطَہِّرِیۡنَ۔** ترجمہ یعنی خدا تعالیٰ باطنی وظاہری طہارت وصفائی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔پس جس صفت سے انسان کو خدا تعالیٰ کا محبوب بننے کا شرف عطا ہو، لازم ہے کہ اس سے متصف رہے۔

(۴) غلبہ ملکیّت بر بہیمیّت ۔جب طہارت کی کیفیت نفس میں راسخ ہو جاتی ہے، تو ہمیشہ کے لئے نورِ مَلکی کا ایک شعبہ اس میں ٹھہر جاتا ہے اور بہیمیّت کی تاریکی کا حصّہ مغلوب ہو جاتا ہے۔ وضو کرنے سے نیکیوں کے لکھے جانے اور خطاؤں کے محو ہونے کے یہی معنے ہیں۔پس جس انسان کی مَلکی حالت غالب اور بہیمیّت مغلوب ہو، وہ کامل طور پر خدا تعالیٰ کا حضوری بن سکتا ہے۔

(۵) ازدیاد عقل ۔طہارت سے طبیعت میں عقل کا مادہ بڑھتا رہتا ہے۔پس جہاں عقل تام ہوگی، وہاں حضور الٰہی بھی تام ہوگا۔

(۶) عود نور وسرور ۔گناہوں وکسالت کے باعث، جو روحانی نور وسرور اعضاء سے سلب ہو چکا تھا، وضو کرنے سے دوبارہ ان میں عود کر آتا ہے۔یہی روحانی نور قیامت میں اعضائے وضو میں نمایاں طور پر درخشاں ظاہر ہوگا۔چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **اِنَّ اُمَّتِیۡ یَوۡمَ الۡقِیَامَۃِ غُرًّا مُحَجَّلِیۡنَ مِنۡ آثَارِ الۡوُضُوۡءِ فَمَنِ اسۡتَطَاعَ مِنۡکُمۡ اَنۡ یَّسۡتَطِیۡلَ غُرَّتَہٗ فَلۡیَفۡعَلۡ** ۔یعنی قیامت کے دن میری امت کو جب پکارا جائے گا، تو وضو کے آثار سے ان کے ہاتھ پاؤں اور چہرے روشن ہوں گے۔اس لئے تم میں سے جو کوئی اپنی روشنی بڑھا سکے وہ بڑھا لے۔ایک دوسری حدیث میں

آیا ہے۔تَبْلُغُ الْحِلْیَۃُ مِنَ الْمُؤْمِنِ حَیْثُ یَبْلُغُ الْوُضُوْءُ ۔ترجمہ۔یعنی جہاں تک وضوکا پانی پہنچے گا، وہاں تک مؤمن کو جنت کا زیور پہنایا جائے گا۔

(۷) قرب ملائکہ۔طہارت کی وجہ سے انسان کوفرشتوں کے ساتھ قرب واتصال ہوجاتا ہے۔لہٰذاوہ اس قابل ہوجاتا ہے کہ خداتعالیٰ کے دربار میں اس کوشرف باریابی عطاہو۔کیونکہ طہارت کی وجہ سے انسان کوشیاطین سے بُعد ہوجاتا ہے۔

(۸) شعارالٰہی میں بطہارت داخل ہونا۔چونکہ نمازعظیم الشان شعائراللہ میں سے ہے، لہٰذا شعارالٰہی میں داخل ہونے کے لئے وضولازم ٹھہرایا گیا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔مِفْتَاحُ الصَّلٰوۃِ الطُّھُوْرُ ۔یعنی نماز کی کنجی وضو ہے۔

(۹) عرض حال۔رعایا کو بغرضِ عرض حال ومطلب اوراحکام شاہانہ سننے کے لئے دربار شاہی میں جانے کی ضرورت ہوتی ہے۔اوراس وجہ سے تمام آداب وتعظیمات، جووقت حضوری دربار بجا لاتے ہیں، وہ سوال ہی کی مدّ میں شمار کئے جاتے ہیں۔مگرعرض مطلب کے لئے زبان اورحکم سننے کے لئے کان چاہئیں۔ایساہی حضورِدربار کے لئے ہاتھ،منہ، پاؤں کا دھونا اوردرستی لباس کی ضرورت ہےاور یہ سب کچھ مدِّ سوال وعرضِ حال ہی میں شمار کئے جاتے ہیں۔ الغرض جب امراء وسلاطین کے حضور جاتے یاکسی عمدہ اور پاکیزہ کام کا قصد کرتے ہیں،توان اعضائے وضوکودھولیتے ہیں۔کیونکہ ان پراکثر گردوغبار ومیل وکچیل کا اثر بوجہ ان کی برہنگی کے ہوتارہتا ہے اور باہم ملاقات کے وقت بھی یہی اعضانظر پڑتے ہیں۔

(۱۰) حصول تقویت وبیداری اعضائے رئیسہ۔تجربہ سے شہادت ملتی ہے کہ ہاتھ پاؤں کے دھونے سے اورمنہ وسر پر پانی چھڑکنے سے نفس پر بڑااثر پڑتا ہےاوراعضائے رئیسہ میں تقویت وبیداری پیداہوجاتی ہے۔غفلت وخواب اورنہایت بیہوشی اس فعل سے دور ہوجاتی ہے۔اس تجربہ کی تصدیق حاذق اطبّاء سے ہوسکتی ہے۔کیونکہ غشی ہو یازیادہ اسہال آتے ہوں یاکسی کی زیادہ فصد لی گئی ہو۔اس کے اعضائے مذکورہ پر پانی چھڑکنا تجویز کرتے ہیں۔چنانچہ علامہ قرشی نے اپنی کتاب موجز کے صفحہ۱۴پراوردیگراطباء نے بھی لکھا ہے۔فَاِنَّہٗ یَنْعَشُ الْحَرَارَۃَ الْغَرِیْزِیَّۃَ وَ یُقَوِّیْھَا وَ یَنْفَعُ الْغَشْیَ الْحَادِثَ عَنِ الْکَرْبِ الْحَمَامِیِّ وَغَیْرِہٖ ۔ترجمہ۔یعنی منہ ہاتھ پاؤں پرپانی چھڑکنا حرارت غریزی کوتازہ اورقوی کردیتا ہے۔اورحمام وغیرہ کی تکلیف سے جوبیہوشی پیداہواس میں یہ امر نافع ہے۔یہی وجہ ہے کہ انسان کے لئے یہ امرہوا کہ اپنے نفس کی کاہلی اور پژمردگی وسستی وکثافت کو

بذریعہ وضو دور کرے، تا کہ خدا تعالیٰ کے حضور میں کھڑا ہونے کے لائق ہو سکے۔ کیونکہ وہ سدا ہوشیار و بیدار ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے۔ **لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّ لَا نَوْمٌ** ۔یعنی خدا تعالیٰ کو غفلت و نیند نہیں پکڑتی۔ پس غافل و کاہل اس کے حضور میں کھڑے ہونے کے قابل نہیں ہو سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ نشہ و مستی کی حالت میں نماز پڑھنا مشروع نہیں ہوئی۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لَاتَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنْتُمْ سُکَارٰی** ۔ترجمہ۔یعنی نماز کے نزدیک نہ جاؤ جبکہ تم نشہ کی حالت میں ہو۔ کسی نشہ باز کو کسی ظاہری بادشاہ کے دربار میں بحالت نشہ جانے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ پس جب کہ نشہ باز و شرابی بحالت نشہ و غفلت ایک دنیاوی حاکم کے دربار میں باریاب نہیں ہوسکتا، تو نشہ باز و غافل انسان جیسی حالت بنائے ہوئے کسی کو احکم الحاکمین کے دربار میں کب شرف باریابی عطا ہوسکتا ہے۔ نشہ کی حالت میں نماز اسی لئے ممنوع ہوئی کہ نشہ باز کو بحالت نشہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ منہ سے کیا کہہ رہا ہے اور اس کے دل میں کیا گذر رہی ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ** ۔یعنی نماز اس حالت میں پڑھو کہ تمہارے دل کو معلوم ہو، جو کچھ زبان سے کہہ رہے ہو۔ یعنی ان کلمات سے تمہارے دل کا واقف و دانا ہونا ضروری ہے، جو تمہارے منہ سے نکل رہے ہیں۔ جن کو تم اپنی زبان سے پڑھ رہے ہو۔ وجہ یہ ہے کہ اگر محض زبانی کلمات کے دوہرانے سے کوئی شخص مستحق ثواب ہوسکتا ہے، بالخصوص وہ کلمات، جو دل کی آگاہی و تنبیہ کے لئے پڑھے جاتے ہیں، تو پھر وہ طوطے جو حافظ آیۃ الکرسی وغیرہ ہوا کرتے ہیں، وہ ضرور مستحق ثواب ہوں گے۔ حالانکہ ایسا امر نہیں ہے۔ بلکہ وہی نماز استحقاق ثواب رکھتی ہے، جو دل کی آگاہی سے پڑھی جائے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ تجربہ و مشاہدہ اس بات پر کافی گواہ موجود ہیں کہ غفلت کی نماز پر کافی ثواب مترتب نہیں ہوتا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اِنَّ الصَّلٰوۃ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ** ۔ترجمہ۔یعنی نماز کا فعل نماز پڑھنے والے کو بے حیائی و بدکاری و برائی اور ہر ایک قسم کے گناہ سے روک دیتا ہے۔ یعنی نمازی سے منکرات صادر نہیں ہو سکتے۔ مگر جب ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ غفلت کی نماز پڑھنے والوں سے برے برے کام، جھوٹ، زنا اور قسم قسم کے گناہ اور بدیاں صادر ہوتی ہیں اور وہ گناہ کرتے ہوئے آخر قبروں میں جا داخل ہوتے ہیں، تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ غفلت کی نماز ہے، جو بدیوں سے نہیں روک سکتی۔ ورنہ خدا تعالیٰ کا فرمودہ اٹل ہے۔ دوا میں اثر ضرور ہے۔ وہ مؤثر ہے مگر شرط ہے کہ دوا کو اس طریق و شرائط سے استعمال کیا جائے، جس طرح طبیب بتائے۔ ورنہ دوا کی بد استعمالی سے عدم ظہور اثرِ دوا کا الزام طبیب پر نہیں آتا۔

ہماری اس تقریر سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ جب تک حضورِ دل نہ ہو لے وہ نماز کو چھوڑ دے۔ دیکھو

جس دوا کے قوی اثر کا سارا جہان قائل ہو، مگر کسی انسان کو کسی خلطِ فاسد کے باعث یا بد استعمال سے اثر ظاہر نہ ہو، تو اس کو وہی دوا بار بار بمزید اصلاح ستعمال کرائی جاتی ہے۔ آخر اس دوا کا اثر ظاہر ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی تم نماز بموجب حکم الٰہی باصلاح باطن پڑھتے جاؤ۔ ایک دن اس کا اثر تمہارے دل پر جا کر پڑے گا۔ ہاں میں اس بات کا از روئے عینی شہادت کے اقرار کرتا ہوں کہ اگرچہ بے حضورِ دل نماز پڑھی ہوئی گناہوں سے تو نہیں روک سکتی، مگر اس سے بسا اوقات دنیا میں عذاب ٹل جاتا ہے۔ کیونکہ یہ ہیئت خدا تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اسلام کے معنے خدا تعالیٰ سے صلح و آشتی اور اس کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے اور جھکنے کے ہیں اور انسان کی مسلمانی کی پوری ہیئت و شکل کو نماز ہی ظاہر کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی خدا تعالیٰ کے آگے جھکنے کی شکل و صورت اختیار کرتا ہے، تو وہ اس سے عذاب ٹال دیتا ہے۔ اور قرآن کریم بھی اس امر کی طرف ایما فرماتا ہے۔ **وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ، لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ** ۔ ترجمہ۔ یعنے تیرا پروردگار پردہ پوش اور رحیم ہے۔ اگر وہ لوگوں کے گناہوں پر ان کی گرفت کرے، تو ان پر فوری عذاب نازل کر دے۔

اختتام وضو پر دعائے توبہ پڑھنے کا راز

وضو میں ساتوں اندام وں کو دھونا سات قسم کے گناہوں کو ترک کرنے کا ایما اور رجوع الی اللہ کی صورت اور صفائی ظاہر و باطن کی استدعا در زبانِ حال کی دعا ہے۔ اور اس کے بعد دعائے توبہ کو زبان قال سے پڑھنا رحمت الٰہی کو جذب کرنے کے لئے بہت مناسب و مؤکد دعا ہے۔ کیونکہ جب انسان کا ظاہر پانی سے پاک ہو جاتا ہے، تو یہ اس کی فطرت کا تقاضا ہے کہ اس کا دل بھی اسی طرح پاک و صاف ہو جائے۔ مگر وہاں تو دست قدرت الٰہی کے سوا کسی اور کی دسترس نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اس مقصد کے حصول کے لئے اسی کے آگے دست سوال پھیلایا جاتا ہے۔ **اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَ اجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ** ۔ ترجمہ۔ یعنے اے خدا مجھے تائبین اور پاکیزہ دلوں کے گروہ میں شامل کیجیو۔

جواب اس سوال کا کہ مسلم و غیر مسلم کی طہارت میں کیا فرق ہے

اسلامی ظاہری طہارت صفائیِ باطن کا نقشہ ہے، جو بشکلِ وضو پیش کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اعمال کے ثمرات و نتائج نیتوں پر مترتب ہوتے ہیں۔

اَلرُّوحُ لِلْجِسْمِ وَالنِّیَّاتُ لِلْعَمَل یُحْیِیٰ بِھَا کَحَیَاۃِ الْاَرْضِ بِالْمَطَر
فَتَبْصُرُ الزَّھْر وَ الْاَشْجَار بَارِزَۃ وَکُلُّ مَا تَخْرُجُ الْاَشْجَارُ مِنْ ثَمَر
کَذَاکَ تَخْرُجُ مِنْ اَعْمَالِنَا صُوَرٌ لَھَا رَوَائِحٌ مِنْ نَتَنٍ وَ مِنْ عَطَر

ترجمہ۔جسم روح سے اورعمل نیتوں سے زندہ ہوتے ہیں۔جیسے بادل برسنے سے زمین زندہ ہوتی ہے اور پھر شگوفے کھلتے اور درخت پھولتے پھلتے ہوئے تم دیکھتے ہو۔ایسا ہی ہمارے عملوں سے کچھ صورتیں بدبودار و خوشبودار پیدا ہوتی ہیں۔

اسلامی طہارت محض ظاہر اندا موں کو ہی پاک و صاف کرنے کے لئے مقرر نہیں ہوئی، بلکہ ظاہری انداموں کی صفائی ستھرائی کے ساتھ ہی اندام سبع کے گناہوں سے توبہ اور اخلاق رذیہ و مکاسب مقبوحہ کفر و شرک کو چھوڑنے کی نیت بھی ساتھ ہی ہوتی ہے۔اگر اسلام میں صرف ظاہری جسم کی طہارت و نظافت مطلوب ہوتی،تو مومن اور غیر مومن کی طہارت میں کوئی مابہ الامتیاز نہ ہوتا۔حالانکہ غیر مومن و مشرک صدہا بار طہارت ظاہری بجالائیں اور اپنے آپ کو پانی سے پاک وصاف بنائیں،مگر وہ پھر بھی مسلمان ہوئے بغیر اسلامی طہارت کے درجہ سے محروم رہتے ہیں ۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ۔ اِنَّمَاالْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ ،یعنی مشرک لوگ ناپاک ہوتے ہیں۔ان کی ناپاکی کی وجہ یہی ہے کہ ان کے اعمال و اخلاق طبائع سلیمہ و فطرت انسانی کے برخلاف ہوتے ہیں ۔اسی وجہ سے خدا نے ان کو ناپاک قرار دیا۔

ایں نجاست ظاہرانہ آبے رود وآں نجاست باطن افزوں میشود
جز باب چشم نتواں شستن آں چوں نجاسات بواطن شد عیاں
چوں نجس خواندہ است کافر را خدا آں نجاست نیست در ظاہر اورا
ظاہر کافر ملوث نیست زیں آں نجاسات ہست در اخلاق دیں

اور مومن کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔اَلْمُؤمِنُ لَایَنْجسُ حَیًّا وَلاَ مَیِّتًا ۔یعنے مومن خواہ زندہ ہو یا مردہ ناپاک نہیں ہوتا۔ورنہ ظاہری نجاست حقیقی و حکمی کے ساتھ آلودہ ہونے سے مومن و غیر مومن کا ناپاک ہونا یکساں ہے۔

یہ بات ناممکن ہے کہ خدا تعالیٰ ظاہری شست وشو کے لئے تو امر کرے اور باطنی خباثتوں اور نجاستوں سے اہمال فرمائے۔بلکہ قرآن کریم میں اس نے فرمایا ہے۔حَرَّمَ رَبِّی اَلْفَوَاحِشَ مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْیَ ۔ترجمہ۔یعنی خدا تعالیٰ نے ساری برایاں اور گناہ اور بغاوت کا کام خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ حرام فرمائے ہیں۔

اسلامی شریعت میں یہ بات مقرر ہے کہ جب انسان کا ظاہر و باطن سچائی وصفائی میں برابر نہ ہو

وہ مومنِ کامل نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا وضو میں جیسا ظاہری نجاست کے رفع کا امر ہے، ایسا ہی باطنی گندگی کو صاف کرنے کا حکم ہے اور ظاہر و باطن کو پاک وستھرا رکھنے کی تاکید ہے۔

اِذَا السِّرُّوَا لْاِعْلَانُ فِی الْمُؤْمِنِ اسْتَوٰیٰ فَقَدْ عَزَّ فِی الدَّارَیْنِ وَ اسْتَوْجَبَ الثَّنَا

جب مومن کا باطن و ظاہر یکساں ہوجائے، تو یہ امر اس کیلئے دارین میں موجب صفت وثنا ہوجاتا ہے

فَاِنْ خَالَفَا لِاعْلَانُ سِرّاً فَمَالَہٗ عَلٰی سَعْیِہٖ فَضْلٌ سِوَی الْکَدِّ وَ الْعِنَا

پس اگر اس کا ظاہر اسکے باطن سے مخالف ہو، تو اسکی کوشش پر سوائے محنت ومشقت کے اسے کوئی فضیلت نہیں

فَمَا خَالَصَ الدِّیْنَارُ فِی السُّوْقِ نَافِقٌ وَ مَغْشُوْشُہُ الْمَرْدُوْدُ لَا یَقْتَضِی الْمُنیٰ

پس خالص روپیہ بازار میں چلتا ہے اور جو کھوٹا ہو، تو اسکو لوٹا دیتے ہیں، کیونکہ وہ حاجت روا نہیں ہوتا۔

جواب اس سوال کا کہ وضو کی ترتیبِ منصوص کا خلاف کیوں ناجائز ہے

وضو کی ترتیب منصوص کا خلاف اس لئے ناجائز ہے کہ انسان سے احکام الٰہی کی مخالفت و گناہ کا ظہور اس ترتیب سے ہوتا ہے، جو قرآن کریم میں مذکور ہے۔ لہٰذا اعضائے وضو کو بترتیبِ منصوص دھونا گناہوں اور خدا کی نافرمانیوں سے دھونے اور تائب کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی جس اندام کے ذریعہ انسان سے پہلے گناہ سرزد ہوا، اس کو سب سے پہلے دھونا۔ اس کے لئے سب سے پہلے علامتِ ترکِ گناہ وتوبہ کی طرف ایما ہے۔

خدا تعالیٰ نے سب سے پہلے چہرہ دھونے کا امر فرمایا، جس میں منہ، ناک، آنکھیں شامل ہیں۔ پہلے کلی کے ذریعہ زبان کو صاف کیا جاتا ہے، جس میں توبہِ زبان کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ انسان کی زبان مخالفت احکام الٰہی میں سارے اندامو ں سے سبقت لے جاتی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اَکْثَرُ خَطَایَا ابْنِ آدَمَ فِیْ لِسَانِہٖ ۔ یعنے بنی آدم سے اکثر گناہ اس کی زبان کے ذریعہ صادر ہوتے ہیں۔ اسی سے الفاظ غیبت ونمیمت (چغلی) وسبّ وشتم (گالی گلوچ، دشنام) اور صدہا قسم کے لاطائل (بیہودہ) اور بیجا کلمات نکلتے ہیں۔ پھر ناک میں پانی ڈال کر اس کو صاف کیا جاتا ہے، جو کہ مشمولات ممنوعہ (سونگھنے کے قابل مگر منع کی ہوئی اشیاء) اور دماغی کبر وغرور سے توبہ کرنے کی علامت معین (مقرر کیا ہوا) ہے۔ پھر سارے گناہوں چہرہ کو مع دونوں آنکھوں و پیشانی کے دھویا جاتا ہے، جو کہ مواجہ (روبرو ہونا) کے سارے گناہوں اور آنکھوں کی بدنظری کے چھوڑنے کی طرف ایما ہے۔ پھر دونوں ہاتھوں کو دھویا جاتا ہے، جو ہاتھوں کے ترک ذنوب (گناہ) کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ جب انسان بات کرتا اور آنکھیں دیکھتی ہیں تو ہاتھ پکڑتے یا چھوتے ہیں۔ پھر سر کا مسح کیا جاتا ہے اور اس کو

دھویا نہیں جاتا، کیونکہ سر سے بذاتہ کوئی مخالفت صادر نہیں ہوتی، بلکہ باتباع زبان اور آنکھ اور ان کی مجاورت (پڑوس) کے باعث ہوتی ہے۔ لہٰذا سر کے لئے ایسا حکم ملا، جو دھونے اور نہ دھونے کے درمیان ہوا۔ اور وہ مسح ہے۔ پھر کانوں کا مسح کیا جاتا ہے، کیونکہ اکثر اوقات انسان کے کانوں میں بلا اختیار بغیر قصد آوازیں آن پڑتی ہیں، لہٰذا ان کے لئے بھی دھونے اور نہ دھونے کے درمیان والا حکم مسح کا ملا۔ اور ایسا ہی مسح گردن کو سمجھو۔ ان ہر سہ اندامہائے ممسوحہ (چھوئے ہوئے) یعنی سر، کان، گردن کے مسح میں سرکشی، گردن کشی اور عدم سماعت حق کے قبیح اعمال سے توبہ کی طرف ایما ہے۔ دوسری وجہ ان مذکورہ بلا اندامول کے مسح کرنے میں یہ ہے کہ اگر ان کو دھونے کا امر ہوتا، تو بڑا حرج ہوتا اور لوگ سخت تکالیف میں مبتلا ہوتے، کیونکہ جس شخص کو پانچوں نمازوں میں پانچ بار وضو کی حاجت ہوتی اور اس کو سر پر پانچ بار پانی ڈالنا پڑتا، تو بلاشبہ یہ فعل اس کے لئے سخت حرج (تکلیف) میں داخل ہے۔ حالانکہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ مَایُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ ۔ یعنی خدا تعالےٰ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی حرج ڈالے۔

پھر پاؤں کو دھویا جاتا ہے۔ کیونکہ آنکھیں دیکھتی اور زبان بات کرتی اور ہاتھ حرکت کرتے اور کان سنتے ہیں اور سب کے بعد پاؤں چلتے ہیں۔ لہٰذا پاؤں کا دھونا سب سے آخر میں ٹھہرا۔ کیونکہ ان سے مخالفت الٰہی سب سے آخر میں سرزد ہوتی ہے۔ پس سب سے آخر ان کی توبہ کی نوبت آتی ہے۔ اور تین بار ہر اندام کو دھونا توبہ کے ارکان ثلاثہ، ندامت بر گناہ و ترک گناہ اور آئندہ گناہ کو ترک کرنے کے لئے عزم بالجزم (پختہ ارادہ) کی طرف ایما ہے۔

ترتیب وضو کے متعلق علامہ فخر الدین رازیؒ کے فلسفیانہ سوالات پر جوابات

اور وضو میں پاؤں کو سب سے آخر میں دھونے کا راز

امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر جلد سوم مطبوعہ مصر صفحہ ۳۷۷ میں وضو کے متعلق سوالات لکھے ہیں۔ مگر جوابات درج نہیں فرمائے۔ لہٰذا یہاں انکو درج کر کے اجمالاً جوابات بھی لکھے جاتے ہیں

(۱) اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی ذَکَرَ ھٰذِہِ الْاَعْضَاءَ لَاعَلٰی وَفْقِ التَّرْتِیْبِ الْمُعْتَبَرِ فِی الْحِسِّ وَ لَاعَلٰی وَفْقِ التَّرْتِیْبِ الْمُعْتَبَرِ فِی الشَّرْعِ وَ ذَالِکَ یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ التَّرْتِیْبَ وَاجِبٌ.

(۲) اَنَّ التَّرْتِیْبَ الْمُعْتَبَر فِی الْحِسِّ اَنْ یُبْدَاءَ مِنَ الرَّاسِ نَازِلاً اِلَی الْقَدَمِ اَوْ مِنَ الْقَدَمِ صَاعِداً اِلَی الرَّاْسِ وَالتَّرْتِیْبُ الْمَذْکُوْرِ فِی الآیَةِ لَیْسَ کَذَالِکَ .

(۳) وَ اَمَّا التَّرْتِيْبُ الْمُعْتَبَر فِي الشَّرْعِ فَهُوَ اَنْ يَجْمَعَ بَيْنَ الْاَعْضَاءِ الْمَغْسُوْلَةِ وَ يُفْرَدُ الْمَمْسُوْحَةُ عَنْهَا وَ الآيَةُ لَيْسَتْ كَذَالِكَ فَاِنَّه' تَعَالٰى اَدْرَجَ الْمَمْسُوْحِ فِيْ اِثْنَاءِ الْمَغْسُوْلَاتِ . ترجمہ۔(ا) یعنی خداتعالےٰ نے ان اندامو ں کا ذکر نہ تو ترتیب محسوس کے موافق اور نہ ترتیب مشروع کے مطابق بیان فرمایا ہے۔اور ترتیب منصوصی اس بات پر دال ہے کہ اس ترتیب کی رعایت واجب ہے۔

(۲) معتبر ترتیب اس طرح محسوس ہوتی ہے کہ اول وضو کو سر سے شروع کر کے نیچے کو پاؤں پر ختم کیا جائے۔ یا پاؤں سے شروع کر کے اوپر کو سر پر ختم کیا جائے ۔مگر آیت میں یہ ترتیب مذکور نہیں ہے۔

(۳) اور شرعی ترتیب اس طرح معتبر ہے کہ دھوئے جانے والے اندام ایک جا الگ ،اور مسح کئے جانے والے اندام الگ مذکور ہوتے۔اور آیت میں یہ ترتیب بھی نہیں ہے، کیونکہ خدا تعالےٰ نے ممسوح اندامو ں کو مغسول اندامو ں کے درمیان مذکور فرمایا ہے۔

جواب۔واضح ہو کہ ان اندامو ں سے اس ترتیب طبعی سے افعال صادر ہوتے ہیں،جس ترتیب سے ان کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔اور ان کے وضو میں یہی ترتیب معتبر فی الحس والشرع ہے، کیونکہ اگر اندامہائے مغسولہ کو ممسوحہ سے علیحدہ کر کے ذکر کیا جاتا ،تو وضو کی وہ حکمتیں ضائع ہو جاتیں ،جن کے لئے وضو مشروع ہوا تھا۔

قرآن کریم میں پہلے منہ، پھر ہاتھ، پھر مسح سر، پھر پاؤں کے دھونے کا ذکر ہے اور اس ترتیب کا راز یہ ہے کہ پہلے آنکھیں دیکھتی ہیں اور پھر دل خیال کرتا ہے اور دماغ متفکر ہوتا ہے۔لہٰذا ان کے مقابل خدا نے انسان کے اندرونی اعضائے مذکور الصدر کی آگاہی وتقویت وانابت وتوبہ کے لئے یہ انتظام فرمایا کہ سب سے اول دل کا تعلق منہ سے، پھر درجہ ثانی پر ہاتھوں سے ٹھہرایا اور پاؤں کا تعلق سارے اسفل واعلیٰ بدن اور بالخصوص اعصاب دماغ سے ملایا۔پس دماغ ہی کے ذریعہ سے قالب انسانی کی کَل چلتی ہے۔چنانچہ حکماء واطباء بالاتفاق لکھتے ہیں۔وَ بِهٖ يَكُوْنَ الْحِسُّ وَ الْحَرْكَةُ اَمَّا الْحِسُّ فَبِوَاسِطَةِ الْعَصَبِ اللَّيِّنِيْنِ وَ اَمَّا الْحَرْكَةُ فَبِوَاسِطَةِ الْعَصَبِ الصَّلْبِ ۔ترجمہ۔یعنی دماغ ہی کے ذریعہ سے انسان کے جسم میں قوت حس وحرکت پیدا ہوتی ہے ۔حس تو نرم اعصاب کے ذریعہ اور حرکت سخت پٹھوں کے وسیلہ سے پیدا ہوتی ہے ۔لہٰذا جب منہ اور ہاتھوں کو دھویا جاتا ہے،تو پانی کا اثر اعصاب کے ذریعہ دل کو پہنچتا ہے اور اس میں سرور وانبساط ونشاط پیدا ہوتا ہے اور وہاں سے جگر کو بھی بوجہ

مجاورت دل (ہمسائیگی) تقویت حاصل ہوتی ہے۔ اور جب پاؤں کو دھویا جاتا ہے، تو سارے اسفل بدن میں پاؤں سے لے کر دماغ تک اعصاب کے ذریعہ پانی کا اثر سرایت کر جاتا ہے۔ اور تمام اعصابی نظام میں تقویت و طاقت آ جاتی ہے۔ کیونکہ کمزوری وضعف موت کی ایک جزو ہے اور طاقت وقوت زندگی کا حصہ ہے۔ اور زندگی پانی سے حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کا پاک کلام قرآن شریف بھی اس طرف اشارہ کرتا ہے۔ وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۔ یعنی ہم ہر چیز کو پانی کے ذریعہ زندگی بخشتے ہیں۔

امعاء (انتڑیوں) سے جو ابخرہ ردّیہ (بخارات) اٹھ کر مشین دماغ کے باریک در باریک عصبی نظام میں داخل ہونے سے اس کی کمزوری وضعف کا باعث ہوتے ہیں، اس کے تدراک کے لئے پاؤں کا دھونا از بس مفید ہے۔ پاؤں دھونے سے سارے اسفل واعلیٰ بدن میں پانی کی قوت سرایت کرتی ہے اور دماغی اعصاب کو بحالِ خود لے آتی ہے۔ یہ بات مشاہدہ میں آئی ہے کہ جیسا لوہے کے کسی آلہ کو جب تیز کرنا چاہتے ہیں، تو اس کو پانی سے پان دیتے ہیں اور اس میں تیزی اور حدت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسا ہی دیگر مادی اشیاء کے لئے پانی زندگی بخش اور مایہ حیات ہے۔

اس جگہ پاؤں پر مدام مسح کرنے والوں کی غلطی اظہر ہے۔ کیونکہ مدامی مسح سے وہ فوائد حاصل نہیں ہو سکتے، جن کا ذکر اوپر ہو چکا۔

دیگر یہ وجہ ہے کہ پاؤں بدن کا اسفل ترین حصہ ہے، جس پر زیادہ تر مرض و گرد و غبار پڑتے رہتے ہیں۔ لہٰذا ایسے اندام کا دھونا ہی لازم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاؤں پر موزہ پہننے کی حالت میں مسح کی انتہائی مدت مقیم کیلئے ایک دن رات اور مسافر کے لئے تین یوم وشب سے زیادہ نہیں، بلکہ پھر پاؤں دھو کر موزے پہنے جاتے ہیں اور ہر حدث (بدلے جانے) کے بعد موزوں پر مسح کرنا شروع کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اعصاب دماغ کی تقویت پاؤں کو دھونے ہی سے حاصل ہوتی ہے اور دائمی مسح سے یہ امر حاصل نہیں ہوسکتا۔ قرآن کریم نے پاؤں کا دھونا قرار دیا تھا۔ اور آج علمی زمانہ میں معلومات و اکتشافات جدیدہ قرآن کریم کی ہی تصدیق ظاہر کر رہے ہیں۔ اطبائے حاذق کہتے ہیں کہ اجرام امراض متعدّیہ اکثر پاؤں ہی کی طرف سے جسمِ انسان پر وارد ہوتے ہیں۔ اور پاؤں پر گرد و غبار پڑنے سے پاؤں کے مسامات بند ہو جاتے ہیں اور یہ امر صحت دماغ کے لئے مخل ہے۔ لہٰذا اجرام امراض کو رفع کرنے اور حفظ ِ ماتقدم اور تقویت وصحتِ دماغ کیلئے پاؤں کا دھونا بڑا مفید ہے۔ اور قرآن کریم میں پاؤں کو سب سے آخر میں دھونے کا امر اسلئے ہوا کہ انسان کے اندامون سے اسی ترتیب طبعی سے افعال صادر ہوتے ہیں،

جس ترتیب سے انکا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔ چنانچہ ترتیب منصوص کی حکمت میں یہ بات بہ تفصیل لکھی جا چکی ہے کہ پاؤں کا دھونا پاؤں کے فعل قبیح سے توبہ کی طرف ایما ہے۔ اور چونکہ پاؤں کا فعل سارے اندامون کے افعال کے بعد ظاہر ہوتا ہے، اسلئے انکی توبہ کی نوبت سب سے آخر میں ٹھہری۔

حکمتِ طہارتِ صغریٰ و کبریٰ بطور اختصار

طہارت اس لئے کی جاتی ہے کہ باطن منوّر ہو جائے اور اُنس و سرور کی حالت پیدا ہو اور افکارِ ردّیہ دور ہو جائیں اور تشویشات و پراگندگی اور پریشانی و افکار رک جائیں۔ پس طہارت کا روح نور باطن وسرورِ دل واطمینان خواطر ہے۔

مسح سر و کانوں کے لئے جدید پانی لینے کی حکمت

مٹی و پانی سے طہارت کا مشروع ہونا فطرت مستقیمہ وعقول سلیمہ کے موافق ہے۔

ا۔ خدا تعالیٰ نے پانی اور مٹی کے درمیان قدرتاً وشرعاً اخوت ڈالی۔ لہٰذا ان دونوں کو طہارت کے لئے جمع کیا۔ وجہ یہ ہے کہ آدم اور اس کی اولاد کو خدا نے انہی سے پیدا کیا۔ گویا ہمارے والدین اور ان کی ذریت کے لئے مٹی اور پانی والدین ہیں۔

۲۔ خدا تعالیٰ نے ہر زندہ چیز کی زندگی پانی اور مٹی سے ٹھہرائی۔ لہٰذا انہی سے بنی آدم اور چرندوں، پرندوں، درندوں کے اعضا بنائے۔ کیونکہ مٹی اور پانی کا وجود عام ہے، ہر جگہ مل سکتے ہیں۔

۳۔ منہ کا مٹی سے آلودہ کرنا خدا تعالیٰ کو پسند آتا ہے۔ چونکہ ان دونوں اشیاء کا عقد آپس میں قدرتی طور پر محکم اور قوی ہے۔ لہٰذا شرعاً بھی ان کا آپس میں عقد ٹھہرانا خوب ومناسب تر ہے۔

بطور استحباب وضو کا باقی پانی پینا متوضی کے لئے شافی ہونے کا راز

وضو کا بچا ہوا پانی پینے سے متوضی کے لئے شافی ہونے میں یہ راز ہے کہ جس طرح انسان اپنے ظاہری اندامون پر پانی ڈال کر ظاہری اندامون کے گناہوں سے تائب اور طالبِ مغفرت ہوتا ہے، ایسا ہی متوضی کی طرف سے وضو کا باقی پانی پینے سے یہ ایما ہوتا ہے کہ اے میرے خدا جس طرح تو نے میرے ظاہر کو پاک کیا، ایسا ہی میرے باطن کو پاک وصاف کر دے۔

یہی وجہ ہے کہ کتب حدیث وفقہ میں اس بات کا ذکر ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف باب الوضو میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے۔ **فَاَخَذَ فَضْلَ طُهُوْرِه، فَشَرِبَه، وَ هُوَ قَائِمٌ ثُمَّ قَالَ اَحْبَبْتُ اَنْ اُرِيَكُمْ كَيْفَ كَانَ طُهُوْرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ** ۔ترجمہ۔یعنی آپ

نے وضو کا بقیہ پانی لے کر پی لیا۔ پھر کہا میں چاہتا ہوں کہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی کیفیت دکھادوں۔ اوراسی کتاب کی دوسری حدیث میں یوں ذکر ہے۔ اِذَا فَرَغَ مِنْ طُهُوْرِهٖ اَخَذَ مِنْ فَضْلِ طُهُوْرِهٖ بِكَفِّهٖ فَشَرَبَه‘ ۔یعنی جب آپ وضو سے فارغ ہوئے تو اپنے وضو کے بقیہ پانی سے کسی قدر اپنی ہتھیلی میں لے کر پی لیا۔ اورفقہ کی کتاب فتح القدیر میں لکھا ہے۔ وَ مُسْتَحَبٌّ اَنْ يَشْرِبَ بَعْدَه‘ مِنْ فَضْلِ وَضُوْئِهٖ ۔یعنے وضو کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ اپنے وضو کے بقیہ پانی سے پی لے۔

وضو کے لئے سات اندام مخصوص ہونے کی وجہ

ا۔انسان کی بناوٹ اور وضع پر غور کرو، تو تم پر واضح ہوگا کہ اس کے سات اخلاق اعضاء، جن پر تمام شرائع وقوانین کا دارو مدار ہے، وہ ذووجہین وذوقوتین یعنی دورخے اور دوہری قوتوں والے ہیں۔ اور وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) زبان (۲) آنکھ (۳) کان (۴) دماغ ۔ سر، جس میں ناک بھی شامل ہے اور (۵) ہاتھ (۶) پاؤں (۷) شرمگاہ۔ یہی اعضا ہیں، جن کے ساتھ اخلاقی شریعت بلکہ قوانین معاش ومعاد کا تعلق ہے۔ انہی سے انسان خدا تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب ہوکر اپنے لئے سات دوزخوں کی راہ بناتا اور انہی کے وسیلہ جمیلہ سے خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری واطاعت کا اظہار کر کے سات بہشت اپنے اعمال حسنہ کے بدلہ میں اور ایک زائد بطور انعام واکرام پاتا ہے۔ کیونکہ کریم کا یہ طریق ہے کہ وہ اپنی خوشی ورضا کے اظہار میں حق واجب سے بڑھ کر اُجرت دیا کرتا ہے۔

۲۔وضو میں سات اندام وں کو دھونا ساتوں قسم کے اصول جرائم سے تائب ہونے کی طرف ایما ہے۔ چنانچہ آیت اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ میں ہر طہارت کنندہ کو باطنی پاکیزگی وصفائی اور انابت الی اللہ وترکِ گناہوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ پس سات اندام وں کے لئے وضو کا مخصوص ہونا ان کو ساتوں قسم کے گناہوں سے دھونے اور سیّات سے دستبرداری دینے کی طرف اشارہ ہے، تاکہ انسان آثار دوزخ سے نجات پائے اور قابلِ دخولِ بہشت ہو۔ اسی امر کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ فرماتے ہیں مَامِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا يَتَوَضَّاءَ فَيَسْبَغَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِىْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَ اجْعَلْنِىْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ اِلَّا فُتِحَتْ لَه‘ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةِ يَدْخُلُ مِنْ اَيِّهَا شَاءَ ۔ترجمہ یعنی تم میں سے کوئی ایسا شخص نہیں ہے، جو پورا پورا وضو کرے اور پھر اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِىْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَ اجْعَلْنِىْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ پڑھے، مگر اس کیلئے آٹھوں بہشتوں

کے دروازے کھل جاتے ہیں۔جس دروازہ سے چاہے داخل ہو۔یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وضو کی تقرری منجملہ اور وجوہات کے توبہ وصفائیِ دل کے لئے بھی موضوع ہے۔اور ساتوں اندامون کا دھونا اسی وجہ سے ہے کہ یہی اعضاء درکات جہنم اور یہی اعضاء درجات بہشت کے راستے ہیں۔

راہ جنت دوزخ ایں اعضائے تست ہر چہ کاری بدروی بر ضائے تست

یہی سات اعضا ہیں،جن کے ذریعہ نفس امارہ کی ناپاک وناجائز حرکات کا صدور ہوتا ہے۔

قصہء نفس ارپرسی اے پسر قصہ دوزخ بخواں باہفت سر

۳۔خداتعالیٰ نے انسان کوایسی فطرت پر پیدا کیا ہے کہ وہ جوکچھ آنکھ سے دیکھتا،کان سے سنتا، ناک سے سونگھتا،زبان سے چکھتا،ہاتھ سے چھوتا ہے،اس کا اثر اسکے دل پر پہنچتا ہے۔اور ایک خیال اس میں پیدا ہوتا ہے،جو اس کے اخلاق پر اثر کرتا ہے۔انسان کے دل سے نکلنے والی چیزوں کی بہ نسبت وہ چیزیں بہت ہیں،جو باہر سے اسکے دل میں جاتی ہیں۔بلکہ ٹھیک ٹھیک یوں کہنا چاہیئے کہ جوکچھ انسان کے دل سے نکلتا ہے،وہ وہی ہے،جو باہر سے اسکے دل میں جاتا ہے۔پس صفائیِ دل کیلئے ان اندام سبع کا دھونا بڑا مفید ہے،جن کا اثر انسان کے اندر دل میں جاکر پیدا ہوتا ہے۔کیونکہ جیسا کہ ظاہری اندامون کو دھونے سے ان میں نشاط وسرور ونور پیدا ہوتا ہے،ایسا ہی دل میں بھی اثر ہوتا ہے۔

ہر اندام وضو کو تین بار دھونے کا راز

ا۔ہر مغسولہ اندام وضو کو تین بار دھونے میں اس عمل کی تکمیل کی طرف اشارہ ہے۔کیونکہ اس سے کم دھونا تفریط اور اس سے زیادہ دھونا افراط ہے۔یہی وجہ ہے کہ تین کا عدد تکرار غسل کیلئے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا۔کیونکہ تین کا عدد کامل ہے،جو کہ ابتداء اور وسط اور انتہا پر دلالت کرتا ہے

۲۔ہر اندام کو تین بار دھونا تین ارکان توبہ کی طرف ایما ہے،جو مندرجہ ذیل ہیں۔(ا) موجودہ حالت گناہوں سے نکلنا۔(۲) ندامت برکردہ اور (۳) آیندہ کے لئے ترک گناہ کا عزم بالجزم۔

ہست جنت راز رحمت ہشت در یک درِ توبہ است داں ہشت اے پسر

ایں ہمہ گو باز باشد گہ فراز واں در توبہ نباشد جز کہ باز

ہیں غنیمت داں در باز است زور رخت آنجا کش زکوریٰ حسود

۳۔ہر اندام وضو کو تین بار تک دھونا اس لئے مقرر ہوا کہ تین سے کم دھونے میں نفس پر پورا پورا اثر نہیں پیدا ہوتا۔اور یہ امر تفریط میں داخل ہے۔اور زیادہ دھونے میں افراط واسراف ہے۔کیونکہ اگر دھونے کے لئے ایک حد معین نہ ہو،توظنی اور وہمی انسان سارا سارا دن ہاتھ پاؤں ہی دھونے میں گذار

دیتے اوران کی نماز کا وقت گذر جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے۔فرمایانَعَمْ وَ لَوْ کُنْتَ عَلٰی ضِفَّةِ نَهْرٍ جَارٍ ۔ترجمہ یعنی بیشک وضو میں بھی اسراف ہے،خواہ تم جاری نہر کے کنارے بیٹھ کر وضو کرو۔ انداموں پر بار بار پانی ڈالتے رہیں،تو اس سے پانی تو ضائع نہیں ہوتا،مگر متوضی کا وقت ضرور ضائع ہوتا ہے۔اور وقت کا ضیاع کرنا بڑا بھاری اسراف ہے۔

بر سر جوئبار بنشیں گذران عمر ببیں کہ در جہاں زگذار عمر ہمیں پند بس است

ابن مبارک کہتے ہے کہ تین بار سے زیادہ پانی بہانے سے آدمی گنہگار رہوتا ہے۔اور احمد و اسحاق کہتے ہیں کہ تین بار سے زیادہ پانی گرانے والا مجنون ہوتا ہے۔دیکھو ترمذی باب الوضو۔

احادیث نبویہّ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایک اور دو دو بار بھی اعضا کو دھونا ثابت ہے۔ایک میں اثبات توحیدِ الٰہی اور دو میں ترکِ ماسوا کی طرف اشارہ ہے ۔اور تین بار دھونا بتواتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، جو کہ بغرض تعلیم امت،تو بہ کے ارکان ثلاثہ و تکمیل و اتمام فعل کی طرف اشارہ ہے۔تین سے زیادہ بار دھونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ شرح مسند امام اعظمؒ ص ۲۱۹ میں لکھا ہے۔وَلَمْ یَزِدْ عَلٰی ثَلاثٍ اَبَداً بَلْ وَرَدَ وَعِیْدٌ فِي الزِّیَادَةِ عَلَیْهَا وَ عُدَّمِنَ الْاَسْرَافِ. ترجمہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار سے زیادہ کوئی اندام نہیں دھویا۔ بلکہ تین سے زیادہ دھونے پر عذاب الٰہی کا وعدہ وارد ہوا ہے۔اور اس امر کو اسراف میں گنا گیا ہے۔

مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی وضو کے متعلق اپنی کتاب "برہان الفرقان" کے صفحہ ۷۱ میں لکھتے ہیں۔"وضو کے اعضا کو ایک بار یا دو بار یا تین بار دھونے کی کوئی تعیین نہیں۔غرض صفائی کی ہے، جتنی بار دھونے سے ہو جائے کر لے"۔

واضح ہو کہ اس میں ملا چکڑالوی صاحب صریح غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ کیونکہ شریعت کا کوئی فعل بے اندازہ و عبث نہیں۔ جب انسان شرعی قید و پابندی کے اندر آ جائے ،تو اس کی فطرت چاہتی ہے کہ اس کے لئے حدود مقرر رہوں، ورنہ بے قید ہو جائے گا۔

دراصل وضو کی فلاسفی و حقیقت سے چکڑالوی صاحب بے خبر ہیں۔ کیونکہ وہ وضو کو صرف ظاہری صفائی پر منحصر سمجھتے ہیں۔اور باوجود قرآن دانی کے آیت اِنَّ اللهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ سے غافل ہیں،جس میں صریحاً صفائی باطنی کی طرف بھی اشارہ ہے۔اس بات کی اس کو خبر

ہی نہیں کہ تعیین وضو کا اہم مطلب ومقصد باطن کی صفائی ونظافت کا حاصل کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنی کتاب مذکور میں لکھ دیا کہ غرض صفائی کی ہے، جتنی بار دھونے سے ہو جائے، کرلے۔ اگر وہ احادیث نبویہّ کا قائل نہ تھا تو قرآن کریم کی آیت مذکور کو ہی بغور پڑھ لیتا تو سدھر جاتا۔ مومن وغیر مومن کی طہارت میں یہی توما بہ الامتیاز وفرق ہے کہ مومن کی طہارت ظاہر وباطن دونوں کیلئے ہوتی ہے۔ اور غیر مومن کی طہارت صرف ظاہر تک ہی محدود ہوتی ہے۔ پھر بھی غیر مومن کے بارے میں خداتعالیٰ فرمایا ہے۔ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ۔ یعنی مشرک لوگ ناپاک وپلید ہوتے ہیں۔

حکمۃ السواک فی الاسلام

ا۔ یوں تو بالعموم دانتوں کو صاف کرنا اور اجلا بنانا بڑے بڑے فوائد پر مبنی ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کے یہ بات بھی نہایت ہی انسب اور عمدہ ہے کہ جب کسی عالیشان دربار میں جانا ہو، تو قبل از حضور دربار ظاہری شکل وشباہت کا سنوانا اور دانتوں کو صاف کرنا بڑا ضروری ہے۔ کیونکہ بات چیت کرنے کے وقت دانتوں کی زردی اور میل نظر پڑنے سے طبائع سلیمہ کو نفرت ہوتی ہے۔ پس احکم الحاکمین رب العالمین سے بڑھ کر کس کا عالیشان دربار ہوسکتا ہے، جس کے لئے یہ اہتمام کیا جائے۔ کیونکہ اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ۔ یعنی خداتعالیٰ خوب ہے اور وہ خوبی کو پسند کرتا ہے۔ سو جب کہ یہ بات ٹھہری تو دانتوں کی میل اور بوئے دہن کو وہ کب پسند کرسکتا ہے۔ اس وجہ سے اعظم شعائر اللہ نماز پڑھنے سے پہلے جیسا کہ دیگر قذوات ومیل کچیل کو صاف کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے، ایسا ہی دانتوں کی میل ومنہ ومسوڑوں کی عفونت کو رفع کرنا مستحسن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نماز سے پہلے مسواک کیا جاتا ہے۔ کیونکہ تعظیم شعائر اللہ کے لئے جو ایسے امور بجالائے جاتے ہیں، ان سے جسمانی فوائد حاصل ہونے کے علاوہ اُخروی اجر وثواب بھی ملتا ہے۔ اور جو کام عظمت شعائر اللہ کے لحاظ سے نہ کیا جائے اس پر ثواب مترتب نہیں ہوتا۔

۲۔ اگر بہت دنوں تک مسواک نہ کیا جائے، تو مسوڑوں ودانتوں میں بقیہّ اجزائے غذا رہنے ومیل جم جانے سے منہ میں تعفن اور بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جب انسان مسجد کے اندر نمازیوں میں جا کر کھڑا ہوتا ہے، تو اس کی بو سے ان کو اور ارواح طیبہ ملائکۃ اللہ کو ایذا پہنچتی ہے اور یہ امر عنداللہ وعند الناس مقبوح ومکروہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَفُرِضَتْ عَلَیْھِمُ السَّوَاکُ عِنْدَ کُلِّ صَلوٰۃٍ کَمَا فُرِضَتْ عَلَیْھِمُ الْوُضُوْءُ۔ ترجمہ۔ یعنی اگر مجھے اپنی امت کی تکلیف کا اندیشہ نہ ہوتا، تو ان پر ہر نماز کے وقت مسواک فرض کیا جاتا جیسا کہ

ان پر وضو فرض کیا گیا۔

اور ایک دوسری حدیث میں مذکور ہے۔ عَلَيْكُمْ بِالسَّوَاكِ فَنِعْمُ الشَّيءِ السَّوَاكُ يُذْهِبَ بِالْحُضْرَةِ وَ يَقْرَعُ الْبَلْغَمِ وَ يَجْلُوالْبَصَرَ وَ يَشُدُّ اللَّثَّةَ وَ يُذْهِبَ بِالْبُخْرِ وَ يَصْلِحُ لِلْمِعْدَةِ وَ يَزِيْدُ فِيْ دَرَجَاتِ الْجَنَّةِ وَ يَحْمَدُ الْمَلَائِكَةَ وَ يُرْضِى الرَّبُّ وَ يُسْخِطُ الشَّيْطَانُ . یعنی مسواک کرنا لازم پکڑو۔ مسواک کرنا بہت اچھی بات ہے۔ مسواک دانتوں کی زردی کو دور کرتا اور بلغم کو اکھیڑتا اور آنکھوں کو روشن بناتا اور مسوڑوں کو مضبوط کرتا اور بوئے دہن کو رفع کرتا ہے۔ اور مصلح معدہ اور باعث مزید درجات جنّت اور موجب تعریف ملائکہ ہے اور خدا کو راضی کرنے اور شیطان کو ناراض کرنے کا ذریعہ ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے اَرْبَعٌ مِّنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِيْنَ اَلْحَيَاءُ وَ يُرْوَى الْخَتَانُ وَالْتَعَطُّرُ وَ السَّوَاکُ وَ النَّكَاحُ ۔ ترجمہ۔ یعنی رسولوں کے طریقوں میں سے چار باتیں ہیں۔(۱) حیا اور ایک روایت میں ختنہ کرنا آیا ہے۔ اور (۲) خوشبو لگانا اور (۳) مسواک کرنا اور (۴) نکاح کرنا۔

وضو باسمِ خدا مقرر ہونے کا راز

جب کہ طہارتِ نماز حسبِ فرمودۂ خداوند کریم مقرر ہوئی، تو لازم ہے کہ اسی کے نام و نیّت سے شروع ہو، تا کہ ثواب ہو۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔

سید الاعمال بالنیات گفت   نیت خیرت بسے گلہا شگفت

اگر وضو حسبِ عادت بحالتِ غفلت کیا جائے اور اطاعتِ امرِ الٰہی وقربت الی اللہ کا خیال نہ ہو، تو اس سے ثواب مترتب نہیں ہوتا۔ اسی لئے وضو باسم اللہ مقرر ہوا، تا کہ نماز و نیاز وقربتِ الٰہی وانابت الی اللہ کا خیال دل میں پیدا ہو اور انسان حجابِ غفلت سے باہر آئے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لَا وَضُوْءَ لِمَنْ لَّمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ ۔ یعنی جس نے وضو کرنے میں خدا کا نام نہیں لیا، اس کا وضو نہیں ہوتا (ابن ماجہ)۔

وضو وغسل کے لئے پانی کی ایک معین مقدار مقرر ہونے کی حکمت

ترمذی شریف میں آیا ہے۔ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَوَضَّاءُ بِالْمُدِّ وَ يَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ ۔ یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام ایک مُدّ سے وضو اور ایک صاع سے غسل کیا کرتے تھے۔ (مُدّ بالضم دو رطل کے پیمانہ کو کہتے ہیں۔ اور رطل آدھ سیر کے وزن کے برابر ہے۔ پس مُدّ ایک

سیر ٹھہرا۔ اور صاع قریبا چار سیر کا وزن ہوتا ہے) اس میں یہ حکمت ہے کہ اگر وضو و غسل کے پانی کا کوئی تخمینہ نہ ہوتا، تو وہمی انسان کئی ڈول ایک ایک اندام پر بہا دیتے۔ اور اس بارے میں تاکید نہیں فرمائی تا کہ لوگ اس وزن سے اگر قدرے کم وبیش استعمال کر ڈالیں، تو عدم تعمیل سے گناہگار نہ ہوں۔ اور عمل کر کے دکھا دیا تا کہ لوگ اس اندازے سے بہت دور نہ جا پڑیں۔

جواب اس سوال کا کہ جبکہ منہ، ہاتھ، پاؤں کو تین تین بار دھویا جاتا ہے تو سر اور کانوں کا مسح کیوں تین تین بار مشروع نہ ہوا

دراصل جیسا کہ دیگر اندام وں کا دھونا تین تین بار مشروع ہوا ہے، ایسا ہی سر اور کانوں کا مسح بھی تین تین بار تھا۔ مگر بوجہ رفع حرج دو بار معاف اور ایک بار باقی رہا۔ چنانچہ مسند امام اعظمؒ مطبوعہ مجتبائی صفحہ ۲۱۹ اور ۲۸۰ میں ملاحظہ ہو۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ درحقیقت سر اور کانوں کو نہ دھونا اور ان کو مسح کرنا رفع حرج کے لئے مقرر ہوا تھا۔ اور اگر ان کے دھونے میں بھی تثلیث ہوتی، تو رفع حرج کی حکمت ضائع ہو جاتی۔ کیونکہ جس اندام پر تین بار تر ہاتھ پھیرے جائیں، وہ قریباً سارا تر ہو جاتا ہے۔ سخت سرد ممالک میں سر اور کانوں کو سردی سے بچانے کے لئے بڑا اہتمام کیا جاتا ہے۔ پس جن کو ایسے ممالک میں پانچ بار روزمرہ سر اور کانوں کو دھونا پڑتا، اس کے لئے یہ امر باعث ہلاکت اور تکلیف مالا یطاق تھا۔ یہی وجہ ہوئی کہ بطور احتیاط وحفظ ماتقدم سر و کانوں کا مسح ایک ایک بار مشروع ہوا۔

اعمال واحکام شریعت میں تقرری اعداد کی حکمت

ہر چیز کی تین حدیں مقرر ہیں۔ قلیل۔ وسط۔ کثیر۔ یعنی ابتدا۔ درمیان۔ انتہا۔ جمع قلیل کی ابتدا تین سے شروع ہو کر نو پر ختم ہو جاتی ہے۔ اور جمع کثیر کی ابتدا دس سے شروع ہو کر ہزار ہا تک چلی جاتی ہے۔ شریعت میں بعض اعمال ایسے ہیں کہ اگر جمع قلیل کی ابتدائی حد سے ان میں تجاوز کیا جائے، تو عامل کو اس سے یا تو ملالِ خاطر لاحق ہوتا یا وہ عمل ہی حکمتِ تشریع سے خارج ہو کر فاسد ہو جاتا ہے۔ اور تین بار کا فعل ان اعمال کے خاتمہ وتکمیل پر دال ہے اور خَیْرَ الاُمُوْرِ اَوْسَاطُھَا میں داخل ہے۔ وجہ یہ کہ تین کا عدد واحد وتثنیہ کی حد سے نکل کر جمع پر پہنچا ہے، جو تکمیل اعمال پر دال ہے۔ اسی حکمت پر مسح موزہ مسافر کے لئے تین دن رات کی حد ہوئی۔ اندام وضو کو تین بار دھونا ٹھہرا۔ رکوع و سجود میں تسبیح مسنونہ کی حد تین بار ہوئی۔ جس کی چار عورتیں ہوں، اس کو ہر عورت کے پاس بشرطِ صحتِ جانبین ہر تیسرے دن کے بعد شب باشی کا حکم ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔ اور بھی بہت اعمال ہیں، جن کی تکمیل تین پر آ کر ہوتی ہے۔

احکام الٰہی میں چار، جوکہ جمع قلیل کا دوسرا عدد ہے، نموو ترقی مدارج پر دال ہے۔ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواج کی تحدید کا عدد اپنے نبیؐ کی ازدواج کے عدد سے نصف یعنی چار مقرر ہونا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے فیوض کا دروازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے قیامت تک کھلا ہے۔ اس میں امت کو استفادہ روحانی کی امید دلائی گئی ہے۔ اگر امت ازدواج کی تحدید کا عدد تین مقرر ہوتا، تو یہ بات امت کی غیر متعدی پر دال نہ ہوتی، کیونکہ تین اعمال کے اختتام کی آخری حد ہے اور چار نموو ترقی کا ابتدائی عدد ہے، جو خیرات متعدیہ اور فیوضات جاریہ پر دال ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ امت بہترین امم ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواج کا آخری تحدیدی عدد نو تک پہنچنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وجلالت شان وبعد مرتبہ وآخری کمالات انسانی کے پہنچنے پر دال ہے۔ اور نیز اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے بعد ایسا کوئی شخص آنے والا نہیں ہے، جس کا مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فوق ہو، کیونکہ یہ عدد اس بات پر دال ہے کہ آپ تمام کمالات انسانی کے جامع اور خاتم الانبیاء تھے۔ اگر آپ کی ازدواج کا آخری تحدیدی عدد دس یا اس سے اوپر ہوتا، تو اس سے یہ حکمت امت کے لئے مفقود ہوتی۔ کیونکہ اعشار کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ امت محمدیہ کے لئے چار تک ازدواج منکوحہ مباح ہونے کی حکمتیں "اسرار شریعت" جلد دوم کتاب النکاح میں مذکور ہیں۔

وجہ تسمیہ ء وضو

چونکہ اس فعل سے انسان کو ظاہری اور باطنی پاکیزگی وصفائی حاصل ہوتی ہے، اس لئے اس فعل کا نام وضو ٹھہرا۔ لفظ وضو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے انسان کے لئے یہ فعل ایسے مہتمم بالشان امر کے لئے موضوع فرمایا ہے، جس میں دیگر احکام شریعت کی طرح انسان کی ظاہری خوبی و صفائی کے ساتھ باطنی پاکیزگی بھی ملحوظ ہے۔ کیونکہ احکام شریعت کے تحت میں اس کے لئے بڑی بڑی خوبیاں اور اسرار رکھے ہیں، جن کے ظواہر سے ان کے بواطن وحقیقت کی طرف اس کو مختلف پیرایوں میں توجہ دلائی گئی اور ان کو آگاہ کیا گیا ہے۔

شریعت کا خطاب انسان کے ظاہر و باطن دونوں کے لئے ہے

اے عزیز من! شریعت اسلام کا خطاب انسان کے ظاہر و باطن دونوں پر وارد ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس کے باطن کو چھوڑ کر صرف ظاہر کو ہی مخصوص نہیں فرمایا، بلکہ اس میں اس کا باطن بھی شامل ہے۔

اکثر لوگ ظاہری احکام شریعت کی معرفت حاصل کرنے میں مشغول رہتے ہیں، باطن سے غافل رہتے ہیں۔ اور بہت تھوڑے ہیں، جن کو ظاہر و باطن دونوں پر نظر ہوا اور وہ طائفہ قلیل اہل اللہ ہیں، جنہوں نے ہر ایک حکم شریعت کے لئے ظاہر و باطن ہر دو کے لئے توجہ بلیغ مبذول فرمائی ہے۔ اور اس بارہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی تاکید آئی ہے۔

وضو کی ابتدا بدن کے بالائی حصہ سے مشروع ہونے

اور جسم کے نچلے حصہ سے شروع نہ ہونے کا راز

ا۔ وضو جسم کے بالائی حصہ سے مشروع ہوا، تاکہ بخارات دماغ سے نیچے اتر آویں اور اس کے برعکس نہ ہو۔ کیونکہ اس سے بخارات ردّیہ دماغ کو صعود کر کے دوران سر اور صداع کا باعث ہوتے۔

۲۔ صدورِ اعمال جسم کے بالائی حصہ سے شروع ہوتا ہے۔ اسی وفق پر وضو ہوا۔

دائیں طرف کا بائیں سے افضل ہونے کی وجہ

ا۔ دائیں طرف کے اعضا ہاتھ پاؤں بہ نسبت بائیں کے معصیت الٰہی میں مقدم ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کو معصیت سے توبہ کرانے اور پاک کرنے میں مقدم کیا گیا۔

۲۔ خیر و برکت ساری کی ساری دائیں طرف سے ہے۔ جہنم بائیں طرف سے ہے۔ اور جبرئیل علیہ السلام رسول علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس ہمیشہ دائیں طرف سے آیا کرتے تھے۔ شہداء کی روحوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دائیں طرف سے دیکھا کرتے تھے۔ ان کو مرنے کے بعد بدر اور اُحد وغیرہ مقامات میں دائیں طرف سے دیکھا کہ وہ سب گھوڑوں پر سوار ہو کر جہاد کو جا رہے ہیں۔ عرش دائیں طرف سے اور زمین بائیں طرف سے ہے۔ اور وہ زمین جس میں بنی آدم کے مومن ہیں، وہ دائیں طرف سے ہے اور جس میں جن ہیں، وہ بائیں طرف سے ہے۔ دائیں طرف کی رگیں سب کی سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس پڑھتی ہیں اور جو بائیں طرف ہیں، وہ سب خاموش ہیں۔ نور حق دائیں طرف سے دکھائی دیتا ہے اور باطل بائیں طرف سے ہے۔ المختصر خیر و برکت ساری کی ساری دائیں طرف سے ہے اور شر و بدی ساری کی ساری بائیں طرف سے ہے۔ دائیں طرف سے مراد یہ ہے کہ وہ مفتوح علیہ کی نسبت سے ہے کہ وہ ساری خیر دائیں طرف سے دیکھتا ہے اور ہر شر بائیں طرف سے دیکھتا ہے۔ اور جب وہ رخ پھیرتا ہے تو یہ امر بھی پھر جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر اس کو ہم مشرق کی طرف متوجہ دیکھیں، تو وہ اپنے دائیں طرف سے، جو کہ جنوب ہے، سب خیر و بہشت اور عرش اور شہداء کے ارواح کو دیکھتا ہے اور

اپنی بائیں طرف سے دوزخ اور شیاطین اور اشقیاء کے ارواح کو دیکھتا ہے۔ اور اگر وہ مغرب کی طرف رخ پھیرے، تو اس کی دائیں طرف شمال کی طرف اور اس کا شمال جنوب کی طرف ہو جاتا ہے۔ پس وہ اپنی دائیں طرف سے ساری خیرات سابقہ اور اپنے شمال کی طرف سے، جو کہ جانب جنوب ہے، سارے شرور سابقہ کو دیکھتا ہے۔ اور اس طرح جب وہ دوسری طرف رخ پھیرتا ہے، تو یہ حال بھی پھر جاتا ہے۔

عارف کے لئے دو آئینے ہوتے ہیں اور وہ ان دونوں کے ساتھ دیکھتا ہے کہ ایک نورانی ہے، جس کے ساتھ وہ نور دیکھتا ہے۔ اور دوسرا ظلمانی ہے، جس کے ساتھ اندھیرا دیکھتا ہے۔ پس نورانی اس کے دائیں طرف ہوتا ہے اور وہ اس کے ایمان باللہ اور نیکیوں کا نور ہوتا ہے۔ اور تاریکی اس کے بائیں ہوتی ہے۔ اور وہ نفس کی ناپاک خواہشات کا اندھیرا ہوتا ہے۔ پس جب وہ دائیں طرف دیکھتا ہے، تو اس کو اپنی ہر ایک خیر کا نور دکھائی دیتا ہے اور جب بائیں طرف دیکھتا ہے، تو اس کو نفس کی گری ہوئی تاریک خواہشات اور باطل دکھائی دیتا ہے۔

۳۔ وضو کو ہر دائیں عضو سے شروع کرنا اس واسطے ٹھہرا ہے کہ دائیں عضو کو بائیں عضو پر فضیلت ہے اور فضیلت کا کام پہلے فضیلت والے کو ہی دیا جاتا ہے ۔" کہ دارد فضیلت یمیں بر یسار"۔ لہٰذا جو چیزیں دونوں جانب مستعمل ہیں، ان میں تو دائیں عضو کو مقدم رکھا اور جو ایک جانب مستعمل ہو سکتی ہیں، بشرطیکہ وہ محاسن اور طیبات کی قسم سے ہوں، ان کے ساتھ دائیں طرف کو خاص کرنا مناسب ہے۔ یہی قانون خدا تعالیٰ کے ہاں جاری ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے۔ **وَيُؤْتِ كُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَه**۔ یعنی خدا تعالیٰ فضیلت والی چیز کو اس کی فضیلت عطا کرتا ہے۔

۴۔ جس کو مرتبہ عدالت و اعتدال کی ورزش مقصود ہوتی ہے، وہ ہر چیز کو اس کا حق ادا کرتا ہے۔ کھانے اور پینے اور پاکیزہ چیزوں کے لئے دائیں ہاتھ کو اور نجاست دور کرنے کے لئے بائیں کو خاص کرتا ہے۔ ابن ماجہ میں لکھا ہے۔ **عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُحِبُّ التَّيَمُّنَ فِي الطُّهُوْرِ وَ تَرَجُّلِهٖ اِذَا تَرَجَّلَ وَ فِي اِنْتِعَالِهٖ اِذَا اِنْتَعَلَ** ۔ ترجمہ۔ یعنی حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام دائیں طرف سے وضو شروع کرنا اور پاپوش پہننا پسند فرماتے تھے۔ شارح ہندی نے بھی ان امور کی وجہ فضیلت و شرافت ہی بیان کی ہے۔

۵۔ جب کہ یہ بات مسلم ہو چکی ہے کہ انسان کے ہر فعلِ درست و نادرست اور ہر اندامِ راست اور چپ کے کام کا اثر انسان ہی کے دل پر پڑتا ہے، تو واضح ہوا کہ جس فعل کو اپنی مناسبت و حق سے پھیر کر غیر مناسب کیا جائے، اسکا اثر بھی غیر مناسب ہی ظاہر ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ دستِ راست سے استنجا

کرنا، ناک جھاڑنا و دستِ چپ سے بغیر عذر کے کھانا پینا موجب غموم وہموم و باعث قساوتِ قلب ہے۔

وضو میں کہنیوں تک ہاتھ دھونے کا راز

۱۔ وضو میں ہاتھ کو کہنیوں تک دھونا حکم الٰہی کی تعمیل ہے۔ اور حکم الٰہی انسان ہی کے فائدہ کے واسطے ہے۔ چنانچہ ہم اس بات کا ذکر احکام کے اوصاف مؤثرہ میں کر چکے ہیں۔

۲۔ اکثر ممالک میں کہنیوں تک لوگوں کے ہاتھ ننگے رہتے ہیں اور ان پر گرد و غبار و اجرام امراض پڑتے رہتے ہیں۔ لہٰذا ننگے رہنے والے اندام کو دھونے کا امر ہوا، تاکہ گرد و غبار و اجرام امراض اتر جائیں۔ اور یہ نہیں کہا کہ جن کے ہاتھ ڈہانکے ہوں، وہ نہ دھویا کریں۔ کیونکہ اس سبب سے بہت لوگ تساہل و کسالت پیدا کر لیتے اور حیلوں بہانوں سے ان کے ہاتھوں کے دھونے کی نوبت ہی نہ آتی۔ اس لئے حکم بالعموم ہوا۔

۳۔ تقویت و تصفیہ خونِ دل و جگر کے لئے ہاتھوں کا دھونا مفید ہے۔ چنانچہ حاذق اطباء پر یہ امر مخفی نہیں ہے۔ اور یہ امر جب ہی بوجہ احسن حاصل ہوتا ہے کہ ہاتھوں کی وہ تمام رگیں، جو بواسطہ اور بغیر واسطہ دل و جگر کو پہنچتی ہیں، دھونے میں شامل ہو جائیں۔ لہٰذا وہ رگیں کچھ ہاتھوں کی انگلیوں سے اور کچھ کفِ دست و ساعد سے اور کچھ کہنیوں سے شروع ہوتی ہیں، جو دل و جگر کو پہنچتی ہیں۔ اسی وجہ سے کہنیوں تک ہاتھوں و منہ کا دھونا مقرر ہوا، تاکہ تمام رگیں دھونے میں داخل ہو جائیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ہاتھوں و منہ کو دھونے سے دل و جگر کو تقویت پہنچتی ہے اور پانی کا اثر رگوں کے ذریعہ اندر جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں وَ اَیۡدِیَکُمۡ اِلَی الۡمَرَافِقِ آیا ہے۔ یعنے وضو میں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوو۔ تو جو لوگ فن سرجری و جراحی میں ماہر ہیں وہ اس بات سے خوب واقف ہیں کہ اکحل رگ، جس کا دوسرا نام ہفت اندام اور تیسرا اشہر البدن ہے، جب کبھی دل و جگر و جلدی بیماریوں کے رفع کرنے و تصفیہ خون کے لئے اس رگ کا خون نکالنا تجویز کرتے ہیں، تو کہنی کے برابر سے ہی اس رگ پر نشتر لگا کر خون نکالا کرتے ہیں۔ کیونکہ اس جگہ میں یہ رگ ظاہر و باہر ہوتی ہے۔ ماسوا دل و جگر کے اس کا اثر سارے بدن پر حاوی ہے۔ پس ہاتھوں کا دھونا کہنیوں تک اس لئے مقرر ہوا کہ شہر البدن کے ذریعہ پانی کا اثر پورا پورا اندر چلا جائے۔

۴۔ جب کہ وضو میں اصل اطراف بدن کا دھونا مقرر ہے، تو ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا اس لئے ٹھہرا کہ اس سے کم کا اثر نفس انسانی پر کچھ محسوس نہیں ہوتا، کیونکہ کہنی سے کم عضو نا تمام ہے۔

وضو میں کانوں وسر کو دھونا مقرر نہ ہونے کی وجہ

۱۔ وضو میں کانوں وسر کے واسطے صرف مسح مقرر رہوا، کیونکہ ان کا دھونا خالی از دِقت نہ تھا۔

۲۔ تصفیہ خون وتقویت اعضائے رئیسہ وبدن کیلئے منہ، ہاتھوں، پاؤں کا دھونا کافی تھا اور بغرض آ گاہی توبہ وانابت کانوں وسر کے مسح پر ہی اکتفا کیا گیا۔ سرد ممالک میں اگر پانچ بار سر اور کانوں کو دھونا پڑتا، تو جلدی سرسام ہو کر ہلاکت کی نوبت پہنچتی۔ اسلئے خدا نے عام طور پر انکے لئے مسح کا حکم فرمایا۔

حکمت مسح سر ووجہ تسمیہ راس

سر کو عربی میں راس کہتے ہیں۔ راس ریاست سے ماخوذ ہے، جس کے معنے علو، اونچائی اور بلندی کے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ رئیس القوم۔ یعنی وہ شخص جس کو قوم پر ریاست وسرداری حاصل ہو۔

۱۔ چونکہ سر بدن کا اعلیٰ حصّہ اور باقی سارا بدن اس کے نیچے ہوتا ہے، اس لئے اس کا نام عربی میں راس مقرر رہوا۔ خدا تعالیٰ نے اپنی صفت کو شرف کی وجہ سے فوقیت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ یَخَافُوْنَ رَبَّھُمْ مِنْ فَوْقِھِمْ ۔ یعنی وہ اس لئے ڈرتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کے حکم کے تحت میں ہیں۔ اور دوسری جگہ فرمایا وَ ھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ ۔ یعنی خدا تعالےٰ اپنے بندوں پر غالب ہے۔ پس فوقیت کی جہت سے بدن میں سر کو خدا سے زیادہ قرب ہے۔

۲۔ علاوہ ازیں سر کو ایک وجہ سے سارے اجزائے بدن پر ایک اور شرف بھی حاصل ہے۔ وہ یہ ہے کہ سر سارے قویٰ محسوسہ ومعقولہ معنویہ کا جامع وحامل ہے۔ پس چونکہ سر کو یہ ریاست بھی حاصل ہے، اس جہت سے بھی سر کو راس کہتے ہیں۔

پھر عقل، جو انسان میں خدا تعالےٰ نے بزرگ ترین جوہر پیدا کیا ہے، اس کا محل اعلیٰ سر کے بیچ تالو میں بنایا ہے اور تالو سر میں سب سے اونچے مقام میں ہے۔

چونکہ سر سارے قوائے ظاہری اور باطنی کا محل ہے اور ہر قوت کو ایک حکم اور غلبہ اور فخر ہے، جس سے انسان کے لئے غیروں پر عزت پیدا ہوتی ہے، جیسا کہ بادشاہ کے محل کو بازار کے سارے گھروں پر عزت ہوتی ہے اور خدا تعالےٰ نے اِن قویٰ کے مقام سر کی مختلف جگہوں، چوٹی میں اور درمیان میں اور پیشانی میں اور پیچھے میں، رکھے ہیں اور ہم جیسا کہ ذکر کر چکے ہیں ہر قوت کو فی نفسہا غلبہ وشوکت و بڑائی اور ریاست حاصل ہے۔ لہٰذا واجب ہے کہ سارے کا مسح کیا جائے اور اس مسح میں ان قویٰ کے غرور و کبر کو چھوڑنے اور رجوع الی اللہ کی طرف ایما ہے۔ (فتوحات مکیّہ)

وضو میں ناک کو صاف کرنے کی حکمت

ا۔ ہر مذہب وملت کے لوگ ناک کی بلغمی رطوبتوں کو رفع کرنا پسندیدہ نظر سے دیکھتے ہیں۔ اگر ناک کو اندر سے نہ دھویا جائے تو ناک کی منجمدہ بلغم سے دماغ میں برا اثر پہنچتا ہے، جو بسا اوقات باعث ہلاکت ہوتا ہے۔

۲۔ اہل عرب کے عرف میں ناک کو عزت اور بڑائی کے محل پر استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ کسی کے لئے بددعا کرتے ہیں تو کہتے اَرْغَمَ اللّٰہُ اَنْفَہٗ ۔ یعنی خدا تعالےٰ اس کے ناک کو خاک آلودہ کرے۔ رغام خاک کو کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا اس کو عزت و بڑائی کے مقام سے ذلت میں گرائے۔ پس ناک کو دھونا اپنے کبروغرور کو چھوڑنے اور خدا تعالیٰ کی درگاہ میں اپنی کسر نفسی دکھانے کی طرف ایما ہے۔ (فتوحات مکیّہ)

وضو میں پاؤں کو ٹخنوں تک دھونے کا راز

ا۔ پاؤں کو ٹخنوں تک دھونے میں یہ راز ہے کہ وہ رگیں جو پاؤں سے دماغ کو پہنچتی ہیں، وہ کچھ پاؤں کی انگلیوں سے اور کچھ ٹخنوں سے شروع ہوتی ہیں۔ اوران سب کو دھونے میں شامل کر لینے سے دماغ کے بخارات ردّیہ بجھ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاؤں کا دھونا ٹخنوں تک وضو میں امر ہوا۔ وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ۔ یعنی پاؤں کو ٹخنوں تک دھولو۔

۲۔ چونکہ پاؤں اکثر ٹخنوں تک ننگے رہتے ہیں اوران پر اجرام موذیہ وگرد وغبار پڑتی رہتی ہے۔ لہٰذا پاؤں کا ٹخنوں تک دھونے کا امر ہوا۔

۳۔ پاؤں کا ٹخنوں تک دھونے میں یہ راز بھی ہے کہ اس سے کم ناتمام عضو ہے۔ لہٰذا سارے عضو کا دھونا مقرر ہوا۔ تا کہ اس دھونے کا اثر بالاستیعاب ہو۔

بحالت عدم موزہ وضو میں پاؤں کو دھونے کا راز

پاؤں کا ظاہر حال اس امر کا مقتضی ہے کہ جب پاؤں پر موزے نہ پہنے ہوئے ہوں، تو اس کو وضو میں دھونا ہی لازم ہے۔ کیونکہ ننگے پاؤں پر گرد وغبار واجرام مرض پڑتے وجمتے رہتے ہیں۔ اس لئے بحالت برہنگی ان کا دھونا ہی فرض ہے۔ ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں کہ اطراف بدن کے اندامو ں کے دھونے کا امر اس لئے بھی ہوا کہ جسم کے اندرونی حصہ کے زہریلے مواد خارج ہو کر ان میں جمع ہوتے رہتے ہیں اوران کی سمیّت جوش مار کر خطرناک امراض کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور دھونے سے جوش

سمیّت دھیما پڑ جاتا ہے یا کہ از راہِ مسامات خارج ہو جاتا ہے۔اور جب ننگے اطراف بدن کو دھویا نہیں جاتا،تو گرد وغبار پڑنے سے مسامات بند ہو جاتے ہیں اور مسامات کے بند ہونے سے زہریلے مواد پھر اندر کی طرف جا کر موجب ایذا و دکھ و درد ہوتے ہیں۔ پاؤں پر مدامی مسح موزہ یا پاؤں پر محض تھوڑے سے پانی سے مسح کرنے میں یہ امر حاصل نہ ہوتا۔یہی وجہ ہے کہ مسح موزہ کی انتہائی مدت تین دن رات سے زیادہ مقرر نہیں ہوئی۔ بلکہ موزہ پر مسح کرنے والے مقیم کو ہر ایک دن ورات کے بعد اور مسافر کو ہر تین دن ورات کے بعد دھونے کا امر ہوا۔ کیونکہ محض مسح صرف توبہ وا نابت کی طرف توجہ دلاتا ہے۔اور دھونے میں تقویت دماغ اور صفائی جلد و مسامات کا کھلنا بھی مقصود ہے۔پس اگر پاؤں پر صرف مسح ہی ہوتا،تو باقی جو اہم مقصود ہیں وہ حاصل نہ ہوتے۔ جولوگ پاؤں پر مسح قرار دیتے ہیں، یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ کیونکہ جن اندامون پر قرآن کریم میں مسح کا امر ہوا،ان کی حدِ مسح مقرر نہیں ہوئی۔اور مغسول اندامون کے لئے خدا تعالےٰ نے حدّ مقرر فرمادی ہے۔اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ رؤس والی ب کا جر ارجل پر ہے،لہٰذا پاؤں پر مسح ہی کرنا چاہیئے ، یہ بات صحیح نہیں ہے۔ بلکہ ارجل کو زبر سے ہی پڑھنا صحیح ہے۔ ارجل کا عطف رؤس پر نہیں آسکتا۔ارجل کا عامل فَاغْسِلُوْا ہے۔کیونکہ محقق نحویوں کے نزدیک یہ بات ثابت و مسلّم ہے کہ جہاں عطف اور التباس ہو اور معطوف و معطوف علیہ ہوں اور معطوف کے دو عامل بن سکیں اور یہ شک ہو کہ دونوں عاملوں سے معطوف پر کس کا عمل ہے،تو اس جگہ قاعدہ جر الجوار جاری نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ شرح مائۃ عبدالرسول میں صاف لکھا ہے کہ معطوف و معطوف علیہ میں ایسی جگہ جر الجوار کا قاعدہ جاری نہیں ہوسکتا، بلکہ جہاں متکلم کے مقصود کے غلط ملط ہو جانے کا اندیشہ ہو وہاں بالکل منع ہے۔اگر ارجل کو مجرور کرنا ہوتا،تو خدا تعالے 'ارجل پر بائے جارہ کا اعادہ فرماتا۔

اب ہم بطور خلاصہ لکھتے ہیں کہ پاؤں کے دھونے پر ہمارے پاس چار دلائل قویّہ ہیں۔ایک یہ کہ اگر پاؤں پر عنداللہ مسح کرنا مقرر ہوتا،تو ارجل کے ساتھ کعبین کی حد بیان نہ ہوتی۔جیسا کہ خدا نے دیگر اندامہائے مغسولہ کی حد بیان فرمادی۔اور چہرہ کے دھونے کی حد بیان نہیں فرمائی۔ کیونکہ چہرہ ایک ایسا اندام ہے جو ظاہر و باہر ہے۔اور اس میں کسی دوسرے اندام قریبی کے قریب ہونے سے التباس نہیں ہوسکتا،۔مگر پاؤں و ہاتھوں میں التباس تھا، اس لئے حد بیان فرمادی۔ دوسری دلیل پاؤں کے دھونے کی یہ ہے کہ ارجل کا عامل فَاغْسِلُوْا ہے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔تیسری دلیل وہ ہے جو پاؤں کے طبعی افعال پر دال ہے،جس کی فلاسفی ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ چوتھی دلیل احادیث نبویہ و

تواریخ صحیحہ متواترہ کے ذریعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام سے پاؤں کا دھونا ہی ثابت ہے۔

طہارت معنوی پر عام نظر

اخلاق فاسدہ واوہام باطلہ سے پاک رہنے کا سبق سکھانا اسلام کا خاصہ ہے۔ کیونکہ اوہام باطلہ و اعمال واخلاق فاسدہ نفس انسانی کو ایسے گندہ کرنے والے ہیں، جیسے گندگی جسم کو، جو غلاظتوں ونجاستوں سے ناپاک ہو جاتا ہے۔ اس لئے اسلام نے ان سب سے پاک وصاف ہونے کا امر فرمایا۔ طہارت معنوی یہ ہے کہ شہوت بیجا وحرص نفسانی کی آلودگی اور رؤیت نفس سے پاک وصاف ہو کر عبادت الٰہی کے لئے تیار ہو۔ اس حکم الٰہی میں تمام لوگوں کے ساتھ شامل ہونے سے انسان کو اپنے اور دوسرے کے درمیان مساوات و برابری حقوق کا پتا ملتا ہے۔ خواہ کوئی چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔ کسی کی حق تلفی نہ کرنا طہارت معنوی میں داخل ہے۔

طہارت دست۔ حسب فرمودہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم طہارت زردۂ ایمان ہے۔ مومن کو لازم ہے کہ طہارت کے معانی مقصودہ و مراد مطلوبہ کو سمجھ کر اس کی عظمت شان کا حق بجالائے۔ ہاتھوں کو کسی ایسی حرام چیز کو پکڑنے و لینے سے پاک وصاف وطاہر رکھے، جس میں حکم الٰہی کی مخالفت ہو۔ ناحق کسی کو نہ مارے، نہ کسی کا مال چھینے، نہ کسی کو ضرر دینے کے لئے دست درازی کرے۔ چنانچہ ایک حدیث شریف میں اسی طرف ایما ہے۔ **اَلْـمُسْـلِـمُ مَنْ سَلَّمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَ يَدِهٖ**۔ ترجمہ۔ یعنی مسلمان وہ ہے، جس کی زبان وہاتھ سے مسلمان سلامتی میں رہیں۔

طہارت منہ۔ جب منہ کو صاف کرنے کے لئے منہ میں پانی ڈالے، تو اس وقت حرام چیزوں کے کھانے پینے اور حرام باتیں منہ سے نکالنے کی طہارت کو ملحوظ رکھے، یعنی ایسے اقوال کو منہ سے نکالنے اور ایسی اشیاء کو کھانے سے اپنے منہ سے نفی کرنے کے لئے مستعد رہے، تا کہ ایسا نہ ہو کہ اس کا منہ روحانی نجاست سے آلودہ ہو کر مستحق لعنت بنے۔ اور ایسی چیزوں کے کھانے پینے اور ایسے اقوال منہ سے نکالنے کے لئے تیار رہے، جن سے اس کو خدا تعالےٰ کی طرف سے ثواب ملے اور لوگوں میں مستحق صفت وثنا ہو۔

طہارت ناک۔ جب ناک کو پاک کرنے کے لئے ناک میں پانی ڈالے، تو خیر و بھلائی کی خوشبو سونگھنے کے لئے آمادہ ہو اور بدی اور شرارت کی بو کو چھینک دے۔ طہارت ناک کے وقت ننگ وخود بینی سے پاک رہنے پر غور کرے، کیونکہ ننگ وخود بینی وعار ایسے امور ہیں، جن سے انسان میں اپنے ہی بنی نوع پر بلندی اور بڑائی چاہنے اور نافرمانی الٰہی کا خیال و مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔

طہارت چہرہ۔ اپنا چہرہ دھونے کے وقت ماسوائے الٰہی سے اپنی تمام امیدیں اور توجہات اور ایسے اعمال بجالانے سے منقطع کردے، جن کا رخ ورجوع خدا تعالیٰ کی طرف نہ ہو۔ اور اپنے منہ پر آب شرم ڈالے اور بے شرمی سے پردۂ شرم کو خدا تعالیٰ اور لوگوں کے آگے سے نہ اٹھائے اور اپنی آبرو کو غیر اللہ کے لئے صرف نہ کرے۔

طہارت گردن۔ مسح گردن کے وقت حرص و ہوائے نفسانی سے اپنی گردن کو چھڑانے اور خدا تعالےٰ کے احکام کی فرمانبرداری و اطاعت کا حق ادا کرنے اور گردن کشی کا خیال چھوڑنے پر آمادہ ہو، تاکہ ان اشیاء کے حلقہ اطاعت سے اپنی گردن چھوڑا کر آزاد ہو جائے، جو حضور الٰہی سے مانع ہیں حدیث نبوی میں آیا ہے۔ **تَعِسَ عَبْدُ الدِّرْهَمَ تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ تَعِسَ عَبْدُ الزَّوْجَةِ تَعِسَ عَبْدُ الْقَطِيفَةِ** ۔ ترجمہ۔ ہلاک و بد بخت ہوا درہموں اور دیناروں کا غلام، ہلاک و بد بخت ہوا بیوی کا غلام۔ ہلاک و بد بخت ہوا چادر کا بندہ۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جس انسان پر حرص و ہوائے نفسانی غالب ہو، وہ لوگوں میں سے کسی کا سچا دوست نہیں بن سکتا۔ بلکہ وہ مدام زیادہ طلبی کا غلام ہے۔ جہاں اس کو زیادہ مال مل جائے، وہاں ہی اس کا دل ہوگا۔ ایسا شخص حقوق کا تلف کرنے والا اور وعدہ شکن و خائن و غلامِ زن و چادر و بندۂ حرص و ہوا ہوتا ہے، اس کا ہر کام حرص پر مبنی ہوتا ہے نہ خدا کے لئے۔ بباعث حرص و ہوا میزان عدالت سے اس کا رخ پھرا ہوا ہوتا ہے، کیونکہ نفسانی حرص کا طوق اس کی گردن میں ہوتا ہے۔

طہارت پشت۔ پیٹھ دھونے کے وقت تکیہ ماسوائے الٰہی اور کسی حق گو و عادل کی غیبت کرنے سے دست برداری کو مدنظر رکھے۔

طہارت سینہ۔ سینہ دھونے کے وقت اپنے سینہ سے مخلوق الٰہی کے ساتھ کینہ کرنے اور ان کو دھوکا دینے کے خیالات کو نکال ڈالے۔ اور مختلف خیالات و مشارب و مذاہب والے لوگوں کے لئے نیک نیت رکھنے اور ان کو فائدہ پہنچانے کا ارادہ کرے۔ اور بغیر حق صدر نشین ہونے اور باوجود جہالت عالم ہونے کے دعویٰ کو سینہ سے پاک کر ڈالے۔

كُنْ عَالِمًا وَ ارْضِ بِصَفِّ النَّعَال ۔۔۔ لَاتَطْلُبُ الصَّدْرَ بِغَيْرِ الْكَمَال

فَاِنْ تَصَدَّرْتَ بِلَا آلَةٍ ۔۔۔ يَكُوْن ذَاكَ الصَّدْرُ صَفَّ النَّعَالِ

ترجمہ۔ عالم ہو کر جوتیوں کی صف میں بیٹھنے یعنی تحت نشین ہونے میں راضی ہوا اور بغیر کمال صدر نشینی نہ طلب کر۔ اگر تو بغیر حصول کمال صدر نشین ہوگا، تو تیری یہ صدر نشینی جوتیوں کی صف میں بیٹھنے کی مثال ہوگی۔

طہارت شکم ۔ اپنا شکم دھونے کے وقت اشیاء حرام ومشتبہ کھانے و پینے سے طہارت شکم کو مد نظر رکھ کر ایسی نجاستوں سے اپنے شکم کو پاک رکھے۔

طہارت شرمگاہ وران ۔ شرمگاہ وران دھونے کے وقت تمام امور ممنوعہ کے لئے بیٹھنے و اٹھنے سے اپنے آپ کو بچائے۔

طہارت قدم ۔ پاؤں دھونے کے وقت حرص وہوائے نفسانی کے لئے چلنے اور ایسے امور کی طرف قدم زنی کرنے سے اپنے قدموں کو بچائے، جو اس کے دین میں مضر ہوں اور جن سے کسی مخلوق الٰہی کو ضرر پہنچے۔

خدارا بر آں بندہ بخشائشے است کہ خلق از وجودش در آسائشے است

وضو کی فلاسفی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ میں

صحیح مسلم میں عمرو بن عبسہ راوی ہے۔ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ حَدِّثْنِی عَنِ الْوَضُوْءِ قَالَ مَا مِنْکُمْ رَجُلٍ یَقْرُبُ وَضُوْءَہٗ فَیَتَمَضْمَضُ وَ یَسْتَنْشِقُ فَیَنْشُر اِلَّا خَرَجَتْ خَطَایَا وَجْھِہٖ مِنْ اَطْرَافِ لِحْیَتِہٖ مِنَ الْمَاءِ ثُمَّ یَغْسِلُ یَدَیْہِ اِلَی الْمِرْفَقَیْنِ اِلَّا خَرَجَتْ خَطَایَا یَدَیْہِ مِنْ اَنَامِلِہٖ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ یَمْسَحُ رَاْسِہٖ اِلَّا خَرَّتْ خَطَایَا رَاسِہٖ مِنْ اَطْرَافِ شَعْرِہٖ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ یَغْسِلَ قَدَمَیْہِ اِلَی الْکَعْبَیْنِ اِلَّا خَرَّجَتْ خَطَایَا رِجْلِہٖ مِنْ اَنَامِلِہٖ مَعَ الْمَاءِ فَاِذَا ھُوَ قَامَ فَصَلّٰی فَحَمِدَ اللّٰہَ وَ اَثْنٰی عَلَیْہِ وَ مَجَدَہٗ بِالَّذِیْ ھُوَ اَھْلَہٗ اَوْ ھُوَ لَہٗ اَھْلٌ وَ فَرَغَ قَلْبَہٗ لِلّٰہِ اِلَّا اِنْصَرَفَ مِنْ خَطِیْئَتِہٖ کَھَیْئَۃِ یَوْمِ وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ ۔ ترجمہ۔ عمرو بن عبسہ کہتا ہے۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو کرنے کی وجہ پوچھی۔ تو فرمایا۔ وضو اندا موں کے گناہ جھاڑنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس اجمال کی تفصیل یوں فرمائی کہ جو شخص تم میں سے بارادۂ وضو پانی کے پاس جا کر کلّی کرتا اور ناک میں پانی ڈال کر اس کو جھاڑتا ہے، تو جبڑوں کے اطراف سے اس کے منہ کے گناہ پانی سے جھڑ جاتے ہیں۔ پھر جب کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کو دھوتا ہے، تو اس کے ہاتھوں کے گناہ پانی کے ساتھ انگلیوں کے سروں سے جھڑ جاتے ہیں۔ پھر جب اپنے سر کو مسح کرتا ہے، تو اس کے سر کے گناہ بالوں کے سروں سے جھڑ جاتے ہیں۔ پھر جب دونوں پاؤں کو ٹخنوں تک دھوتا ہے، تو پانی کے ساتھ اس کے پاؤں کے گناہ انگلیوں کے سروں سے نکل جاتے ہیں۔ پس جب وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھتا اور خدا تعالیٰ کی کما حقہٗ صفت وثنا اور اس کی بزرگی بیان کرتا ہے اور دل کو محض خدا کے لئے خالی کرتا ہے، تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے، جیسا اپنی والدہ کے شکم سے جننے کے وقت پاک پیدا ہوا تھا۔

اس مطلب کوعلامہ ابن قیم جوزیؒ ذیل کے الفاظ میں ظاہر فرماتے ہیں

هٰذِهِ الْاَعْضَاءُ هِیَ اٰلاتُ الْاَفْعَالُ اَلَّتِیْ یُبَاشِرُبِهَا الْعَبْدُ مَا یُرِیْدُ فِعْلَه' وَ بِهَا یَعْصِیَ اللّٰہَ سُبْحَانَه' وَ یُطِیْعُ فَالْیَدَ تَبْطِش وَالرِّجْلُ تَمْشِیْ وَ الْعَیْنُ تَنْظُرُ وَالْاُذُنُ تَسْمَعُ وَاللِّسَانُ یَتَکَلَّمُ فِیْ غَسْلِ هٰذِهِ الْاَعْضَاءِ اِمْتِثَالاً لِاَمْرِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَ اِقَامَةً لِعُبُوْدِیَّتِهٖ مَا یَقْتَضِیْ اِزَالَةَ مَا تَحْتَهَا مِنْ دُوْنِ الْمَعْصِیَّةِ وَوَسْخِهَا ۔ترجمہ۔یہ اندام ان فعلوں کے ذریعے اورآلات ہیں، جن کو انسان کرنے کا ارادہ کرتا ہے اوراپنے دلی ارادہ کا اظہاران کے ساتھ کرتا اورانہی کے ساتھ خدا تعالےٰ کی نافرمانی کا مرتکب ومطیع ہوتا ہے۔ہاتھ پکڑتے اور پاؤں چلتے اورآنکھیں دیکھتیں اورکان سنتے اورزبان بات کرتی ہے۔پس ان اعضا کے دھونے میں حکم الٰہی کی اطاعت ہےاوران اندا موں سے اس کی اطاعت وعبادت کا بجالانا اس امر کا مقتضی ہے کہ پہلے ان سے الٰہی نافرمانی اور باطنی پلیدی ومیل دھوئی جائے۔

طہارت صغریٰ وکبریٰ کی فلاسفی حضرت محی الدین ابن عربی المعروف شیخ اکبرؒ کے الفاظ میں

تَبَصَّرَ تَجِدُ سِرَّ الطَّهَارَةِ وَاضِحاً ۔۔۔ یَسُیُراً عَلٰی اَهْلِ التَّیَقُّظِ وَالذُّکَا

فَکَمْ طَاهِرٍ لَمْ یَتَّصِف بِطَهَارَةٍ ۔۔۔ اِذَا جَانَبَ الْبَحْرَ اللَّدُنِّی وَ احْتَمیٰ

وَلَوْغَاصَ فِی الْبَحْرِ الْاُجَاجِ حَیَاتَه' ۔۔۔ وَ لَمْ یَغْنِ عَنْ بَحْرِ الْحَقِیْقَةِ مَا ذَکَاً

وَ اِنْ غَسَلَ الْکَفَّیْنِ وَتْراً وَ لَمْ یَزِل ۔۔۔ بَخِیْلاً بِمَا یَهْوِیْ عَلٰی فِطْرَةِ الْاُوْلی

فَمَا غُسِلَتْ کَفٌ خَضِیْبٌ وَ مَعْصَمٌ ۔۔۔ اِذَا لَمْ یَلِحْ سَیْفُ التَّوَکُّلِ مُنْتَضیٰ

اِذَا صَحَّ غَسْلُ الْوَجْهِ صَحَّ حَیَاؤه' ۔۔۔ وَ صَحَّ لَه' رَفْعَ السَّتُوْرِ مَتیٰ یَشَا

وَ اِنْ لَمْ یَرَالْکُرْسِیِّ فِیْ غَسْلِ رِجْلِه ۔۔۔ تَنَاقَضَ مَعْنَی الطُّهرِ لِلَّحِیْنَ وَ انْتَفیٰ

اِذَا مَضْمَضَ الْاِنْسَانُ فَاهُ وَ لَمْ یَکُنْ ۔۔۔ بَرِیْئًا مِنَ الدَّعْوٰی وَفِیًّا بِمَا ادَّعیٰ

صَمَا خَـاهُ مَـا يَنُفَکُ يَطُهُرَانِ صَفَا اِلیٰ اَحُسَنِ الْاَقُوَالِ وَ اُکتَفِ وَ اقُتَضٰی
وَ مُسُتَنُشِقٌ مَـا شَـمَّ رِيُـحَ اِتِّصَالِـه وَ مُسُتَنُشِـرٌ اَوُدیٰ بِـهٖ کَثُـرَةُ الـرَّدَی
اِذَا اَجُنَـبَ الْاِنُسَـانُ عَمَّ طُهُوُرُه‘ کَـمَا عَـمَّـتِ الـلَّذَّاتُ اَجُزَاؤُهُ الْعُلیٰ
اَلَـمُ تَــرَ اَنَّ اللهَ نَبَّـــهَ خَـلُـقَـــه‘ بِـاِخُـرَاجِـهٖ بَيُـنَ التَّـرَائِـبِ وَالْـمَطَا

ترجمہ۔ خوب غور سے دیکھو، تو طہارت کے بھید کو واضح پاؤ گے۔ کیونکہ طہارت کا راز ہوشیار دانشمند پر پوشیدہ نہیں رہتا ☆ بہت طہارت کرنیوالے جبکہ وہ دریائے لدنی سے کنارہ کریں، تو طہارت سے موصوف نہیں ہو سکتے ☆ اور اگرچہ وہ دریائے شور میں ساری عمر غوطے لگاتے رہیں اور بحرِ حقیقت سے چلو نہ بھریں، تو وہ پاک نہیں ہوتے ☆ اور اگرچہ دونوں ہتھیلیاں طاق بار دھو ڈالے اور راہ خدا میں مال دینے سے بخل و امساک رکھتا ہو، تو وہ اسی ناپاک پہلی حالت میں رہتی ہیں ☆ جب نفس میں بخل رہے تو دھونے سے نہ ہتھیلی پاک ہوتی ہے اور نہ کلائی، جبتک کہ شمشیر توکل سے درخت بخل کو نہ کاٹ ڈالے ☆ جب عنداللہ چہرے کا دھونا بوجہ حقیقت درست ہو جاتا ہے، تو اسمیں شرم کی صفت پیدا ہو جاتی ہے اور جب چاہے اسکے لئے حجاب رفع ہوتے ہیں ☆ اور اگر پاؤں کے دھونے میں کرسی و علم الٰہی کا لحاظ نہ رکھے، تو طہارت اسی وقت ٹوٹ جاتی ہے ☆ جب انسان اپنے منہ کی کلی کرے اور ایفائے عہد نہ کرے، تو وہ منہ پاک نہیں ہوتا ☆ اور کان پاک نہیں ہوتے، جبتک اچھے اقوال کے سننے پر اکتفا کر کے انکی پیروی نہ کرے ☆ اور جبتک حقیقت پر غور نہ ہو، ناک کو صاف کرنیوالا وصالِ خدا کی بو بھی نہیں سونگھ سکتا اور بہت ہلاکتیں اسپر وارد ہوتی ہیں ☆ جب انسان کو جنابت لاحق ہوتی ہے، تو سارے بدن کا دھونا لازم ہو جاتا ہے، کیونکہ اعلیٰ اجزائے بدن لذت اٹھاتے ہیں ☆ کیا تو نہیں جانتا کہ خدا نے انسان کی پیدائش اس منی سے کی ہے، جو سینے اور پشت کے درمیان سے ہو کر خارج ہوتی ہے اور وہ اعلیٰ اجزائے بدن ہیں۔

باب التیمم

وجہ تسمیہ تیمّم۔ تیمّم کے معنے قصد کرنے کے ہیں۔ اور اصطلاح شرع میں بقصد عبادت الٰہی دونوں ہاتھوں اور منہ کو خاک ملنا ہے۔ چونکہ تیمّم میں یہ امر بقصد عبادت پایا جاتا ہے، لہٰذا اس فعل کا نام تیمّم ہوا۔

تیمّم کو خلیفۂ وضو و غسل ٹھہرانے کی وجہ

ا۔ خدا تعالےٰ کی عادت یوں جاری ہے کہ بندوں پر جو چیز دشوار ہوتی ہے، وہ ان پر آسان و سہل کر دیتا ہے۔ اور آسانی کی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ جس کام کے کرنے میں دِقت ہو، اس کو ساقط کر کے اس کا بدل کر دیا جائے۔ تاکہ ان کے دل ٹھکانے سے رہیں اور جس چیز کا وہ غایت درجہ التزام کر رہے تھے، دفعۃً اس کے ترک کر دینے سے ان کے دل متردد اور پریشان نہ ہوں۔ اور ترک

طہارت کے عادی نہ ہو جائیں۔ لہٰذا خدا تعالےٰ نے بموقعہ ضرورت تیمّم کو خلیفہ وضو و غسل ٹھہرایا اور منجملہ طہارت کے تیمّم بھی بوجہ مشابہت کے ایک قسم کی طہارت ٹھہر گیا۔ یہ حکم بھی منجملہ ان بڑے بڑے امور اسلامیہ کے ہے، جن کی وجہ سے ملت مصطفویہؐ تمام ملل سابقہ میں سے ممتاز ہے، جس کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جُعِلَتْ تُرْبَتُهَا لَنَا طُهُوْراً اِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَاءَ۔ یعنی جب ہم کو پانی نہ ملے، تو اس کے عوض خدا تعالےٰ نے زمین کی خاک ہمارے لئے باعث طہارت بنا دی ہے۔

۲۔ قاعدہ کی بات ہے کہ بدن میں کوئی ایسی شے رکھی جاتی ہے، جس سے اصل یاد آ جائے اور معلوم ہو جائے کہ یہ اس کا نائب اور بدل ہے۔ اس صورت میں نفس کو پہلے عمل کا انتظار سا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسح موزوں میں موزہ پہننے کے وقت طہارت مشروط ہے۔ اور اس کی ایک مدت قرار دی گئی ہے، جس سے مسح کا اختتام ہو جاتا ہے۔

جواب اس سوال کا کہ تیمّم خلیفہ وضو ہوا، مگر وضو خلیفہ تیمّم کیوں نہ ہوا؟

ا۔ پانی کی افضلیت میں کسی کو کلام نہیں، کیونکہ جو صفائی و تقویت و تراوت پانی سے حاصل ہوتی ہے، وہ مٹی سے حاصل نہیں ہوتی۔ لہٰذا پہلے افضل کی باری آتی ہے۔ اور وہ نہ ہو تو ادنیٰ کی نوبت آتی ہے۔ اور اس بات کو ہر کوئی جانتا ہے کہ اعلیٰ کا خلیفہ ادنیٰ ہوا کرتا ہے اور اس کے برعکس نہیں ہوتا۔

۲۔ آدمی کیلئے مٹی بمنزلہ ماں کے اور پانی بمنزلہ باپ کے ہے۔ لہٰذا باپ کو ماں پر فضیلت ہے۔

۳۔ پانی مایہء حیات ہر چیز ہے۔ چنانچہ خدا فرمایا ہے۔ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔ یعنے ہر چیز کو ہم نے پانی سے زندہ کیا۔ پس پانی کو بدیں وجہ بھی تقدم حاصل ہے۔

وضو و غسل کے تیمّم میں فرق نہ ہونے کی وجہ

ا۔ غسل اور وضو کے تیمّم میں کچھ فرق نہیں رکھا گیا۔ غسل کے تیمّم میں تمام بدن پر خاک کا ملنا مقرر نہیں ہوا، کیونکہ تمام بدن پر خاک ملنا دِقت سے خالی نہیں ہے۔ اس کے مقرر کرنے میں پورا حرج رفع نہیں ہو سکتا تھا۔ اور سہولت و آسانی کی مصلحت و حکمت ضائع ہو جاتی، جسکے لئے یہ امر شروع ہوا تھا۔

۲۔ سارے بدن پر مٹی ملنے سے افضل المخلوقات حضرت انسان کو حیوانات اور چارپایوں سے خاک میں لوٹنے کی تشبیہ ہوتی۔ اور یہ بات انسان کے لئے خدا تعالےٰ کو منظور نہیں ہے۔ کیونکہ جیسا کہ خدا تعالےٰ نے حیوانات و انسان کے خلق و اوضاع و اطوار و طرز زندگی و خوراک میں کثافت و لطافت کا فرق رکھا ہے، ایسا ہی اس نے حیوانات کو دناءت و انسان کو کرامت و عظمت میں فرق رکھا ہے۔ اس

بارے میں خدا تعالیٰ کا فرمودہ وَ لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ شاہد ہے۔ یعنے ہم نے بنی آدم کو اپنی طرف سے بزرگی وعزت دی ہے۔ پس انسان کی بزرگی وعزت اس کو حیوانات کی طرح خاک میں لوٹنے سے مانع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سارے بدن پر مٹی ملنی جنبی کے لئے مقرر نہیں کی گئی۔

علامہ ابن قیمؒ اس امر کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔ وَ اَمَّا کَوْنُ التَّیَمُّمِ الْجُنُبِ کَتَیَمُّمِ الْمُحْدَثِ فَلَمَّا سَقَطَ مَسْحُ الرَّأْسِ وَ الرِّجْلَیْنِ بِالتُّرَابِ عَنِ الْمُحْدَثِ سَقَطَ مَسْحُ الْبَدَنِ کُلِّہٖ بِالتُّرَابِ عَنْہُ بِطَرِیْقِ الْاَوْلٰی اِذْ فِیْ ذَالِکَ مِنَ الْمُشَقَّۃِ وَ الْحَرَجِ وَالْعُسْرِ مَا یُنَاقِضُ رُخْصَۃَ التَّیَمُّمِ وَ یَدْخُلُ الْمَخْلُوْقَاتُ عَلَی اللّٰہِ فِیْ شِبْہِ الْبَھَائِمِ اِذَا تَمَرَّغَ فِی التُّرَابِ فَالَّذِیْ جَاءَ تْ بِہِ الشَّرِیْعَۃُ لَامَزِیْدَ فِی الْحِسِّ وَ الْحِکْمَۃِ وَالْعَدْلِ عَلَیْہِ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ۔ ترجمہ۔ یعنی جنبی اور بے وضو کا تیمّم یکساں ہونے میں یہ حکمت ہے کہ جبکہ بے وضو آدمی کو ہاتھ و منہ پر مسح کرنے میں سر و پاؤں کا مسح کرنا ساقط ہو گیا، تو انہی اعضاء یعنی ہاتھ، منہ پر مسح کرنے سے جنبی کو سارے بدن کا مسح ساقط ہونا مناسب تر ہے۔ کیونکہ سارے بدن کا مسح کرنے میں تکلیف اور حرج ہے، جو رخصت تیمّم کے لئے منافی ومناقض ہے۔ اور سارے بدن پر جنبی کو مٹی ملنے میں خدا تعالیٰ کی افضل مخلوقات انسان کو حیوانات سے خاک میں لوٹنے کی تشبیہ ہوتی۔ پس جو کچھ شریعت حقّہ نے مقرر کیا ہے، اس میں کمی بیشی کرنی عقل وحکمت کے برخلاف ہے۔

پانی اور مٹی سے طہارۃ صغریٰ و کبریٰ مشروع ہونے کی وجہ

سوال۔ تیمّم ایک وجہ سے خلاف عقل ہے۔ کیونکہ مٹی خود آلودہ ہے۔ وہ نہ پلیدی اور میل کو دور کرتی ہے اور نہ بدن و کپڑے کو پاک کر سکتی ہے۔

جواب۔ اللہ تعالیٰ نے اس عالم کی ہر چیز کو مٹی و پانی سے پیدا کیا۔ ہماری سرشت کی اصل یہی دونوں چیزیں ہیں۔ جن سے ہمارا نشوونما، ہماری تقویت وغذا ہوتی ہے۔ جس کا ہم کو مشاہدہ ہو رہا ہے۔ پس جب کہ خدا نے ہماری نشو ونما اور تقویت غذا کے اسباب پانی و مٹی کو ٹھہرایا، تو ہمارے پاک، مطہر و ستھرے ہونے کے لئے اور عبادات میں مدد لینے کے لئے انہیں سے ایما فرمایا۔ وجہ یہ کہ مٹی وہ اصل چیز ہے، جس سے بنی آدم کی پیدائش ہوتی ہے۔ اور پانی ہر چیز کی زندگی کا باعث ہے۔ الغرض اس عالم کی تمام اشیاء کی پیدائش کے اصل یہی دونوں چیزیں ہیں، مٹی اور پانی۔ جن سے خدا نے اس عالم کو مرکب کیا ہے۔ پس جب کہ ہماری ابتدائی پیدائش وتقویت ونشو ونما مٹی و پانی سے ہوئی ہے، تو جسمانی و روحانی پاکی کے لئے بھی انہی کو خدا نے ٹھہرایا۔

۲۔ عادۃً پلیدی و گندگی کو زائل کرنے کا رواج پانی سے بکثرت ہے اور جب بحالت مرض و عدم وجودِ آب عذر لاحق ہو جاوے، تو طہارت کے لیے پانی کے دوسرے ساتھی اور ہمسر مٹی کو بہ نسبت کسی دوسری چیز کے زیادہ مناسبت ہے۔

۳۔ تیمّم کے لئے زمین اس واسطے خاص کی گئی ہے کہ زمین کہیں بھی ناپید اور گم نہیں ہوتی۔ تو ایسی چیز اس قابل ہوسکتی ہے، جس سے لوگوں کی دِقت رفع ہو سکے۔

۴۔ منہ کو خاک آلودہ بنانا کسرِ نفسی و عاجزی پر دلالت ہے۔ اور یہ امر خداتعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ تیمّم کے لئے مٹی استعمال کرنے میں خاکساری اور ذلّت پائی جاتی ہے اور ذلّت کی شان طلب عفو کے مناسب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سجدہ کرنے میں اپنے منہ کو مٹی سے نہ بچانا پسندیدہ ہے۔

جنہاں نیہوں لایا اوہ کتھوں کردے ہار سنگاراں　　تن تے لیراں منہ تے مٹی سینہ گرم انگاراں
محبوباندے دردی مٹی انہاں چتر شاہی　　بادشاہی دا زیب آرائش انہاں مکھ سیاہی

ایک صحابی نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے سجدہ کی جگہ میں کوئی چیز رکھ دی، تا کہ اس کا منہ خاک آلودہ نہ ہو۔ تو اس صحابی نے اس کو کہا کہ سجدہ میں اپنے منہ کو خاک آلودہ کر، کیونکہ اس وقت خداتعالیٰ کو تمہارا خاک آلودہ بننا پسند ہے۔

اے کہ جز ایں زمینی سرکش　　چونکہ بنی حکم یزداں سرمکش
چون خلقنا کم شنیدی من تراب　　خاک باشی حسب ازوے رونتاب
آب از بالا بپستی در شود　　زانکہ از پستی ببالا بر رود
گندم از بالا بزیر خاک شد　　بعد ازاں او خوشہ و چالاک شد
دانہ ہر میوہ آمد در زمین　　بعد ازاں سر ہا بر آورد از دفین
اصل نعمتہا نہ گردوں تا بخاک　　زیر آمد شد غذا ئے جان پاک
از تواضع چوں زگردوں شد بزیر　　گشت جزو آدمی حیّ و دلیر
پس صفات آدمی شد آں جماد　　بر فراز عرش پرّاں گشت شاد
کز جہاں زں درح دل آمدیم　　باز از پستی سوئے بالا شدیم
جملہ اجزا در تحرک و در سکوں　　**ناطقاً کانا الیہ راجعون**

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **اِنَّ الصَّعِیْدَ الطَّیِّبَ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ وَ لَوْ لَمْ یَجِدِ الْمَاءَ عَشَرَ سَنِیْن** ۔ یعنی ستھری مٹی مسلمان کے لئے وضو کا پانی ہے، اگرچہ دس برس تک اس کو

پانی نہ ملے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان تردّد اور وہم کے بند کرنے کے لئے ہے۔

۶۔ پانی کے ساتھ وضو اس لئے مقرر ہوا کہ اس سے صفائی اور ستھرائی حاصل ہوتی ہے اور پانی سے برقی طاقت جسم میں ازسرِ نو تیار ہو جاتی ہے اور وضو کے ظاہری اندام، جن پر پانی ڈالا جاتا ہے، ان کے بالمقابل باطنی اعضاء جو واقع ہیں، وہ پانی سے برقی طاقت پیدا ہونے کی وجہ سے بیدار اور چست ہو جاتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اعضاء وضو کو تین بار دھونے سے برقی رو تقویت پذیر ہوتی ہے اور اس سے جسمانیت و روحانیت میں طراوت و طاقت آ جاتی ہے۔ چنانچہ اس فعل کی مداومت سے اندام ہائے وضو کی برقی رَو اتنی ترقی پذیر اور پائدار اور نفس میں راسخ ہو جاتی ہے کہ عالم برزخ اور حشر و نشر میں بھی انسان کے اندامہائے وضو درخشاں و روشن ہوں گے۔ اس امر کی تصدیق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ذیل سے ہوتی ہے۔ مشکوٰۃ میں ہے۔ **فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ كَيْفَ تَعْرِفُ اُمَّتَکَ مِنْ بَيْنِ الْاُمَمِ قَالَ هُمْ غُرٌّ مُّحَجَّلِيْنَ مِنْ اَثَرِ الْوُضُوْءِ لَيْسَ اَحَدٌ كَذَالِکَ غَيْرَهُمْ وَ اِنِّى اَعْرِفُهُمْ** ۔ (مشکوٰۃ۔ ص ۷۷) یعنی ایک مرد نے پوچھا کہ یا رسول اللہ قیامت میں آپ اپنی امت کے لوگوں کو دوسری امتوں کے درمیان کس طرح پہچانیں گے۔ فرمایا کہ میری امت کے لوگوں کے ہاتھ، منہ، پاؤں یعنی وضو والے اندام وضو کے اثر کی وجہ سے روشن اور درخشاں ہوں گے اور ان کے سوا اور کوئی امت ایسی نہ ہوگی۔ اور اس نشان سے میں اپنی امت کے لوگوں کو پہچان لوں گا۔

مومن کا وضو و غسل بموجب قاعدۂ اسلام **اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ** حسب نیت احسن نتیجہ لاتا اور خیر و خوبی کا مضمر اور روشنی پیدا کرتا اور کفار و فساق کا غسل اور شست و شو کا عمل حبط و نابود ہو جاتا ہے، کیونکہ ہر عمل کا بیج دل سے یعنی نیت پر مترتب ہوتا ہے۔

سید **اَلاَعْمَالُ بِالنِّيَّات** گفت نیت خیرت بسے گلہا شگفت

۷۔ مٹی سے تیمّم کی طہارت اس لئے مشروع ہوئی کہ مٹی پانی سے بنی ہے، یعنی پانی منجمد ہو کر مٹی بنی۔ لہٰذا جو مراد و مطلب پانی سے ہوتا ہے، وہی مٹی سے حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ مٹی کی اصل پانی ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس برتن میں کتا یا اس جیسا کوئی درندہ منہ ڈالے اس کی طہارت کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اس کو مٹی سے مانجنے اور پھر سات بار پانی سے دھونے کا امر فرمایا۔

تیمّم کرنے کا طریق جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیمّم کرنے کے لئے صرف ایک بار ہر دو دست مبارک پاک مٹی پر مارتے تھے اور اپنے منہ اور ہاتھوں پر مل لیتے تھے۔ اور حدیث صحیح میں نہیں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم دو بار دست مبارک مٹی پر مارتے تھے۔صاحبِ "سفر سعادت" لکھتے ہیں کہ اس کے برخلاف جو احادیث آئی ہیں، وہ سب ضعیف ہیں۔اور حضرت محی الدین ابن عربیؒ "فتوحات مکیہ" میں لکھتے ہیں۔ **حَدِیْثُ الْضَرْبَۃِ الْوَاحِدَہ اَثْبَتَ فَھُوَ اَحَبَّ اِلَیَّ**۔یعنی تیمّم کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بار دست مبارک مٹی پر مارنے کی حدیث صحیح وثابت شدہ ہے اور مجھے بھی یہ بات بہت ہی پسند ہے۔کیونکہ اس میں توحید الٰہی کی طرف ایما ہے۔اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہنیوں تک تیمّم نہیں فرماتے تھے۔اور جو روایات اس کے برخلاف ہیں وہ بہت ضعیف ہیں۔اور قرآن کریم بھی اسی امر کا مؤید ہے۔کیونکہ تیمّم میں اگر مسح کہنیوں تک ہوتا تو قرآن کریم میں جیسا کہ وضو کے بارہ میں کہنیوں تک دھونے کی حد فرمائی گئی ہے، ایسا ہی تیمّم کے بارے میں بھی حد مقرر فرمائی جاتی، مگر ایسا نہیں ہوا۔

تیمّم دو اندا موں میں مخصوص ہونے کی وجہ

اور پاؤں وسر پر مسح تیمّم مشروع نہ ہونے کا راز

ا۔تیمّم کا دو اندا موں ہاتھوں اور منہ پر مخصوص ہونا اور پاؤں وسر پر تیمّم مشروع نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مٹی کا سر پر ڈالنا مکروہ امر شمار کیا جاتا ہے۔کیونکہ مٹی کا سر پر ڈالنا مصائب اور تکالیف کے وقت لوگوں میں مروج ہے۔اس وجہ سے سر پر مٹی ملنی مشروع نہیں ہوئی۔کیونکہ یہ امر عنداللہ وعندالناس مکروہ و ناپسند ہے اور تیمّم کے اندر پیروں پر ہاتھ پھیرنے کا حکم نہیں دیا گیا، کیونکہ پیر تو خود ہی گرد وغبار سے آلودہ رہتے ہیں۔اور حکم ایسی چیز کا دیا جاتا ہے، جو پہلے سے نہ پائی جاتی ہو، تاکہ نفس میں اس کے کرنے سے تنبیہ پائی جائے۔یہی بات حضرت ابن قیم جوزیؒ نے بیان فرمائی ہے۔

۲۔دوسری وجہ یہ ہے کہ تیمّم صرف دو مغسول اندا موں میں مشروع ہے۔یعنی وہ اندام جو وضو کرنے میں مدام دھوئے جاتے ہیں۔اور دو ممسوح اندا موں سے تیمّم ساقط ہو گیا۔کیونکہ موزے پہن کر پاؤں پر اور پگڑی اور بغیر پگڑی کے سر پر مسح ہوتا ہے۔پس جب کہ دو مغسول اندا موں پر مسح کرنے پر اکتفا کیا گیا، تو دو ممسوح اندا موں کو بالا ولیٰ عضو مسح کی مناسبت ہے۔اگر ان پر بھی مٹی سے مسح مشروع ہوتا، تو اس سے حکمتِ سہولت وآسانی میں فرق آتا، جو مصلحتِ الٰہی کے برخلاف ہے۔

باب الغُسل

حائض وجنبی کے مسجد میں نہ داخل ہونے کی وجہ

جنبی اور حائض کو مسجد کے اندر جانا اس لئے ناجائز ہوا کہ مسجد نماز اور ذکر الٰہی کرنے کی جگہ ہے اور شعائر الٰہی میں سے ہے اور کعبہ کا ایک نمونہ ہے۔ پس شعائر الٰہی کے اندر جانا ایسی ناپاک حالت میں ناجائز ہوا۔ وَمَنْ یُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰہِ فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ ۔ ترجمہ۔ جو کوئی شعائر اللہ کی تعظیم کرتا ہے، تو وہ ان لوگوں میں سے ہے، جو دل سے تقویٰ کرتے ہیں۔

جس مکان میں کتا، جنبی، تصویر ہو اس میں ملائکہ رحمت کے نہ آنے کی وجہ

آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لَایَدْخُلَ الْمَلَائِکَۃَ بَیْتاً فِیْہِ صُوْرَۃٌ وَ لَا کَلْبٌ وَ لَاجَـنُـبٌ ۔ یعنی جس مکان میں تصویر ہوتی ہے، اس میں فرشتے نہیں آتے اور نہ جس میں کتا ہو اور نہ جس میں جنبی آدمی ہو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ان چیزوں سے فرشتوں کو نفرت ہے۔ فرشتوں کے اندر جو صفات پائی جاتی ہیں، یعنی تقدس اور بت پرستوں سے نفرت، یہ سب باتیں فرشتوں کی ضد میں ہیں۔ اس لئے ضدین ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے ہیں۔ تصاویر و مورتیں جو اعتقادی و عملی پرستش کے لئے ہوں، ان کا رکھنا حرام ہے۔ ورنہ کسی دینی کام کے لئے یا معاشی غرض سے تصویر دار روپیہ وغیرہ رکھنا حرام ہوتا۔ ایسا ہی جن کے دلوں میں دنیا کی سخت محبت ہوتی ہے، ان پر نزول ملائکہ رحمت کا بہت کم ہوتا ہے۔

کافر کے مسلمان ہونے کے وقت غسل کرنے کی وجہ

ایک شخص اسلام لایا تو اس کو آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی اور بیری کے پتوں سے نہانے کا امر فرمایا۔ اور دوسرے شخص کو ارشاد کیا کہ کفر کی علامت کو اپنے آپ سے دور کرے۔ اس میں یہ بھید ہے کہ اس کو ظاہر میں ایک چیز سے باہر آجانا متمثل ہو جائے اور اس کو آگاہ کیا گیا کہ جیسا کہ وہ اپنے ظاہر بدن کو غسل دیتا ہے ایسا ہی اپنے باطن کو بھی تمام سابقہ عقائد باطلہ سے دھوڈالے۔

طہارت حیض کے بعد غسل واجب ہونے کی وجہ

حیض کے خون کو خدا تعالےٰ نے قرآن کریم میں اذیٰ یعنی گندگی فرمایا ہے۔ پس جس گندگی سے بار بار جسم آلودہ ہو اس سے نفس انسانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ دوسرے جریان خون سے لطیف پٹھوں کو ضعف پہونچتا ہے۔ اور جب غسل کیا جاوے تو ظاہری طہارت حاصل ہوتی ہے اور پٹھے تر و تازہ ہو جاتے ہیں اور ان میں وہی پہلی قوت عود کر آتی ہے۔

خدا تعالےٰ نے قرآن کریم میں عورت کی حالت حیض کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔ فَـاعْـتَـزِلُـوْا الـنِّـسَـاءَ فِی الْمَحِیْضِ فَلَا تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰی یَطْھُرْنَ ۔ ترجمہ۔ یعنی حیض کے دنوں میں عورتوں سے

کنارہ کرواوران کے نزدیک مت جاؤ۔یعنی ان سے صحبت نہ کرو، جب تک کہ وہ حیض سے پاک نہ ہو لیں۔اس آیت سے یہ مرادنہیں ہے کہ خاوندکوبغیرارادہ صحبت کے اپنی عورت کو ہاتھ لگانا بھی حرام ہے۔ یہ تو حماقت اور بیوقوفی ہوگی کہ بات کواس قدر دور کھینچا جائے کہ تمدن کی ضروریات میں بھی حرج واقع ہو اورعورت کوایام حیض میں ایسے زہر قاتل کی طرح سمجھا جائے جس کے چھونے سے فی الفور موت آ جاتی ہے۔اگر بغیر ارادۂ صحبت عورت کو چھونا حرام ہوتا تو بیچاری عورتیں بڑی مصیبت میں پڑ جاتیں۔ بیمار ہوتیں تو کوئی نبض بھی نہ دیکھ سکتا۔گرتیں تو کوئی ہاتھ اٹھا نہ سکتا۔اگرکسی درد میں ہاتھ پاؤں دبانے کی محتاج ہوتیں تو کوئی دبا نہ سکتا۔اگر مرتیں تو کوئی دفن نہ کرسکتا۔کیونکہ ایسی پلید ہوگئیں کہ ہاتھ لگانا حرام ہے۔سو یہ نافہموں کی جہالتیں ہیں۔اور حقیقت یہ ہے کہ خاوندکوایام حیض میں عورت سے جماع کرنا حرام ہے۔لیکن اپنی عورت سے محبت کرنا ومحبت کا اظہار کرنا حرام نہیں ہوتے۔

جنبی وحائض کے لئے قرآن کریم ونماز پڑھنا ناجائز ہونے کی وجہ

جنابت وحیض دونوں ایسی حالتیں ہیں، جوقرب الٰہی کے منافات اورنجاست سے مختلط ہونے کے اوصاف ہیں۔اورنماز وقرآن کریم کا پڑھنا خدا سے ہم کلام ہونے کا رتبہ ہے۔اور خدا کی ہمکلامی کے شرف سے انسان جب ہی مشرف ہوسکتا ہے کہ ہرقسم کی نجاستوں سے پاک ومطہر ہو۔کیونکہ خدا پاک ہے۔اس کوناپاکی سے نفرت ہے۔

ہر بال کے نیچے جنابت کی وجہ

نبی علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں۔تَحتَ کُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةٌ فَاغْسِلُوا الشَّعْرَ وَ انْقُوا الْبَشْرَةَ ۔ترجمہ۔یعنی ہر بال کے نیچے جنابت ہے،اس لئے بالوں کودھوڈالواور بدن کی میل اتارو۔اس سے مراد یہ ہے کہ ایک ایک بال کی جگہ کے دھونے میں غسل کے معنی کوثابت کرتا ہے اور جنابت پر باقی رہنااوراس پراصرار کرنا دخولِ نار کا سبب ہے۔اور جس عضو سے نفس کے اندر یہ اثر پیدا ہوگا،اس عضو کی طرف سے نفس کوتکلیف اور درد ظاہر ہوگا۔

ا۔ایک شخص نے پورے طور پر پانی کا استعمال نہیں کیا تھا،تو اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔وَیْلٌ لِلاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ ۔یعنے خرابی ہےایڑیوں کوآگ کی طرف سے۔اس میں نکتہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان اعضاء کا دھونا واجب کیا ہے،تو ان کا دھونا ضروری ٹھہرتا ہے۔اگرکوئی شخص ایک عضو کا کچھ حصہ دھو لیتا ہے مگر پورے طور پراس عضو کونہیں دھوتا،تو عرف عام میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ

اس نے اس عضو کو دھولیا ہے۔

۲۔ دوسرا آپ کے اس ارشاد میں سستی و کاہلی کے باب کا بند کرنا مقصود ہے۔ اور ایڑیوں کا تعلق آگ سے اس واسطے ہے کہ ایک جگہ کو مسلسل ناپاک رکھنا اور اس پر اصرار کرنا ایسی خصلت ہے، جس کا انجام دوزخ ہے۔ اور طہارت ایسی چیز ہے جو باعث نجات و تکفیر خطیات ہے۔

۳۔ جب ایک عضو کے اندر طہارت کے معنے نہ پائے جائیں اور اس عضو میں حکم الٰہی کی تعمیل نہ ہو، تو بلا شبہ یہ اس بات کا سبب ہو سکتا ہے کہ نفس کا اس خصلت کی وجہ سے ملال ظاہر ہو، جو اس کے نفس کے اندر فساد اور خرابی پیدا کرنے والی ہے۔ اور اس عضو کی طرف سے یہ خصلت اس کو حاصل ہوئی ہے۔

منی نکلنے سے غسل واجب ہونے کی وجہ

بول و براز سے عدم وجوب غسل کا راز

۱۔ خروج منی سے غسل کا واجب و لازم ہونا اور بول سے واجب نہ ہونا شریعت اسلامیہ کی بڑی خوبیوں اور رحمت و حکمت و مصلحت الٰہی کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ منی سارے بدن سے نکلتی ہے۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے منی کا نام قرآن میں سلالہ رکھا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِيْنٍ** ۔ یعنے ہم نے انسان کو مٹی کے کھچے ہوئے رواں جوہر سے پیدا کیا۔ صراح میں لکھا ہے۔ سلالہ بمعنے آنچہ بیرون کشیدہ شود از چیزے و آبِ پشتِ مردم۔ یعنی کسی چیز سے کسی چیز کو کھینچ کر نکالنا اور لوگوں کی پیٹھ سے پانی یعنی منی۔

مٹی انسان کے سارے بدن کا ست ہوتا ہے، جو بدن سے رواں ہو کر بالآخر پشت کے راستہ سے نیچے آتی اور عضو تناسل سے خارج ہوتی ہے۔ اس کے نکلنے سے بدن کو بہت ضعف پہنچتا ہے۔ جبکہ بول و براز صرف پانی کے فضلے ہوتے ہیں، جو مثانہ و معدہ سے نکل کر انتڑیوں میں جمع ہوتے ہیں۔ اس لئے منی کے نکلنے سے بول و براز کے مقابلے میں جسم کو بہت کمزوری لاحق ہوتی ہے، جو پانی سے غسل کے نتیجے میں دور کی جاسکتی ہے۔

۲۔ جنابت سے جسم میں گرانی و کاہلی و کمزوری و غفلت پیدا ہو جاتی ہے اور غسل سے دل میں قوت و نشاط و سرور اور بدن میں سبکساری پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ غسل جنابت کے بعد میں ایسا معلوم کرتا ہوں کہ گویا اپنے اوپر سے ایک پہاڑ اتار دیا۔ یہ ایسا امر ہے جس کو ہر ایک سلیم طبع و فطرت صحیحہ والا جانتا ہے کہ غسل جنابت ان مصلحتوں کے قائم مقام ہے، جو ضروریاتِ بدن اور دل کو لاحق ہوتی ہیں۔

۳۔ جنابت سے انسان کوارواح طیبہ یعنی فرشتوں سے بُعد اور دوری پیدا ہوتی ہے۔اور جب غسل کرتا ہے،تو وہ بُعد اور دوری ہٹ جاتی ہے۔اس لئے بہت سے صحابہ ؓکرام سے مروی ہے کہ جب انسان سوتا ہے،تو اس کی روح آسمان کی طرف چڑھتی ہے۔اگر روح پاک ہو،تو اس کو سجدہ کرنے کا امر ہوتا ہے۔اور اگر جنابت میں ہو،تو اس کو سجدہ کا اِذن نہیں دیا جاتا۔یہی وجہ ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جنبی سونے لگے،تو وضو کرلے۔

۴۔جب انسان مجامعت سے فارغ ہوتا ہے،تو اس کا دل ایک انقباض و تنگی کی حالت میں ہوتا ہے اور اس پر تنگی و غم سا طاری ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو نہایت تنگی و گھٹن میں پاتا ہے۔اور جب دونوں قسم کی نجاستیں دور ہو جاتی ہیں اور اپنے بدن کو ملتا اور غسل کرتا ہے اور اچھے کپڑے بدل کر خوشبو لگاتا ہے، تب اس کی تنگی دور ہو جاتی ہے اور بجائے اس کے بہجت و خوشی معلوم ہوتی ہے۔پہلی حالت کو حدث اور دوسری کو طہارت کہتے ہیں۔

۵۔حاذق طبیبوں نے لکھا ہے کہ جماع کے بعد غسل کرنا بدن کی تحلیل شدہ قوتوں اور کمزوریوں کو لوٹا دیتا ہے اور بدن وروح کے لئے نہایت نافع اور مفید ہے۔اور جنابت میں رہنا اور غسل نہ کرنا بدن وروح کے لئے سخت مضر ہے۔اس امر کی خوبی پر عقل وفطرت سلیمہ کافی گواہ ہیں۔اگر شارع علیہ السلام خراج بول و براز سے غسل کرنا لازم ٹھہراتے ،تو لوگوں کو سخت حرج ہوتا۔اور محنت ومشقت میں پڑ جاتے، جو کہ حکمت ورحمت و مصلحت الٰہی کا خلاف ہے۔

۶۔ جماع میں تلذذ ہوتا ہے اور اس سے ذکر الٰہی میں غفلت ہو جاتی ہے۔اس لئے اس کی تلافی کے لئے غسل کیا جاتا ہے۔

۷۔منی نکلنے سے بدن کے تمام مسامات کھل جاتے ہیں اور ان سے پسینہ نکلتا ہے۔اور پسینہ کے ساتھ اندرونی حصہ بدن کے گندے مواد بھی خارج ہوتے ہیں، جو کہ مسامات پر آ کر ٹھہر جاتے ہیں۔اگر ان کو دھویا نہ جائے ،تو خطرناک امراض پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

اب ہم اس تقریر کا خلاصہ سوال و جواب کے پیرایہ میں درج کرتے ہیں۔

سوال۔منی کے خروج سے غسل کیوں ہوتا ہے اور پاخانہ و بول سے صرف استنجا کافی ہے، حالانکہ بول و براز نجاست میں منی سے زائد ہے۔پھر منی سے غسل کیوں کیا جاتا ہے۔

جواب۔خروج منی سے تمام بدن کو ضعف و کمزوری پہنچتی ہے۔منی کا خروج کیسا ہی قلیل کیوں نہ ہو، پھر بھی بعض اوقات انسانوں کو ضعف محسوس ہوتا ہے۔اگر چہ ایک جوان آدمی اس کو محسوس نہ

کرے، مگر ہوتا ضرور ہے۔ اس کا پتہ اس وقت لگتا ہے جب متواتر خروج منی ہو، جریان سے یا جلق یا کثرت جماع سے تو پھر کیسا ہی قوی جوان کیوں نہ ہو چند روز میں دماغ۔ آنکھ، پھیپھڑے غرض تمام اعضا میں بیماریاں اور ضعف پہنچ کر اس کو تباہ کر دیتے ہیں۔ یہ تو حال ہے تھوڑی تھوڑی منی نکلنے کا۔ اگر پاخانہ یا بول کے برابر نکلے، تو خدا جانے ایک ہی بار نکلنے سے کیا اندھیر ڈہا دے۔ پس خروج منی سے چونکہ تمام بدن کو ضعف پہنچتا ہے، اس لئے تمام بدن کا دھونا ہی مناسب بلکہ ضروری ہے۔ تا کہ تمام بدن کو طاقت آ جائے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ اگر انسان دوبارہ جماع کرنا چاہے، تو غسل کر کے جماع کرے۔ اس سے اس کو نشاط اور قوت عمدہ ہو جائے گی۔ صَدَقَ اللّٰہُ وَ رَسُوْلَہٗ۔

غسل جنابت میں پہلے وضو کرنے کی حکمت

ا۔ غسل جنابت میں پہلے وضو اس لئے کیا جاتا ہے کہ طہارت کبریٰ کا طہارت صغریٰ پر مشتمل ہونا مناسب ہے تا کہ دو قسم کی طہارت کرنے سے نفس کو اور زیادہ تر تنبیہ اور آگاہی ہو جائے۔ اور نیز اول وضو کر لینے سے ان مواضع تک پانی خوب پہنچ جاتا ہے، جن تک پانی مشکل سے پہنچتا ہے۔

۲۔ غسل سے پہلے وضو اس لئے کیا جاتا ہے کہ اس سے نماز کا پڑھنا یاد آ جاوے۔

غسل میں پاؤں کو بعد میں دھونے کی وجہ

پاؤں کو آخر میں دھونے کی وجہ یہ ہے کہ غسل کے عمل سے سارے جسم کی میل پاؤں پر آن کر پڑتی ہے۔ اس لئے پاؤں کا آخر میں دھونا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

باب النواقض الوضوء والتیمم

خروج بول، براز و ریح سے امر وضو کی وجہ

ا۔ پاخانہ، بول، ہوا کی وجہ سے وضو کا حکم اس لئے ہوا کہ ان سے جو بدبو پیدا ہوتی ہے، اس سے دل، دماغ و جگر کے لطیف پٹھوں کو سخت ضعف پہنچتا ہے۔ لہٰذا اس ضعف و نقصان کی تلافی کے لئے اور صدمہ کو رفع کرنے کی غرض سے منہ، ہاتھ، پاؤں کو دھویا جاتا ہے۔ کیونکہ پانی بیہوش کو ہوش میں لانے اور سوئے ہوئے کو جگانے اور غافل کو ہوشیار بنانے کے لئے مسلمہ علاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خروج ہوا سے دبر نہیں دھویا جاتا۔ کیونکہ اس کو ضعف و ناپاکی لاحق نہیں ہوتی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے احکام بڑی بڑی حکمتوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ پاخانہ، بول، ریح سے جو بدبو

اٹھتی ہے، اس سے انسان سمجھ سکتا ہے کہ اس گندی چیز کی اندرونی بدبو اور گندے بخارات نے اندرونی اعضائے رئیسہ قلب، جگر، دماغ کو کیسے صدمے پہنچائے ہوں گے، جن سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگنے کے لئے فرمایا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ ۔یعنی جب آدمی ریح، بول، براز کے لئے بیت الخلاء میں جائے تو یہ دعا پڑھے۔ یا اللہ میں تمام اندرونی و بیرونی پلیدیوں اور نجاستوں سے پناہ مانگتا ہوں۔ جن کا اثر قبل از خروج باطن وروح پر پیدا ہوسکتا ہے۔ اور بعد از خروج ظاہر اعضا پر پڑتا ہے۔ ان کے آثار بد سے مجھے بچا۔ اور اس پر بس نہیں کی، بلکہ فرمایا کہ بیت الخلاء سے نکلنے کے وقت غُفْـــرَانَکَ کہے۔ یعنی یا اللہ جو کچھ ان کے آثارِ بد ہیں، ان سے تیری حفاظت چاہتا ہوں۔ اس واسطے بول و براز کو روک کر نماز پڑھنا منع فرمایا کہ یہ گند اندرونے میں نہ رہے اور جہاں تک ممکن ہو اس کو نکال دیا جائے۔ جب ریح یا بول و براز سے نکلے، تو معلوم ہوا کہ ان کے ابخرۂ ردّیہ نے انسان کے اعضائے رئیسہ کو صدمہ پہنچایا اور کمزور کر دیا ہے۔ لہٰذا ان کی تقویت کے لئے ہاتھ، پاؤں، منہ پر پانی ڈالنے کا حکم ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی کو غشی یا بیہوشی ہوتی ہے، تو اس کو ہوش میں لانے کے لئے، یا یوں کہو کہ اس کی تقویتِ قلب اور جگر و دماغ کے لئے اس کے منہ، ہاتھ، پاؤں پر پانی کے چھینٹے مارے جاتے ہیں، تو اس کو افاقہ ہو جاتا ہے اور یہ ایک بیّن ثبوت ہے اس چیز کا، جو قرآن مجید میں آئی ہے۔ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیّ۔ یعنے ہم نے پانی کے ذریعہ ہر چیز کو زندگی دی ہے۔

۳۔ حبسِ بول و براز و ریح موجبِ امراضِ شدیدہ ہیں۔ انکے خروج سے وضو بطور شکر گذاری الٰہی لازم ٹھہرایا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خروج بول و براز و ریح کے بعد کلمات ذیل پڑھنے کا ارشاد فرماتے ہیں، جن میں شکر گذاری خداوندی کا ذکر پایا جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی پڑھا کرتے تھے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَ عَافَانِیْ ۔یعنی شکر ہے اس پروردگار کا جسنے مجھ سے اشیائے موجبِ امراض کو نکال دیا۔ اور اسنے مجھے صحت و عافیت میں رکھا۔

۴۔ خروجِ رِیح و بول و براز کی بدبو سے اندرونی حالتِ نفس کو ایک قسم کی نجاست و یبوست و ضعف لاحق ہوتا اور ملائکہ سے بُعد ہو جاتا ہے اور شیاطین و جنات اس کو گھیر لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خروجِ رِیح و بول و براز کے وقت اللھم انی اعوذ بک من الخبث والخبائث اور غفرانک پڑھنا مسنون ٹھہرایا۔ یعنی میرے خدا میں تیرے پاس نجاستوں اور جنّوں وجنّیوں وشیاطین سے پناہ مانگتا ہوں۔ ان سے مجھے پردہ میں رکھ۔ پس اسی کے بعد امر وضو کا ہوا۔ کیونکہ وضو سے نجاست و یبوست وضعف دور ہوتا اور ملائکہ سے قرب اور شیاطین وخبائث سے پردہ اور دُوری

حاصل ہوتی ہے۔

۵۔ وہ اشیاء جو بدن کے لئے بدل ما یتحلل ہوتی ہیں۔اور بدن و دماغ و دل وجگر کے لئے باعث تقویت ہوتی ہیں۔ان کے خارج ہونے سے سارے کارخانہءجسم خارجی وداخلی کو کمزوری لاحق ہوتی ہے۔اور اندر سے نکلنے والی چیز کا پانی قائم مقام ہوجاتا ہے۔

دبر سے ہوا خارج ہونے سے امرِ وضو کی وجہ اور استنجاء کا امر نہ ہونے کی حکمت

ا۔ جو کوئی پاخانہ پھرے یا بول کرے یا اس کی ہوا خارج ہو یا خود گوز مارے،تو بظاہر اس کو کوئی آلودگی لاحق نہیں ہوتی جس سے طبائع نفرت کریں۔مگر ان اشیاء کا منبع نجاست یعنی انتڑیوں سے ہوکر گزرنا اور ان سے خارج ہونا وہم میں ایک آلودگی کا اثر پیدا کرتا ہے۔اور جب انسان اپنے ہاتھ، پاؤں، منہ کو دھوتا اور مسح کرتا ہے تو وہ آلودگی دو وجہ سے رفع ہوجاتی ہے۔ایک تو یہ کہ وہم میں یہ بات راسخ ہے کہ دھونا ظاہری نجاست کو رفع کرتا ہے اور یہی امر متوہمات کے لئے جاری ہوا۔

۲۔ دھونا اطراف کا ہمّت کو جمع کرتا ہے اور جو بددلی اور تفرقہ، حدث اور آلودگی سے ہوتا ہے، وہ اطراف کے دھونے سے رفع ہوجاتا ہے۔

۳۔ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں کہ پاخانہ، بول، ہوا کے خارج ہونے سے جو بدبو پیدا ہوتی ہے، اس سے دل و دماغ وجگر کے لطیف پٹھوں کو سخت ضعف پہنچتا ہے۔لہٰذا اس ضعف کے صدمہ کو دور کرنے کی غرض سے منہ، ہاتھ، پاؤں کو دھویا جاتا ہے۔کیونکہ پانی بیہوش کو ہوش میں لانے اور سوئے ہوئے کو جگانے اور غافل کو ہوشیار بنانے کے لئے مسلّم علاج ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہوا خارج ہونے سے دُبر کو نہیں دھویا جاتا۔کیونکہ اس کو کوئی ناپاکی لاحق نہیں ہوتی اور نہ اس کو کوئی ضعف پہنچتا ہے۔

۴۔انسان کے اندر وہ عضوِ شریف ترین جس پر شریعت کا خطاب ہے، وہ تو دل ہی ہے۔اور دل کے بعد لطیف و نازک ترین اعضاء انسان کے اندر دماغ وجگر ہیں۔اگر محض خروجِ سریح سے وضو کا امر اندرونی بیداری وتقویت اعضائے رئیسہ کے لئے نہ ہوتا۔تو پھر ہر ایک محض بدبودار چیز کے سونگھنے اور ہر ایک ناپاکی وگندگی کو ہاتھ لگانے سے امر وضو ہوتا۔پس بیانِ مذکور سے واضح ہوا کہ خروج ہوائے دُبر سے اعضائے رئیسہ کو جو ضعف پہونچتا ہے اس کی تلافی کے لئے امر وضو ہوا۔اور انسان کے خارجی جسم کو کوئی ناپاکی لاحق نہیں ہوتی جو استنجا لازم آئے۔

دبر سے ہوا خارج ہونے سے وجوب وضو

اور منہ سے ڈکار، چھینک کی ہوا خارج ہونے سے عدم وجوبِ وضو کا راز

ا۔ یہ امر شریعت اسلامیہ کی خوبیوں وکمالات میں سے ہے کہ جیسا اس نے منہ سے خروجِ بلغم و دبر سے خروجِ نجاست میں فرق کیا ہے، ایسا ہی اس نے دُبر و منہ کی خارج شدہ ہوا میں فرق کیا ہے۔ جو شخص منہ وناک سے خروجِ ڈکار و چھینک و دُبر سے خروجِ ہوا میں فرق نہیں کرتا، وہ ایسا ہے جیسا کہ کوئی بلغم ونجاست میں برابری سمجھتا ہے۔ ڈکار تو چھینک کی قسم ہوتا ہے۔ اور چھینک ایک ہوا ہوتی ہے، جو دماغ میں بند ہوتی ہے۔ اور پھر نکلنے کا راستہ ڈھونڈھتی ہوئی ناک کے سوراخوں سے خارج ہوتی ہے، جس سے چھینک آجاتی ہے۔ ایسا ہی ڈکار بھی ایک ہوا ہوتی ہے، جو کہ معدہ کے اوپر بند ہوتی ہے۔ اور اوپر کو اٹھ کر منہ سے خارج ہوتی ہے۔ معدہ کے فضلہ اور انتڑیوں کی ثفل میں بہت فرق ہوتا ہے۔ کیونکہ دُبر سے نکلنے والی ہوا انتڑیوں میں بند ہوتی ہے، جو پاخانہ کی جگہ ہے اور پھر دُبر سے خراج ہوتی ہے۔ معدہ کا فضلہ ابھی متعفن نہیں ہوتا اور انتڑیوں میں جا کر متعفن ہو جاتا ہے۔ پس تعفن والی جگہ کی ہوا کے ابخرہ ردّیہ اور گندے ہوتے ہیں، جن سے وضو کا امر ہوا۔ مگر ڈکار و چھینک جو معدہ و دماغ سے آتے ہیں، وہ پاک ہیں۔ اس لئے ان پر وضو لازم نہیں ہوا۔ "ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا"۔

۲۔ دُبر کی ہوا بند ہونے سے سخت ضرر ونقصان انسان کی جسمانیت وروحانیت کو لاحق ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے خروج سے وضوئے شکر گذاری ءِ الٰہی تلافی وتدارک ضرر کے لئے واجب ہوا۔ یعنی جتنی دیر اندر رہ کر اس نے دل، جگر و دماغ کو ضرر پہنچایا، وضو سے اس کی تلافی وتدارک ہو جائے۔ یہی ہوا بند ہوتی ہے تو انتڑیوں میں سدّے پڑتے اور دورانِ خون میں بندش ہوتی اور قولنج ہو کر آخر ہلاکت کی نوبت پہنچتی ہے۔ طبیبوں سے پوچھ لو کہ دُبر کی ہوا بند ہونے سے کس قدر نقصانات آدمی کو پہنچتے ہیں۔ اس کی بندش سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ پس اس کے خروج سے شکرِ الٰہی واجب ہوا۔ اور منہ سے خارج ہونے والی ہوا ڈکار اور چھینک کے بند ہونے سے چنداں ضرر لاحق نہیں ہوتا، تاکہ اس سے وضو لازم آئے۔ لہٰذا جو شخص ڈکار، چھینک و گوز میں از روئے وصف وحکم برابری کرتا ہے، اس کے عقل وحواس برخطا ہیں۔

۳۔ دل وجگر و دماغ نازک و پاک چیزیں ہیں۔ خروجِ ریح دُبر سے دل و دماغ وجگر کو ابخرہ ردّیہ سے ایک قسم کی ناپاکی وکمزوری لاحق ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس ناپاکی وکمزوری کو رفع کرنے کے لئے پانی سے امر ہوا۔ مگر خروج ڈکار و چھینک سے یہ امر متحقق نہیں ہوتا کہ ان سے وضو لازم آئے۔

بول و براز اور جماع کرنیکے وقت خانہ کعبہ کیطرف پشت ومنہ کرنا منع ہونیکی حکمت

ا۔خانہ کعبہ خدا تعالیٰ کے شعائر میں سے ہے۔پس خانہ کعبہ کی تعظیم خدا تعالیٰ کی تعظیم ہے اور اس میں کمی خدا تعالیٰ کی شان میں کمی ہے۔اس لئے خانہ کعبہ کا حج فرض ہوگیا اور اس کی تعظیم کا اس طرح حکم دیا گیا کہ بغیر صفائی اور طہارت کے اس کا طواف نہ کیا کریں۔نماز میں اس کے سامنے کھڑے ہوں۔ضرورتِ بشری یعنی بول و براز و جماع کے وقت اس کے سامنے نہ ہوں، نہ اس کی طرف پشت کریں۔کیونکہ یہ امر بے ادبی میں داخل ہے۔وجہ یہ کہ جس سے عمداً بے ادبی سرزد ہوتی ہے، اسکا دل سخت ہوجاتا ہے اور اس کی اس سخت دلی کا اثر اس کے متعلقین واقارب پر بھی سرایت کرتا ہے۔

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد   بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

وَمَنْ يُّعَظِّمُ شَعَائِرَ اللهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۔یعنی خدا تعالیٰ کے نشانات کی تعظیم وادب کرنا ان لوگوں کا کام ہے، جن کے دلوں میں تقویٰ ہے۔لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اِذَا اَتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَ لَا تَسْتَدْبِرُوْهَا ۔یعنی جب تم جائے ضرور کے لئے آؤ، تو قبلہ کو نہ منہ کرو اور نہ اس کی طرف پشت پھیرو۔

۲۔اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ دل کے اندر خدا تعالیٰ کی عظمت کا ہونا چونکہ ایک باطنی امر ہے، اس واسطے ظاہر میں بھی کوئی قرینہ پایا جانا ضروری ہے، جو تعظیم قلبی کا قائم مقام ہو۔پس جب کہ قبلہ کی طرف منہ کرنا تعظیمِ قلبی اور یادِ الٰہی میں جمع خاطر ہونے کا قائم مقام ٹھہرا (اور قائم مقام ہونے کی یہ وجہ ہے کہ یہ ہیئت تعظیم الٰہی کے لئے مخصوص رہے) اور جو ہیئت نماز کی ہیئت کے بالکل منافی اور اس کی ضد ہے، یعنی حالت پاخانہ، پیشاب، جماع، ایسی حالتوں میں قبلہ کو نہ منہ کیا جائے نہ اس کی طرف پشت پھیری جائے، کیونکہ اس میں بے ادبی ہے۔

نیند کرنے سے وضوٹوٹنے کی وجہ

ا۔نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ وِكَاءُ الْاِسْتِ الْعَيْنَانِ فَاِنَّهٗ اِذَا اِضْطَجَعَ اِسْتَرَحَتْ مُفَاصِلَهٗ ۔یعنے سرین کا بندھن آنکھیں ہیں، کیونکہ جب آدمی لیٹ جاتا ہے، تو اس کے جوڑ ڈھیلے ہوجاتے ہیں۔اب اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جب آدمی کو خوب گہری نیند آجاتی ہے، تو ضرور اس کے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور ریح وغیرہ کے نکلنے کا گمان غالب ہوتا ہے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نفس کے اندر سو جانے کی وجہ سے غفلت و بلاوت اور کند ذہنی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وضو سے ہوشیاری و بیداری کا اثر نفس پر پڑتا ہے۔

۳۔ نیند اخ الموت (موت کا بھائی) ہے، اس لئے ناقضِ وضو ہے۔

پاخانہ جانے اور اس سے نکلنے کے وقت اَعُوْذ اور غُفْرَانَکَ پڑھنے کی وجہ

پاخانہ کو جانے کے وقت اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ ۔ترجمہ۔یعنی اے میرے خدا میں تجھ سے نجاستوں اور جنّوں وجنّیوں وشیاطین سے پناہ مانگتا ہوں، پڑھنا اس لئے مستحب ہے کہ اس جگہ شیاطین جمع رہتے ہیں، جن کو نجاست بھاتی ہے۔ اور پاخانہ سے نکلنے کے وقت غُفْرَانَکَ کہے، یعنی میں ان سے تیری مغفرت کا پردہ چاہتا ہوں۔ کیونکہ پاخانہ میں ذکر الٰہی ترک ہو جاتا ہے اور شیاطین سے مخالطت کا وقت ہوتا ہے۔ اس لئے مغفرت مانگنی مناسب ہے۔

تین ڈھیلوں سے امر استنجاء کی وجہ

اور گوبر و ہڈیوں سے منع استنجاء کا راز

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهٖ اُعَلِّمُكُمْ اِذَا اَتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَلاَ تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَ لاَ تَسْتَدْبِرُوْهَا وَ اَمَرَ بِثَلاثَةِ اَحْجَارٍ وَ نَهٰى عَنِ الرَّوْثَةِ وَالرَّمَةِ وَ نَهٰى اَنْ يَسْتَطِيْبَ الرَّجُلُ بِيَمِيْنِهٖ ۔ترجمہ۔یعنی حضرت ابی ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں تمہارے لئے بمنزلہ باپ کے ہوں۔ تم کو آداب سکھاتا ہوں۔ جب تم پاخانہ کو جاؤ تو قبلہ رو اور قبلہ پشت ہو کر نہ بیٹھو اور استنجاء میں تین ڈھیلوں کا امر فرمایا۔ اور گوبر اور ہڈیوں سے اور دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا منع فرمایا۔

ا۔ استنجاء کے واسطے تین ڈھیلے اس لئے مقرر فرمائے کہ صفائی کے لئے ایک حد کا مقرر کرنا ضروری تھا۔ وگرنہ وہمی آدمی سارا سارا دن استنجاء ہی کرنے میں گذار دیتے۔ باوجود اس قدر تاکید شدید کے ہم بعض وہمیوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ایک ہی استنجاء کے لئے ڈہیلوں کا ڈھیر لگا دیتے ہیں اور پانی کے کئی مٹکے خالی کر دیتے ہیں۔ تین سے کم ڈہیلوں سے بخوبی صفائی و پاکیزگی حاصل نہیں ہوتی۔ تین سے زیادہ میں تضیع وقت اور وہم کا بڑہانا اور وہم میں داخل ہونا ہے۔ گوبر اور ہڈیوں سے استنجاء اس لئے منع ہوا کہ ان میں اکثر موذی جانور سانپ، بچھو، جراثیم امراض وغیرہ اور کئی قسم کے دوسرے کاٹنے والے کیڑے بیٹھے رہتے ہیں۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنظر شفقت و رحمت اپنی امت کو ان سے استنجاء کرنا

منع فرمایا، تاکہ استنجاء کرنے والے کو موذی جانور نہ کاٹے اور ایذا نہ پہنچائے۔ وجہ یہ ہے کہ اکثر ہوام و جانورانِ موذیہ سانپ وبچھو ہزارہا وغیرہ کی پیدائش گوبر و ہڈیوں میں سے ہوتی ہے اور انہی سے ان کی خوراک و پرورش ہوتی ہے اور ان کی سوراخ دار جگہوں میں ایسے جانور گھسے رہتے ہیں۔ اس لئے کہ جہاں کسی چیز کی پیدائش وخوراک کا سامان ہو، وہاں اس کا اکثر قیام رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان سے استنجاء کرنا منع ہوا، تاکہ ان کے اندر سے نکل کر کوئی زہریلا جانور استنجاء کرنے والے کو ایذا نہ پہنچائے۔ بعض احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے جانوروں کو جنّات میں مذکور فرمایا ہے۔ چنانچہ ہمارے ایک محسن ومربی نے احادیث میں سے لیکر بطور اختصار الفاظ ذیل میں ایسے جانوروں کا ذکر کیا۔ اَلْجِنَّةُ اَقْسَامٌ. اَلْحَيَّاتُ وَ الذَّبَابُ وَالنَّمْلَةُ الْحُمْرَىٰ وَ هَوَامُ الْوَبَاءِ وَغَيْرِهَا ۔یعنے جِنات کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ سانپ، مکھیاں، سرخ چیونٹیاں اور وبائی کیڑے وغیرہ۔

واضح رہے کہ اس میں اس مخلوق الٰہی یعنی جِنّوں کی نفی نہیں کی گئی۔ جو اس عالم میں ایک غیر مری ناری مخلوق موجود ہے۔ اور جن کے علامات وآثار محسوس ومعلوم ہو رہے ہیں۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جِنّات سے حکایتہً ذکر فرمایا ہے۔ يَـارَسُـوْلَ اللهِ اِنْـهُ اُمَّتَكَ عَنِ الاِسْتِنْجَاءِ بِالْعَظْمِ وَ الرَّوْثِ فَاِنَّ اللهَ تَعَالىٰ جَعَلَ لَنَا فِيْهَا رِزْقاً ۔یعنی جِنّات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ اپنی امت کے لوگوں کو ہڈیوں وگوبر سے استنجاء کرنا منع فرماویں، کیونکہ خدا نے ان میں ہماری روزی رکھی ہے۔ اور ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ لَاتَسْتَـنْـجُـوْ بِـالـرَّوْثِ وَالْـعِظَامِ فَاِنَّهَا زَادَ اِخْوَانُكُمُ الْجِنِّ ۔یعنی گوبر اور ہڈیوں سے استنجاء نہ کیا کرو، کیونکہ یہ چیزیں تمہارے بھائیوں جِنّات کی خوراک ہیں۔

واضح ہو کہ ہر ایک چیز کی خوراک خداتعالےٰ نے اس چیز میں رکھی ہے، جس چیز سے اس کو پیدا کیا ہے۔ آدمی کو پانی ومٹی کے خمیر سے پیدا کیا، لہٰذا آدمی کی خوراک بھی مٹی و پانی سے پیدا ہوتی ہے۔ بنظر غور دیکھو جنات یعنی حشرات الارض موذیہ کو ہڈیوں وگوبر سے، جو دراصل مٹی و پانی کا خمیر ہوتے ہے، پیدا کیا۔ لہٰذا ان کی خوراک بھی ان میں رکھی۔ اخوان یعنی آدمیوں کے بھائی جنات کو اس واسطے فرمایا کہ جیسا کہ آدمی کی پیدائش مٹی و پانی سے ہوتی ہے، ایسا ہی حشرات کی پیدائش بھی مٹی و پانی کے خمیر سے ہی ہوتی ہے۔ آدمی کی پیدائش مٹی سے یوں ہوتی ہے کہ غلّے، میوہ جات مٹی سے پیدا ہوتے ہیں۔ آدمی ان کو کھاتا ہے، اس سے منی پیدا ہوتی ہے اور منی سے آدمی بنتا ہے۔ اور پھر مدام آدمی ان غلّہ جات ومیوہ جات وغیرہ اشیاء کو کھاتا رہتا ہے اور اس کا جسم بڑھتا رہتا ہے۔ گویا آدمی کی خلق ہوتی ہے۔ بلکہ

یوں سمجھو کہ جنّات یعنی حشرات الارض وغیرہ حیوانات اور آدمیوں کی پیدائش مٹی ہی سے ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ ان کی ماں واصل ٹھہری اور پانی جو آسمان سے اتر کر مٹی پر پڑتا ہے، وہ مرد کی منی عاقدہ کے منزلہ ہوتا ہے، جس سے خمیر ہوتا ہے۔ پس چونکہ آدمی و جنات کی اصل و ماں مٹی ہے۔ لہٰذا وہ دونوں جنسیں آپس میں بھائی ٹھہرے۔ یہی مٹی ہے، جو مختلف رنگوں میں ظاہر ہورہی ہے۔ کہیں شاہ و گدا ہے اور کہیں درخت اور کہیں آدمی اور کہیں درندے و پرندے اور کہیں خوراک و پوشاک اور کہیں لوہا و سونا و چاندی و پیتل وغیرہ دہات اور کہیں مواشی اور کہیں چاند اور کہیں عطارد و زحل و مریخ و مشتری و زہرہ اور کہیں عاشق دل ربودہ و دلدادہ اور کہیں معشوق دلربا۔ کہیں ریل و آگبوٹ و محل و ماڑیاں اور کہیں طاؤس و مینا و کہیں قمری و فاختہ و طوطا وغیرہ وغیرہ۔ ہزارہا اشکال و صورتوں میں مٹی ہی جلوہ گر ہے۔

ان کے علاوہ خدا تعالیٰ کی ایک اور مخلوق ہے، جس کی پیدائش آگ سے ہوتی ہے۔ ان کو بھی جنّ کہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۔ یعنے خدا تعالیٰ نے جنّ کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا۔ اس آتشی مخلوق کی خوراک بھی آتش ہی ہے۔ ہم قبل ازیں ظاہر کر چکے ہیں کہ خدا نے ہر جنس کی خوراک اس کے اصل مادّہ میں رکھی ہے، جہاں سے اس کی پیدائش ہوئی ہے۔ لکڑی کا کیڑا اسی سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کی خوراک لکڑی میں میں موجود ہے۔ مدار کا کیڑا مدار سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کی خوراک مدار میں موجود ہے۔ لوہے کا کیڑا لوہے سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کی خوراک لوہے میں موجود ہے۔ آگ کا کیڑا سمندر آگ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کی خوراک آگ میں ہے۔ پتھر کا کیڑا پتھر میں پیدا ہوتا ہے۔ اس کی خوراک اسی میں ہے۔ پانی کے کیڑے پانی میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی خوراک اسی میں موجود ہے۔ گوبر و ہڈیوں کے کیڑے انہی میں سے پیدا ہوتے ہیں اور وہی ان کی خوراک ہے۔

۲۔ گوبر و ہڈیوں سے استنجاء کرنا موجب امراض شدیدہ ہے۔ کیونکہ ان میں زہریلے حشرات کے زہریلے علامات اور ہوائے متعفّنہ کے سمی و قاتلہ آثار ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ اگرچہ ان میں کسی وقت کیڑے نہ بھی موجود ہیں۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لوگوں کی محض بنظر شفقت و مرحمت ان ضرروں سے بچنے کے لئے گوبر و ہڈیوں کے ساتھ استنجاء کرنا منع فرمادیا۔ یعنی آپ نے ایسا کام کیا، جیسا کوئی اپنے بچوں کو اشیائے ضرر رساں کے استعمال سے روک دیا کرتا ہے، تا کہ ان کو ضرر نہ پہنچے۔ چنانچہ حدیث مذکور الصدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صریحاً اس امر کا اشارہ فرمادیا کہ تم میرے پیارے بچوں کے منزلہ ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ تم کو کوئی ضرر پہنچے اور خدا تعالیٰ نے بھی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پدری محبت وشفقت کی، جو آپ کو اپنی امت سے ہے، قرآن کریم میں تصدیق فرمادی ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے لَقَدْ جَاءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُفٌ رَّحِیْمٌ۔ ترجمہ۔ یعنی تمہارے پاس ہمارا رسول آیا ہے اور وہ تم میں سے ہے، تم کو کوئی تکلیف ودکھ ہو تو اس کو ناگوار گذرتا ہے۔ وہ تم سے حرص رکھتا ہے، وہ مؤمنوں پر رؤف ورحیم ہے۔

اپنی امت کی تکلیف سے آنحضرت صلی اللہ علہ وسلم کو ایسی تکلیف ودکھ ہوتا ہے جیسا کہ کسی کے بیٹے کو تکلیف ومصیبت پہونچنے سے باپ کو تکلیف ہوتی ہے۔

با خبر را دل تپد بر بے خبر — رحم بر کورے کند اہل بصر
ہمچنیں قانون قدرت او فتاد — مر ضعیفاں را قوی آرد بیاد
چوں ازیں قانوں شود رحماں بروں — رحم یزداں از ہمہ باید فزوں

خداوند تعالیٰ کا احکام ممنوعہ ومحرمات سے اپنے بندوں کو منع کرنا بنظرِ مرحمت وشفقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑھ کر ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَیُحَذِّرُ کُمُ اللہُ نَفْسَہٗ وَاللہُ رَؤُفٌ بِالْعِبَادِ۔ یعنی خدا تعالیٰ تم کو اپنی طرف سے بنظر شفقت ومرحمت محرمات وممنوعات سے حذر کرنے اور بچنے کے لئے آگاہ فرماتا ہے کہ مبادا ارتکاب محرمات سے تم کو ضرر پہونچے اور تم مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ۔ کیونکہ وہ بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ امت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دلسوزی وہمدردی وشفقت ومرحمت آنحضرت کو مقام فنافی اللہ میں پہنچ کر خدا تعالیٰ سے عطا ہوئی تھی۔

اسی طرح حسب مراتب جس کو خدا تعالیٰ سے زیادہ قرب ہوگا، وہ خدا تعالیٰ کی مخلوق سے زیادہ ہمدردی کرے گا۔ اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللہِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عَیَالِہٖ۔ ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مخلوقِ دنیا خدا تعالیٰ کے کنبہ کے بمنزلہ ہے۔ پس مخلوق میں سے خدا کو وہی زیادہ پیارا ہے، جو اس کے کنبہ سے بھلا کرے۔

قہقہ۔ قے۔ نکسیر سے امر وضو کا راز

بہتا ہوا خون اور قے کثیر بدن کو آلودہ کرنے والی اور نفس کو پلید کرنے والی چیزیں ہیں۔ اور نماز میں قہقہ لگانا ایک قسم کا جرم ہے، جسکا کفارہ ہونا چاہیئے۔ اگران چیزوں سے شارع وضو کا حکم دے تو کچھ عجب نہیں ہے۔ نماز میں قہقہ کسی نفسانی پلیدی کے باعث ہوتا ہے، جسکا ازالہ وضو سے کرنا لازم ہوا۔

جواب اس سوال کا کہ شرمگاہ یا عورت کو چھونے اور گوشت شتر کھانے سے امر وضو کیوں ہوا، کیا ان سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

امور مندرجہ عنوان مذکور کو اکثر علماء نواقض وضو میں شمار نہیں کرتے اور بعض نواقض میں شمار کرتے ہیں۔اور بعض ایسی احادیث کو، جن میں امر وضو ہے، منسوخ قرار دیتے ہیں۔بعض نواقض تو نہیں کہتے، مگر بطور احتیاط وضو کرنا بتاتے ہیں۔ خاکسار راقم حروف کی رائے میں بھی وہ وضو توڑنے والے نہیں ہیں۔مگر چونکہ ہر گروہ کے علمائے کرام وفقہائے عظام ومحدثین ذوی الاحترام ان کے متعلق اپنے اپنے دلائل بیان کرتے ہیں، اس لئے لازم ہے کہ ہم ان کے وجوہات نواقض وعدم نواقض بیان کرنے کے بعد ایک قول فیصل ورائے صائب کا اظہار کریں، جس سے پورا پورا انکشاف حق ہو جائے۔مندرجہ ذیل امور احادیث میں مذکور ہیں، جن کے متعلق امر وضو اور پھر عدم امر وضو ورخصت کا ذکر بھی آیا ہے۔

ذکر وعورت کو چھونے سے امر وضو کی وجہ جو حضرت ابن قیم وشاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہما نے بیان کی ہے، ہم اس کو سوال وجواب کے پیرایہ میں درج کرتے ہیں۔

سوال۔ذکر کے چھونے سے وضو کا ٹوٹ جانا اور باقی اندامو ں اور گندگی وبول وبراز کو ہاتھ لگانے سے وضو نہ ٹوٹنے کا کیا راز ہے۔

جواب۔اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے۔ **مَنْ مَسَّ ذَکَرَہٗ فَلْیَتَوَضَّأْ** ۔یعنی جو شخص اپنے عضو تناسل کو چھوئے وہ وضو کرلے۔لہٰذا واضح ہو کہ صحیح حدیث میں ذَکر کے چھونے سے دوبارہ وضو کرنے کا حکم آیا ہے۔اور اس کے برخلاف بھی ذکر آیا ہے۔یعنی وضو نہیں ٹوٹتا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا **ھَلْ ھُوَ اِلَّا بِضْعَۃٌ مِنْکَ** ۔ کیا وہ تیرے جسم کا ایک ٹکڑا نہیں ہے؟ یعنی اس کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔بعض کے نزدیک یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔اور بعض کی رائے ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔اور بعض کہتے ہیں کہ یہ حدیث محکم ہے اور عدم وجوب وضو پر دال ہے۔اور جس حدیث میں امر آ گیا ہے، اس میں استحباب وضو کی دلیل ہے۔بہر حال اس امر کے بارے میں علماء میں تین رائیں ہیں۔اور سوال کرنے والے کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کا امر فرمانا اس حدیث کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔پس وضو کرنا احتیاط میں داخل ہے۔حضرت ابن قیم کہتے ہیں کہ مَسِ ذَکر سے امرِ وضو کی یہ وجہ ہے کہ یہ امر کمالِ شریعتِ حقہ اور اس کی خوبیوں میں سے ہے کہ ایسے ایسے امور سے آگاہ فرما دیا ہے کہ جن کے

ارتکاب سے عمل مشروع میں نقص وخلل آ جاتا ہےاورانسان کوخبرنہیں ہوتی۔ذَکر کا چھونا جماع کو یاددلاتا ہےاور غالباًاس سے انتشار کا گمان ہوسکتا ہے۔یاخروجِ مذی کا احتمال ہوتا ہےاورآدمی کو پتہ نہیں ہوتا۔ اورخروجِ مذی سے اس کا وضوٹوٹ جاتا ہے۔پس یہ گمان بباعث پوشیدگی وکثرت وجود کے قائم مقام حقیقت کے ٹھہرایا گیا،جیسا کہ نیند کوقائم مقام بے وضوہونے کا ٹھہرایا گیا۔اورعورت کومَس شہوت سے قائم مقام حدث کے ٹھہرایا گیا۔اورنیزمَسِ ذَکرموجب انتشارحرارتِ شہوت اوراس کے برانگیختہ کرنے کا سبب ہے۔اوروضواس حرارت کو بجھادیتا ہے۔اوریہ امرمشہودومحسوس ہے۔مَسِ ذَکر سے امروضواس وجہ سے نہیں ہوا کہ ذَکرنجس ہے یا کہ مجرائےنجاست ہونے کی وجہ سے اس کوچھونے سے وضوٹوٹ جاتا ہے،تا کہ اس پرسوال وارد ہوکر پلیدی اور بول کو ہاتھ لگانے سے وضونہیں ٹوٹتا،تو ذَکرکوچھونے سے کیونکر وضوٹوٹ جاتا ہے۔ بلکہ مَسِ ذَکر سے امروضوکی وجہ ان امورکی روسے ہے،جن کااوپرذکرہوچکاہے۔

۲۔عضوتناسل کا چھونا ایک بیہودہ فعل ہے۔اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استنجاء کرنے کے وقت دائیں ہاتھ سے ذکرکوچھونے سے منع فرمایا ہےاور جب ذکرکو ہاتھ لگائے تو وہ ایک شیطانی فعل ہے۔لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایامَنْ مَسَّ ذَکَرَہ‘ فَلْیَتَوَضَّاءُ ۔یعنی جوذَکرکو چھوئے وہ وضوکرے۔اورعورت کو ہاتھ لگانے سے شہوت کا ہیجان و جوش ہوتا ہے اوراس میں ایک شہوت کا جوش، جوشہوت سے کم ہے، پورا کرنا پایا جاتا ہے۔پس ان امور سے وضوکرنے میں جواحتیاط کرے گااس کا دین وعزت محفوظ رہے گی۔ورنہ خالص شرع میں اس سے کچھ گرفت نہیں ہے۔ایسا ہی گوشت شتراوراس کے دودھ کےمتعلق بطورسوال و جواب حضرت شاہ ولی اللہ وابن قیم رحمۃ اللہ علیہما کی تحریروں کا خلاصہ کرکےہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

سوال۔گوشت شتر کھانے سے وضوکرنا خلاف قیاس ہے۔کیونکہ وہ گوشت ہےاور گوشت کھانے سے وضونہیں کیا جاتا۔

جواب۔شارع علیہ السلام نے جیسا کہ دوگوشتوں کے درمیان فرق بیان فرمایا ہے،ایسا ہی دو مکانوں اور دو چرواہوں کے درمیان یعنی اونٹوں کے چرانے والوں اور بکریوں کے چرانے والوں کا مابین ظاہرفرمایاہے۔چنانچہ فرمایا۔ اَلْفَخْرُ وَالْخَیْلَاءُ فِی الْفَدَادِیْنِ اَصْحَابِ الْاِبِلِ وَالسَّکِیْنَۃُ فِیْ اَصْحَابِ الْغَنَمِ ۔ترجمہ۔یعنی فخراور بڑائی اونٹ والوں میں ہےاورسکینت ووقاربکری والوں میں ہے۔بکریوں کے مکان میں نماز پڑھنا جائزفرمایااوراونٹوں کے مکان میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔ چنانچہ فرمایاصَلُّوْا فِیْ مَرَاحِ الْغَنَمِ وَ لَا تَصَلُّوْا فِیْ مَعَاطِنِ الْاِبِلِ ۔ترجمہ۔بکریوں کے باڑے

میں نماز پڑھ سکتے ہو۔البتہ اونٹوں کے باندھنے کی جگہ پر نہ پڑھو۔اونٹ کا گوشت کھانے سے امر وضو فرمایا اور بکری کا گوشت کھانے سے امر وضو نہیں کیا گیا۔یہ فرق ایسا ہے جیسا کہ سود اور خرید وفروخت اور مذبوح اور غیر مذبوح میں فرق ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ فخر اور کبر اونٹ والوں میں ہے۔اور آرام وسکینت وانکسار بکری والوں میں ہوتا ہے۔اور یہ بھی آیا ہے کہ ہر اونٹ کے سر پر ایک شیطان ہوتا ہے۔اور یہ بھی حدیث میں مذکور ہے کہ اونٹ جِنّ ہے اور اس کی پیدائش جِنّ سے ہوئی ہے۔وجہ یہ ہے کہ اونٹ میں شیطانی قوت کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ہر چیز کے گوشت کا اثر جسم میں بالضرور ظاہر ہوتا ہے۔درندے، جانور اور چنگال والے پرندے یعنی پنجے دار جانور اس لئے حرام ہوئے ہیں کہ ان میں درندگی ،سرکشی اور جَور کی عادت ہے اور ان کا اثر کھانے والے میں بالضرور ظاہر ہوتا ہے، جو انسان کے دین میں مضر ہے۔پس جب کہ اونٹ میں شیطانی قوت کا ہونا مسلم بات ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے۔اور ایک حدیث نبوی میں آیا ہے کہ غصہ شیطان سے ہے۔پس جب تم میں سے کسی کو غصہ آوے تو وضو کرے۔اِنَّ الْغَضَبَ مِنَ الشَّيْطَانِ فَاِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّاءُ ۔ایسا ہی جب انسان اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرتا ہے،تو اس کے وضو کرنے سے وہ شیطانی قوت بجھ جاتی ہے اور وہ فساد زائل ہو جاتا ہے۔اس لئے ہمیں امر ہوا کہ بطور استحباب ہر ایک ایسی چیز کے کھانے سے وضو کر لیں، جو آگ سے پکائی جاتی ہے۔کیونکہ آگ کی پکائی ہوئی چیز کھانے سے ملائکہ کے ساتھ مشابہت منقطع ہو جاتی ہے۔

۳۔علاوہ بریں آگ کی پکی ہوئی چیز نار جہنم کو یاد دلاتی ہے۔لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاضرورت داغ لگوانے سے منع فرمایا ہے۔

۴۔حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ گوشت شتر کے متعلق لکھتے ہیں کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے امر وضو کا بھید یہ ہے کہ اونٹ کا گوشت توریت کے اندر حرام کیا گیا تھا اور تمام انبیاء بنی اسرائیل اس کی حرمت پر متفق رہے ہیں۔ہمارے واسطے خدا تعالےٰ نے اسکو حلال کر دیا،تو اسکے ساتھ دو وجہ سے وضو بھی مقرر فرمایا۔ایک تو یہ کہ اس وضو سے اس بات پر شکر یہ ادا ہو جائے کہ پہلے لوگوں پر اسکا کھانا حرام تھا اور ہمارے واسطے حلال کر دیا گیا۔دوسرے یہ کہ اس کے حلال قرار پانے پر، بعد اس کے کہ تمام انبیائے بنی اسرائیل پر حرام رہا،اس بات کا احتمال تھا کہ لوگوں کے دلوں میں اس کے حلال ہونے سے ایک طرح کا کھٹکا پیدا ہو سکتا تھا،لہٰذا اس کے علاج کے لئے وضو کو مقرر فرمایا۔کیونکہ اس کی حرمت سے اس حلّت کی طرف،جسکے استعمال سے وضو لازم آ جاوے،انتقال کرنا کسی قدر سہل اور باعث تسکین خاطر ہے۔

واضح ہو کہ شرمگاہ عورت کو چھونے اور متغیرہ اشیائے آتش کے کھانے سے امر وضو کے متعلق جو احادیث آئی ہیں، ان کے برخلاف احادیث متعارضہ بھی آئی ہیں۔ لہٰذا علماء میں ان امور کے متعلق اختلاف ہے۔کوئی ان احادیث کے منسوخ ہونے کا قائل ہے، جن میں امر وضو کا ذکر ہے، کوئی ان کو محکم بتاتا ہے۔ بہرحال ہماری رائے میں ان سب احادیث میں سے نہ کوئی منسوخ ہے اور نہ پہلی احادیث میں امر وضو کا وجوب ہے، بلکہ سب میں بطور استحباب امر وضو کا اشارہ ہے۔اور یہ امور اس قبیل سے ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو تم میں سے غصہ آوے وضو کرے۔ حالانکہ غصہ سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ بلکہ اس میں غصہ کی آگ بجھانے کے لئے استحباب وضو کی طرف اشارہ ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مَنْ مَسَّ ذَكَرَهٗ فَلْيَتَوَضَّاءُ۔یعنی جب کوئی ذکر کو چھوئے تو وضو کرے۔اس امر وضو سے ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے وضو کا واجب ہونا سمجھ لیا۔لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دوبارہ استفسار کیا تو آپ نے اس کو جواب فرمایا کہ ذَکر تو تیرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے۔ یہ اس لئے فرمایا کہ اس صحابی کے دل میں وجوب امر کا خیال نہ رہے۔ایسا ہی امر وضو درباب مس عورت وذَکر و متغیرہ آتش کے کھانے سے ہے۔ یہ سب بطور استحباب ہیں اور اس سے نہ کسی حدیث میں تعارض آتا ہے اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک کلام کو منسوخ ٹھہرانا پڑتا ہے۔حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ بھی لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک آدمی کو اس میں احتیاط کرنی بہت ضروری ہے۔

لڑکی کے بول کرنے سے کپڑے کو دھونے

اور لڑکے کے بول سے کپڑے پر صرف پانی چھڑکنے کی وجہ

ا۔لڑکی اور لڑکے کے بول میں فرق ہونے کی تین وجوہات ہیں۔اول یہ کہ مرد وعورتیں لڑکے کی بہ نسبت لڑکی کو زیادہ اٹھاتے ہیں اور بباعث عموم بلوی کے اس کے بول کا دھونا مشکل ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ لڑکے کا بول ایک ہی جگہ پر نہیں ٹھہرتا، بلکہ متفرق جگہ پر پڑتا ہے اور اس میں بھی بباعث عموم بلوی ہونے کے سارے کپڑے کا دھونا مشکل ہوتا۔اور لڑکی کا بول اکثر ایک ہی جگہ پڑتا ہے اور وہ بآسانی دھویا جاسکتا ہے۔تیسری وجہ یہ ہے کہ لڑکی کا بول بباعث کثرت رطوبت کے زیادہ ناپاک اور بدبودار ہوتا ہے۔اور لڑکے کی کثرت حرارت اس کے بول کی بدبو کو خفیف کرتی اور رطوبت کو پگھلا دیتی ہے۔اس لئے اس میں بدبو و ناپاکی کم ہوتی ہے۔ یہ وہ امور ہیں جو اپنے حسن اعتبار سے لڑکی اور لڑکے کے بول میں فرق ظاہر کر رہے ہیں اور انہیں وجوہات کو نور نبوت نے تمیز کر کے ان کے دھونے میں بھی مختلف حکم

فرمایا ہے۔

لڑکی اورلڑکا جب تک طعام نہ کھاتے ہوں، ان کے بول کے متعلق فقہائے کرام وعلمائے عظام کے تین اقوال ہیں۔اول یہ کہ جس کپڑے پرلڑکی یالڑکے کا بول پڑے اس جگہ کو دھویا جائے۔دوسرے یہ قول ہے کہ پانی چھڑکا جائے۔تیسرا فرق عنوان الصدر آیا ہے۔اور یہ امر شریعت اسلامیہ کی خوبیوں و حکمتوں ومصلحتوں پر مبنی ہے۔

۲۔ابن ماجہ کی ایک حدیث میں یہ وجہ بتائی گئی ہے۔ابوالیمان مصری راوی ہے۔قَالَ سَالْتُ الشَّافِعِیَّ عَنْ حَدِیْثِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُرَشُّ مِنْ بَوْلِ الْغُلَامِ وَ یُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْجَارِیَۃِ وَالْمَاآنِ جَمِیْعًا وَاحِدٌ. قَالَ لِاَنَّ بَوْلَ الْغُلَامِ مِنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ وَ بَوْلَ الْجَارِیَۃِ مِنَ اللَّحْمِ وَالدَّمِ. قَالَ لِیْ فَھِمْتَ اَوْ قَالَ لُقِّنْتَ. قَالَ لَا. قَالَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَمَّا خَلَقَ آدَمَ خُلِقَتْ حَوَّاءُ مِنْ ضَلْعِہِ الْقَصِیْرِ فَصَارَ بَوْلَ الْغُلَامِ مِنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ وَ صَارَ بَوْلَ الْجَارِیَۃِ مِنَ اللَّحْمِ وَالدَّمِ. قَالَ قَالَ لِیْ فَھِمْتَ . قُلْتُ نَعَمْ. قَالَ لِیْ نَفَعَکَ اللّٰہُ بِہٖ. ترجمہ۔یعنی ابو یمان مصری کہتا ہے۔میں نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا راز پوچھا جو آپ نے فرمایا ہے کہ لڑکے کے بول سے کپڑے پر پانی کے چھینٹے مارے جائیں اورلڑکی کے بول کرنے سے کپڑا دھویا جائے۔میں نے پوچھا کہ ان دونوں بولوں میں اختلاف امر کی وجہ کیا ہے حالانکہ دونوں پانی یعنی بول ہی ہیں اور ناپاک ہیں۔حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لڑکے کا بول پانی اور مٹی سے ہوتا ہے اورلڑکی کا بول گوشت اور خون سے ہوتا ہے۔پھر مجھے کہا کہ کیا تو نے اس بات کا راز سمجھ لیا۔میں نے کہا کہ نہیں سمجھا۔فرمایا کہ جب خدا تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو حوا علیہا السلام کو اسکی (بائیں طرف کی) چھوٹی پسلی سے پیدا کیا۔پس لڑکے کا بول پانی اور مٹی سے قرار پایا۔ اورلڑکی کا بول گوشت وخون سے ہوا۔لہٰذا انکے دھونے میں بھی مختلف حکم ہوا۔پھر مجھ سے فرمایا، کیا تو نے اس حکم کے راز کو سمجھ لیا۔میں نے کہا، میں نے اس راز کو سمجھ لیا۔مجھے فرمایا، خدا تجھے اس سے نفع دے۔

حاجت بول و براز کے وقت منع نماز کی وجہ

ا۔نفس کے اندر وضو کا اثر اسی وقت پیدا ہوسکتا ہے کہ جب نفس کو اور کاموں سے فراغت ہو۔ اور فراغت اس وقت ہوسکتی ہے کہ جب شکم کے اندر نفخ وغیرہ سے تردد اور اضطراب نہ ہو۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا یُصَلِّی اَحَدُکُمْ وَ ھُوَ یُدَافِعُہُ الْاَخْبَثَانُ ۔یعنی تم میں سے کوئی شخص نماز کو کھڑا نہ ہو جب اس کو پاخانہ و پیشاب کی حاجت ہو۔اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم نے آ گاہ فرمایا ہے کہ نفس کے کسی اور طرف مشغول ہونے میں حدث کے معنے پائے جاتے ہیں۔ اور نماز کی طرف انسان کی توجہ نہیں ہوسکتی بلکہ وہ ایسی حالت میں پاخانہ و پیشاب کی مدافعت میں مشغول ہوجاتا ہے۔

۲۔جس بول و براز سے دل میں انقباض اور پراگندگی و عدم حضور کا لاحق ہونا یقینی ہے اور جب حضور نہ ہوا اور پراگندگی رہی تو نماز ناقص رہے گی۔لہٰذا ایسے سبب کو رفع کرنے کا حکم ہوا، جو نماز میں پراگندگی اور عدم حضور کا باعث ہو۔چنانچہ علامہ حکیم محمد تونسیؒ اپنی کتاب "کنوز الصحة "میں لکھتے ہیں۔اَنَّ حَصْرَ الْبَوْلِ فِي الْمَثَانَةِ مُدَّةً طَوِيْلَةً مُضِرٌّ تَنْشَاءُ عَنْهُ عَوَارِضَ خَطَرَةً كَسَلْسَلِ الْبَوْلِ وَ الْحَصَاةِ وَ غَيْرِ ذَالِكَ، فَيَجِبُ عَلَى الْاِنْسَانِ اَنْ يَّبُوْلَ كُلَّمَا اَحَسَّ بِالْبَوْلِ وَ لَا يَحْصُرَه' مُطْلَقًا ، وَ يَرْحَمُ اللّٰهُ الْقَائِلَ.

وَلَا تَحْبِسِ الْفُضَلَاتَ عِنْدَانْهِضَامِه وَ لَوكُنْتَ بَيْنَ الْمُرْهِفَاتِ الصَّوَارِمِ

ترجمہ۔بول کو مثانہ میں بہت دیر تک روکنا ضرر رساں ہے۔اس سے خطرناک امراض سلسل البول اور سنگ مثانہ وغیرہ پیدا ہوجاتی ہیں۔پس انسان پر لازم ہے کہ جب بول کی حاجت ہو،تو اسی وقت بول کرے اور اس کو ہرگز نہ روکے۔چنانچہ کسی نے اس بارے میں کہا ہے کہ جب فضلات ہضم ہوچکیں،تو ان کو مت روک اگرچہ تم چلتی ہوئی تلواروں کے درمیان ہو۔

بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْن

مسح موزہ کا راز

چونکہ وضو کا ان اعضائے ظاہرہ کے دھونے پر مدار تھا، جو جلد جلد گرد و غبار میں آلودہ ہوتے رہتے ہیں اور پھر موزوں کے پہننے سے اعضائے باطنیہّ میں داخل ہوجاتے ہیں اور عرب میں موزوں کے پہننے کا بہت دستور تھا اور ہر نماز کے وقت ان کے اتارنے میں ایک قسم کی دِقّت تھی،اس واسطے فی الجملہ ان کے پہننے کی حالت میں ان کا دھونا ساقط کردیا گیا۔اور حکم دیا گیا کہ موزے کے اوپر مسح کیا کریں،تاکہ پَیروں کا دھونا یاد آجائے۔مسح پَیروں کے دھونے کا ایک نمونہ ہے اور اس سے اس کے سوا اور کچھ مقصود نہیں ہے۔اور یہ مسح توبہ الی اللہ کی طرف اشارہ ہے۔

موزہ پر نیچے کی جانب مسح مشروع نہ ہونے کی وجہ

اگر مسح موزہ کے نیچے کی جانب مشروع ہوتا تو بڑا حرج تھا۔ کیونکہ نیچے کی جانب مسح کرنے میں زمین پر چلتے وقت موزوں کے گرد آلوہ ہونے کا گمان غالب ہے۔ لہٰذا عقل کا مقتضیٰ یہی ہے کہ اوپر کی جانب مسح کیا جاوے۔

مسح موزہ مقیم کے لئے ایک دن رات

اور مسافر کے لئے تین دن رات مقرر ہونے کی حکمت

جہاں آسانی کر دی گئی ہے، وہاں کوئی ایسی چیز، جس کی وجہ سے نفس کو عبادت مطلوبہ کے ترک کرنے میں مطلق العنانی نہ ہو جائے، مقرر کر دی جائے۔ لہٰذا شارع علیہ الصلوۃ والسلام نے اس بات کے حاصل کرنے کے لئے وہ باتیں اس کے ساتھ مقرر کر دیں۔ ایک تو مسح کی مدت مقیم کے لئے ایک دن رات اور مسافر کے لئے تین دن رات مقرر فرمائے۔ اس لئے کہ ایک دن رات کی ایسی مدت ہے کہ اس کا التزام اور انتظام ہوسکتا ہے۔ بہت سی چیزوں کو جن کا التزام کرنا چاہتے ہیں اسی مدت کے ساتھ ان کا التزام رکھتے ہیں۔ اور تین دن رات کی مدت بھی ایسی ہی ہے۔ ہ دونوں مدّتیں مقیم و مسافر پھر ان کے رفع حرج اور تکلیف کے موافق تقسیم کر دی گئی ہیں۔ پھر شارع علیہ السلام نے اس میں یہ دوسری شرط لگا دی کہ موزوں کو طہارت کی حالت میں پہنا ہو، تاکہ پہننے والے کے دل میں اس وقت کی طہارت کا نقشہ جما رہے۔ اس لئے کہ موزوں کی حالت میں گرد و غبار کا اثر کم ہوتا ہے۔ اس طہارت کو وہ اس طہارت پر قیاس کر لیتا ہے۔ اور اس قسم کے قیاسات کا نفس کی تنبیہہ پر پورا اثر ہوتا ہے۔

موزہ پر ہاتھ کی تین انگلیوں سے مسح کرنے کا راز

قبل ازیں لکھا جا چکا ہے کہ اندامہائے وضو کا دھونا توبہ و انابت الی اللہ کا شعار ہے۔ پاؤں کا دھونا موزہ پہننے سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اور باقی اندامو ں کو دھو کر موزہ پر ہاتھ کی تین تر انگلیوں سے نشان کرنا توبہ کے تین ارکان کی طرف ایما ہے۔ اور وہ اول موجودہ گناہوں کے ترک کرنے کا مصمم ارادہ کرنا ہے۔ دوم ندامت بر مافات اور اس کا تدارک کرنا بالخیرات۔ سوم رجوع الی اللہ کرنا اور حسنات پر قائم رہنا۔ تین تر انگلیوں کا موزہ پر مسح کرنے کے لئے لگانا قائم مقام تین بار دھونے کے ہے۔ اس کا ثبوت آیت اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْن اور حدیث **اللهم اجعلنی من التوابین و اجعلنی من المتطهرین** سے ہے۔ جو وضو کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہیں۔ اور وہ حدیث نبوی جس میں وضو سے گناہ جھڑنے کا ذکر ہے۔

موزہ کا تین انگلیوں کے مقدار پھٹ جانے سے

اس پر مسح ناجائز ہونے کی وجہ

موزہ کا تین انگلیوں کی مقدار پھٹ جانے سے اس پر مسح کرنا ناجائز ہونا توبہ کے ارکان ثلاثہ کا تائب میں مفقود ہونے کی طرف ایما ہے، جن کا تائب میں موجود ہونا ضروری ہے۔

خواب میں غسل جنابت کی تعبیر

جو کوئی خواب میں پانی اور ان اشیاء کے ساتھ غسل کرے، جن کے ساتھ غسل کرنا جائز ہے، تو اس کی یہ تعبیر ہوگی کہ اس کے پیش آمدہ امور آسان وسہل ہو جائینگے اور غموم وہموم سے نجات پائے گا۔ اور اگر خواب میں اس پرگندگی ہو اور وہ اس پر پڑی رہے، تو اس کی تعبیر اس کے برخلاف ہے۔ اور جو کوئی خواب میں دیکھے کہ وہ حالت جنابت میں ہے اور غسل کرنے کے لئے پانی وغیرہ اشیاء نہیں پا سکتا، تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس پر دنیا و دین کے کام مشکل ہو جائیں گے۔ اور جو کوئی خواب میں دیکھے کہ اس نے غسل کر کے ستھرے اور نئے کپڑے پہنے ہیں، تو وہ بلاؤں اور مصیبتوں سے رہائی پائے گا۔

حکمت حق را زہادارد بسے — نکتہء مستور کم فہمد کسے

فہم را فیضان حق باید نخست — کار بے فیضاں نمے آید درست

گر نداری فیض رحماں را پناہ — ظلمتے در ہر قدم داری براہ

فیض حق را باتضرع کن تلاش — آں مردچوں توسنے آہستہ باش

باب المیاہ

شناخت طہارت آب کیلئے اوصاف ثلاثہ رنگ، بو، ذائقہ

مقرر ہونے کی وجہ

اس بات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اس عالم کی ہر چیز کی اصلی حالت صحت وصفائی وطہارت اور اس کا سقم واختلال و پاکی وناپاکی معلوم ومحسوس کرنے کے لئے معیار وموازین عدالت مقرر ومعین ہیں۔ لہٰذا کثیر پانی کی طہارت معلوم کرنے کے لئے نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے رنگ وبو وذائقہ مقرر

فرمائے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اِنَّ الْمَاءَ لَا یُنَجِّسُہٗ شَئٌی اِلَّا مَا غَلَبَ عَلٰی رِیْحِہٖ وَ طُعْمِہٖ وَ لَوْنِہٖ ۔(ابن ماجہ جلد اول)۔ترجمہ۔یعنی پانی کو کوئی چیز پلید نہیں کرتی، مگر وہ جو پانی کی اصل بو، ذائقہ اور رنگ پر غالب آجائے۔

شناخت طہارت آب کے لئے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا اوصاف ثلاثہ رنگ و بو اور ذائقہ مقرر کرنا ایسا ہے جیسا کہ انسانی جسم کی تشخیص صحت و اختلال و مرض کے لئے ملاحظہ رنگ جسم و نبض و رنگ قارورہ حکما و اطبا کے نزدیک ضروری ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ بسا اوقات ایسا واقع ہوتا ہے کہ اکثر انسان اپنی طبع سے ایسی ایسی مخالف اشیاء کھاتے ہیں اور استعمال کر لیتے ہیں، جن سے ان کی صحت جسمی بگڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ مگر خداتعالےٰ نے ان کی طبیعت و فطرت میں دافعہ و جاذبہ و ہاضمہ وغیرہ قوتیں بمنزلہ معالج کے رکھی ہوئی ہیں۔ جب تک وہ اپنی صحت پر ہوں اور اغذیہ مخالفہ سے زیادہ قوی ہوں، تو ان کے آثار کو مضمحل و مستحیل کر دیتی ہیں۔ اس لئے صحت جسم میں کوئی اختلال و بیماری ظاہر نہیں ہوتی۔ ایسا ہی خداتعالےٰ نے پانی کے اندر کچھ قوتیں رکھی ہیں، جن کو قوت صدمہ، دافعہ، کشش اتصال وغیرہ کہتے ہیں۔ بلکہ یوں سمجھو کہ جو قوتیں انسانی جسم کے اندر موجود ہیں، وہی پانی میں موجود ہیں۔ کیونکہ انسانی اجسام وغیرہ پانی ہی سے تیار ہوئے ہیں۔ لہٰذا پانی کی وہ قوتیں، جو خالق نے اس کے اندر رکھی ہیں، وہ اجزائے نجاست و غلاظت کو ایسا منہضم و مستحیل کر دیتی ہیں، جیسا انسانی اجسام مخالف اغذیہ کے آثار کو منہضم و مستحیل کر دیتے ہیں۔ اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ضعف قویٰ کے باعث جیسا کہ اجرام میں آثار اختلال و امراض ظاہر ہو جاتے ہیں، ایسا ہی پانی کے ضعف قویٰ کے باعث اس میں نجاست مستحیل و منہضم نہ ہو سکے، تو نجاست کے آثار رنگ، بو، ذائقہ پانی میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا وہ پانی ناپاک ٹھہرایا جاتا ہے۔ کثیر پانی میں کسی نجاست کے پڑنے سے اس کی شناخت طہارت و نجاست کے معیار نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے یہی تین اوصاف ٹھہرائے ہیں۔

جواب اس سوال کا کہ کیا کنوئیں سے رفع ناپاکی کے لئے ڈول نکالنا موافق عقل ہے

اسلامی فقہ کے مسئلہ ڈول کے متعلق بعض فلاسفروں کا اعتراض ہے۔ مِنَ الْعَجَبِ اَنَّہٗ لَوْ وَقَعَ فِی الْبِیْرِ نَجَاسَۃٌ نُزِحَ مِنْھَا دَلَاءٌ مَعْدُوْدَۃٌ فَاِذَا اُجْعِلَ الدَّلْوُ فِی الْبِیْرِ تَنْجَسُ وَ غُرُفُ الْمَاءِ نَجَّسَھَا وَ مَا اَصَابَ حِیْطَانَ الْبِیْرِ مِنْ ذٰلِکَ نَجَّسَھَا وَ کَذٰلِکَ مَا بَعْدَہٗ مِنَ

الدُّلَاءِ اِلٰی اَنْ تَنْتَهِیَ النَّوْبَةُ اِلَی الدَّلْوِ الْاَخِیْرِ فَاِنَّه‘ یَنْزِلُ ثُمَّ یَصْعَدُ طَاهِراً فَیَقَشْقَشُ النَّجَاسَةُ کُلَّهَا مِنْ قَعْرِ الْبِیْرِ اِلٰی رَأسِه. قَالَ بَعْضُ الْمُتَکَلِّمِیْنَ مَا رَاَیْتُ اَکْرَمَ مِنْ هٰذَا الدَّلْوِ وَ لَا اَعْقَلَ. ترجمہ۔تعجب کی بات ہے کہ اگر کنوئیں میں نجاست پڑ جائے ،تو اس سے چند ڈول نکالے جائیں۔پس جب کنوئیں میں ڈول پڑ جائے ،تو وہ بھی نجس ہو جاتا ہے اور جو پانی اس ڈول سے کنوئیں کی دیواروں کو لگتا ہے وہ ناپاک ہو جاتی ہیں ، یہاں تک کہ ڈول کے اترنے کی آخری نوبت تک دیواریں پانی سے ناپاک ہوتی رہتی ہیں۔ پھر جب آخری ڈول اوپر آتا ہے تو سب نجاست کو کنوئیں کی تہ سے لے کر اس کے سرے تک اوپر لے آتا ہے۔بعض متکلمین کہتے ہیں کہ ہم نے اس ڈول سے بزرگ اور عاقل تر کوئی اور ڈول نہیں دیکھا۔

جواب۔ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں کہ احکام شریعت کے اسرار و حکمتیں ان کے اوصاف مؤثرہ میں ظاہر و باہر ہیں۔اگر کسی حکم کی حکمت غیر معقول اور اس کا بھید عقل انسانی سے بالاتر ہوتا تو شریعت کا خطاب بھی عقل پر نہ ہوتا۔حالانکہ یہ مسئلہ مسلم ہے کہ تمام شرائع وقوانین کا خطاب و مدار عقل پر ہے۔اگر ساکنان زمین مجانین ہی پیدا ہوتے اور مجانین ہی مرتے تو ان پر کسی شریعت کا نزول نہ ہوتا اور نہ ان کے لئے کسی نبی ورسول کی بعثت کے لئے ضرورت پڑتی۔سباع وانعام وطیور وہوام یعنی درندوں ،مویشیوں اور پرندوں کو عقل عطا نہیں ہوئی ،اس لئے ان پر کسی شریعت کا نزول بھی نہیں ہوا۔مگر حضرت انسان ، جس کو عالم فرش سے لے کر عرش تک تمام اشیاء پر حکومت عطا کی گئی ہے اور جس کے بارے میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے وَ لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ آدَمَ ۔یعنے ہم نے بنی آدم کو کرامت عطا کی ہے۔وہ یہی عقل کی کرامت وشرافت ہے ،جس کی وجہ سے ان پر فوقیت رکھتا ہے۔ ورنہ کھانے ، پینے ،سونے ، جماع کرنے ،انتقام لینے وقوت غضبیہ کا حظ حیوانات عجم وسباع وطیور میں انسان سے بڑھ کر ہے۔انسان میں ان میں سے کوئی زائد چیز ہے،تو یہی عقل ہے اور اسی وجہ سے اس کو ان پر کرامت وعظمت عطا ہوئی ہے۔ الغرض اس عالم کے سارے اجزائے خورو بزرگ اس کے لئے بنائے گئے ہیں۔پس جب کہ عالم ومافیہا اس کی تکمیل اغراض کے لئے بنایا گیا ،تو ضرور تھا کہ اس کے اجزائے صِغار و کبار مؤثرہ ومتاثرہ کا علم اور ان کے فوائد ونقصانات سمجھنے کے لئے اس کو کوئی قوت متمیّزہ عطا کی جاتی۔سو خدا تعالےٰ نے ایسا ہی کیا کہ اس امر کے لئے انسان کو نعمت عقل بخشی۔

ا۔ڈول نکالنے کی حکمت ظاہر ہے کہ کنوئیں کے پانی کو ڈول کے ذریعہ جاری کیا جاتا ہے،تا کہ جریان آب سے نجاست کے اجزاء خارج ہو جائیں۔پس جب کنوئیں میں وقوع نجاست سے اس کے

اثر کو رفع کرنے کے لئے ڈول نکالنے کی حکمت کو سمجھنا چاہو، تو ڈول نکالنے کے فعل اور اس کے آثار پر نظر کرو، جو پانی سے ڈول نکالنے سے پانی پر واقع ہوتے ہیں۔ پس تم کو صاف نظر آجائے گا کہ کنوئیں سے ڈول نکالنے سے پانی میں جریان خارج کی طرف پایا جاتا ہے۔ اور جب رکے ہوئے پانی میں اجرا ہو جائے تو اس کو شرع نے پاک ٹھہرایا ہے۔ کیونکہ اس فعل سے پانی میں ہلکی تیرنے والی اشیاء کے جو اجزائے صغار ہوتے ہیں وہ ڈول سے خارج ہوتے رہتے ہیں۔ اور ثقیل اجزاء پانی کے تحت بیٹھ جاتے ہیں اور پانی کی قوتوں میں اس فعل سے جو حدت و تیزی پیدا ہوتی ہے وہ انکو مضمحل کر کے پیس دیتی ہے۔

۲۔ کنوئیں سے اخراج نجاست کے بعد ڈول نکالنے کی سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ پانی کو پانی سے جدا کرنے میں اس کی ساری قوتوں و اجزاء ذروں میں حرکت اور حدّت پیدا ہو جاتی ہے اور اس سبب سے پانی کے ذرے ایک دوسرے کے نزدیک آنا چاہتے ہیں۔ اگر اس کو کششِ اِتصال کہیں اور جس سبب سے وہ ایک دوسرے سے علیحدہ رہتے ہیں اور جس سے حسّ حرارت پیدا ہوتی ہے اور جو غالباً ذروں کی ایک تیز اور لرزاں یا اردگرد کی حرکت ہے اس کو قوت دافع کہیں تو مائع حالت میں یہ دونوں قوتیں ایسی تلی رہتی ہیں کہ ذرّے بے تکلف حرکت بھی کر سکتے ہیں اور ملے جلے بھی رہتے ہیں۔ اور جب ڈول نکالنے سے پانی کے ذرّات میں حرکت و تیزی پیدا ہوتی ہے تو خباثت کے بقیہ اجزاء کا پانی میں استحالہ ہو جاتا ہے۔ اور جب خباثت کا استحالہ ہو تو وہ طیب ہو جاتی ہے اور کثیر آب میں تھوڑی نجاست کا تحلیل ہونا ایسا ہے جیسا کہ حیوان کے جسم میں غذا تحلیل ہو جاتی ہے اور اس کا مخالفانہ اثر نہیں رہتا یا جیسا کہ بناتات میں ناپاک پانی کا استحالہ ہوتا ہے۔

شاید کوئی کہے کہ پانی میں کونسی قوت ہے جس سے وہ اشیاء کو تحلیل کر دیتا ہے۔ سو واضح ہو کہ تم نے پانی سے لوہے کی پان چڑہا کر تیز کرنا لوہاروں کی دوکانوں میں دیکھا یا سنا ہوگا کہ وہ پانی کی قوتیں ہوتی ہیں، جو لوہے جیسی سخت چیز میں تیزی اور حدت پیدا کر دیتی ہیں اور یہ روزمرہ کا تجربہ عام انسانوں کے پیش نظر رہتا ہے۔ مختلف پانیوں کا طبائع انسانی پر مختلف آثار پیدا کرنا پانی میں انہیں کم و بیش قوتوں کے موجود ہونے کا مؤید ہے۔ افغانستان میں بعض نہروں میں یہ قوت حدت اس قدر شدت و کثرت سے ہے کہ ان پر اگر زور سے کسی لوہے وغیرہ کی دہاری دار چیز کو مارا جائے تو اس میں بہت تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہاں کے انسانوں کی سخت گیری قوت پانی کی مؤید ہے۔

۳۔ وقوع نجاست سے بباعث کراہت طبعی اکثر لوگ کنوئیں سے پانی بھرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ اس لئے جب کنوئیں جیسے رکے ہوئے پانی میں بباعث عدم تحریک و جمود شک و شبہ پیدا ہو جائے، تو ڈول

نکالنے سے اس پانی میں خوب جریان وتحریک آب سے شک کے آثار رفع ہوجاتے ہیں، کیونکہ چشمہ دار آب سے جب ڈول نکالے جائیں، تواس کے دونوں طرفوں میں جریان پایا جاتا ہے۔اسی وجہ سے اس کوآب جاری کی طرح تصور کیا جاتا ہے،جس کے پاک ہونے میں کسی کوشک وشبہ نہیں رہتا۔

محدثین کہتے ہیں کہ شرع نے ڈول نکالنے کو واجب قرار نہیں دیا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے کہ اخراج نجاست کے بعد کنوئیں سے ڈول نکالنا واجب نہیں ہے۔ چنانچہ ہم ان کی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ "عربی مطبوعہ مصر صفحہ ۱۴۷ کا ترجمہ اس امر کے متعلق ذیل میں ہدیہء ناظرین کرتے ہیں۔

"لوگوں نے بہت سے فروع کنوئیں کے اندر جاندار چیز کے مرجانے اور وہ دردہ اور آب جاری کے متعلق نکال لئے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان سب مسائل میں احادیث مروی نہیں ہیں۔اور صحابہ اور تابعین سے جو اس میں آثار مروی ہیں، جیسے ابن زبیر سے زنگی کے بارے میں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے چوہے کے بارے میں اور نخعی اور شعبی سے بلی کے قریب قریب جانور میں۔ سوان اشیاء کی صحت کی نہ تو محدثین نے گواہی دی ہے اور نہ قرون اولیٰ کے جمہور کا ان پر اتفاق ہے۔اگر وہ صحیح بھی ہوں تو ممکن ہے کہ یہ حکم دلوں کی پاکی اور پانی کی نظافت کے لئے ہو۔اور وجوب شرعی کے اعتبار سے نہ ہو۔الحاصل اس باب میں کوئی معتد بہ اور واجب العمل حدیث نہیں ہے۔اور بلا شبہ قلتین کی حدیث ان سے زیادہ ثابت ہے۔اور یہ بات بھی محال ہے کہ خدا تعالےٰ نے ان سب مسائل میں اپنے بندوں کے لئے ان تدابیر کے اوپر جو ان کے واسطے لازم ہیں کچھ بڑھایا ہو۔اور باوجود ان چیزوں کے کثرت وقوع اور عموم بلوی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی صاف صاف تصریح نہ فرمائی ہو اور صحابہ اور تابعین کو اس سے استفادہ نہ ہوا ہو۔اور خبر واحد بھی مروی نہ ہو"۔

مؤلف کا یہ عندیہ ہے کہ اخراج نجاست کے بعد کنوئیں سے معدود ڈول یا سارا پانی نکالنا از روئے فطرت وعلم طبعی مستحب و مستحسن ہے۔ کیونکہ ڈول کے نکالنے کے ذریعہ پانی جاری ہو جاتا ہے اور طبعی کراہت ونفرت رفع ہو جاتی ہے۔لیکن اوصاف ثلاثہ اپنی حالت پر ہوں، تو اخراج نجاست کے بعد ڈول نکالنا فرض واجب نہیں ہے، کیونکہ یہ شرعی حکم نہیں ہے۔

باوجود وقوع نجاست جاری پانی پاک ہونے کی وجہ

جس رکے ہوئے قلیل پانی میں نجاست پڑ جائے بوجہ رکاوٹ اس کا رنگ و بو اور ذائقہ متغیر ہو جاتا ہے اور اگر متغیر نہ بھی ہو تو بوجہ قلت اس میں نجاست سائر و مؤثر ہو جاتی ہے۔مگر جاری پانی میں

نجاست کے اوصاف بوجہ جریان قائم نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ نجاست کے آثار جریان آب کے ساتھ خارج ہوجاتے ہیں۔اس لئے رنگ و بو و ذائقہ میں تغیر واقع نہیں ہوتا۔تم نے جاری پانی میں کسی دھوبی وغیرہ کو صابون سے کپڑے دھوتے دیکھا ہوگا کہ اس میں سے کس طرح صابون کی جھاگ اور میل جریان کے ساتھ بہتی ہوئی باہر چلی جاتی ہے۔ پہلا باسی پانی بہ جاتا ہےاورتازہ آجاتا ہے۔

نجاست سے پانی کے ناپاک ہونیکی وجہ اور پانی سے طہارت آدمی کی حکمت

جبکہ پانی انسان کی ظاہری و باطنی طہارت کے لئے مقرر ہے،تو معلوم ہوا کہ پانی کوانسانی جسم سے اشدمناسبت ہے۔ کیونکہ دراصل انسان کے جسم کی ابتدا پانی ہی سے ہوئی ہے۔لہٰذا جیسے انسان سے بول و براز خارج ہونے سے اس کوحدث لاحق ہوتا ہے،ایسا ہی پانی میں کسی ناپاکی کے داخل ہونے سے اس میں حدث واقع ہوتا ہے۔اورانسان کے جسم کا حدث اس میں سے کسی ناپاک چیز کے خارج ہونے سے ہوتا ہےاور پانی کا حدث پانی میں کسی ناپاک چیز کے داخل ہونے سے ہوتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی کا وجود اصل وخانہ زاد ہےاورطہارت کے لئے کسی فرع کامحتاج نہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کے پاک کلام کاایماءاسی طرف ہے۔وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ۔یعنی ابتداء میں خدا کا تخت پانی پر تھا۔ یعنی ابتداء میں خدانے پانی ہی پیدا کیا ہےاورخدا کی سلطنت کاظہور پہلے پانی پر ہوا۔ پھراس سے بتدریج باقی اشیاء کاوجود تیار ہوا۔لہٰذااصل وجود میں کوئی ایسی چیز پڑ جائے ، جواس کی صفت اصلیہ کےخلاف و نقیض ہو،تو اس کواس سے الگ کرنا ہی مناسب ہے،تا کہ اصل میں مغائرت نہ واقع ہو۔اورانسان کا وجود پانی کی فرع ہےاورانسان کےجسم کی اصلی طہارت بھی پانی ہی سے حاصل ہوتی ہے۔لہٰذا جب کسی چیز کی کوئی اصلی صفت مفقود ہوجاتی ہے،تواس صفت کودوبارہ حاصل کرنے کے لئے ان اشیاءکواستعمال میں لایا جاتا ہے،جن سے وہ صفت پہلی بار حاصل ہوئی تھی۔جب انسان کوحدث واقع ہو،تو اس کو طہارت صغریٰ وکبریٰ پانی کےاستعمال سے حاصل ہوتی ہے۔مگر جب پانی کوحدث واقع ہو،تو محدث چیز کو پانی سےالگ کرنے سے پانی کوطہارت حاصل ہوتی ہے۔یا اگر پانی میں اس کی ضد کثیر یعنی ناپاکی پڑ جائے،تواس پانی کومعہ اس ناپاکی کے پہلے ظرف ومعدن سے بالکل نکال دینا ہی مناسب ہے۔ پھراس معدن وظرف کوصاف پانی سے دھونا لازم ہے،تا کہ وہ پاک ہوجائے اوردیگر پاک وصاف پانی کی جگہ اس کوقرار دیا جائے۔اور جب ایسا معدن یعنی کنواں چشمہ دار ہو،جس سے سارا پانی نہ نکل سکے،تو وہ آب کثیر کی طرح ہے۔اس میں سے اصل ناپاکی کونکال کرتین سوڈول تک نکالنا مستحب ہے،تا کہ اس کا جریان واضح طور پر ہوجائے۔اورکثرت نجاست کاظن وشک رفع ہو۔

یہ جو حدیث نبوی میں آیا ہے کہ اِنَّ الْمَاءَ لَا یَجْنَبُ ۔ اِنَّ الْمَاءَ لَایَنْجسُ ۔یعنی پانی جنبی نہیں ہوتا، پانی نجس نہیں ہوتا۔ اس سے یہ مراد ہے کہ دہ دردہ جیسے کثیر پانی میں کوئی اندک نجاست پڑ جائے ،تو اس نجاست کو نکال دینا ہی کافی ہے۔اس نجاست کی ملاقات سے پانی جنبی یا نجس نہیں ہوتا۔ ورنہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ دو قلے پانی میں بول و براز یا کوئی نجاست مغلظ پڑ جائے ،تو وہ پانی نجس نہ ہو اور نہ اس کو حدث واقع ہو۔ اگر اس قدر قلیل پانی نجاست سے ناپاک و متغیر نہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے کہ لَا یَبُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ فِی الْمَاءِ الدَّائِمِ الَّذِیْ لَا یَجْرِیْ ثُمَّ یَغْتَسِلُ فِیْہِ۔ ترجمہ۔یعنی ایستادہ پانی، جو جاری نہ ہو، اس میں تم میں سے کوئی شخص بول و براز نہ کرے اور اگر کوئی ایسا کام نادانی کا کر بیٹھے،تو پھر اس میں غسل نہ کرے۔

سوال۔اگر قلتین جتنے پانی میں ناپاکی پڑنے سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے،تو پھر یہ جو حدیث نبوی میں آیا ہے کہ اِذَا بَلَغَ الْمَاءُ قَلَّتَیْنِ لَمْ یَحْمِلُ خُبْثًا۔یعنی جب پانی کی حد دو قلے کو پہنچ جائے ،تو وہ ناپاکی کو اپنے اوپر نہیں آنے دیتا۔اس سے کیا مطلب ہے؟

جواب۔تعیین قلتین ایک خاص قسم کی اندک نجاستوں کے واقع ہونے سے عدم نجاست آب کا حکم ہے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلق ظروف واندک پانی میں درندے جانوروں کے منہ ڈالنے سے ان کا ناپاک ہونا قرار دیا تھا۔لہٰذا اس جگہ پر لوگوں میں ایک وہم پیدا ہوتا ہے اور دقت وارد ہوتی تھی۔اس لئے اس وہم و دقت کے رفع کرنے کے لئے تعیین قلتین ہوا۔ کیونکہ کاروباری لوگوں کو جنگلوں ومیدانوں میں بسا اوقات طہارت صغریٰ و کبریٰ حاصل کرنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔اور جنگل میں اس قدر یعنی قلتین تک پانی مل جائے ،جس میں جنگل کے درندوں وغیرہ نے منہ ڈالا اور پانی پی لیا ہو،تو وہ ناپاک نہیں ہوتا۔اس سے طہارت صغریٰ و کبریٰ جائز ہے۔ ورنہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ دو قلے جتنے پانی میں بول و براز یا کوئی اور نجاست مغلظہ پڑ جائے اور وہ ناپاک نہ ہو۔

پس خوب یاد رکھو کہ تعیین قلتین کی حد محض ایک قسم کی خصوصیت کے لئے ہے، عام ناپاکیوں کے لئے نہیں ہے۔ ورنہ تعیین قلتین کو عام قرار دیا جائے ،تو بڑی دقتیں پیش آئیں۔اور بہت سی احادیث میں تناقص پیدا ہو جائے۔حالانکہ پانی کی کسی حدیث میں مجھے اب تک کوئی تناقض نظر نہیں آیا۔

پانی اور تمام رکیک اشیاء میں ناپاک اشیاء پڑنے سے قوتِ استحالہ سے ان کے پاک ہونے کا راز

طیبات وخبائث یعنی پاک وناپاک اشیاء اپنی صفاتِ قائمہ کے اعتبار سے شناخت کی جاتی ہیں۔ پس جب تک صفات اپنے موصوف کے ساتھ قائم ہوں، تو موصوف پر اس کی صفات کے اعتبار سے حکم ہوتا ہے۔ اور جب ایک صفت زائل ہو جائے اور اس کی جگہ دوسری آ جائے، تو پہلا حکم زائل ہو جاتا ہے اور اس کی ضد اس کی جگہ آ جاتی ہے۔ پانی اور طعام اپنی صفاتِ لازمہ کے قائم ہونے تک پاک ہوتے ہیں۔ جب صفتِ طیبہ زائل ہو جائے اور اس کی جگہ خباثت آ جائے تو وہ خبیث ہو جاتا ہے اور جب خبائث کی صفت زائل ہو جائے تو پاکی کی صفت پر آ جاتا ہے۔ اور یہ بات مثل شیرہ انگور کے ہے کہ جب اس کا خمر بنایا جائے تو وہ ناپاک ہو جاتا ہے اور جب اس کی صفت متغیرہ بدل جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔ جب کوئی مسلمان مرتد ہو جائے تو وہ خبیث ہو جاتا ہے اور جب اسلام کی طرف عود کر آئے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔ تمام رکیک اشیاء میں بھی یہی قیاس ہے کہ جب ان میں نجاست پڑ جائے اور وہ ان میں مستحیل و منہضم ہو جائے اور ان کا رنگ و بو و ذائقہ ظاہر نہ ہو تو وہ طیبات میں شمار ہوتی ہیں۔ کیونکہ یہ بات از روئے مشاہدہِ قانون فطرت مسلّم ہو چکی ہے کہ دودھ بھینسوں اور گایوں کی نجاستِ شکم گوبر و خون میں ملا ہوا ہوتا ہے۔ بعد استحالہ جب وہ صحبت و اختلاطِ خون سے الگ ہوتا ہے تو ناپاک نہیں رہتا۔ چنانچہ اس مشاہدہ کا ذکر قرآن میں بالفاظ ذیل آیا ہے۔ وَ اِنَّ لَکُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَۃٌ نُسْقِیْکُمْ مِمَّا فِیْ بُطُوْنِہٖ مِنْ بَیْنِ فَرْثٍ وَ دَمٍ لَّبَنًا سَائِغًا خَالِصًا لِّلشَّارِبِیْنَ (۱۴۔ نحل) یعنی تمہارے لئے چوپایوں میں نشان عبرت ہے کہ ہم تم کو ان کے پیٹ کی چیزوں میں سے گوبر اور لہو کے بیچ میں سے دودھ پلاتے ہیں اور وہ پینے والوں کے لئے خوشگوار اور ستھرا ہوتا ہے۔

اور نبی علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں اَلْمَاءُ لَا یَنْجُسُ یعنی پانی ناپاک نہیں ہوتا اور فرمایا اَلْمَاءُ لَا یَجْنُبُ یعنی پانی جنبی نہیں ہوتا۔ ان نصوص سے صاف ہویدا ہو رہا ہے کہ تمام مائعات پانی وغیرہ و دیگر اشیاء جب صحبت و ملاقات نجاست سے الگ ہو جائیں اور ان میں سے اثر نجاست معدوم ہو جائے، تو وہ طیبات میں سے شمار ہوتی ہیں۔ اور اس بارے میں خدا تعالےٰ کا یہ فرمان واجب الاذعان ہے۔ یَحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبَاتُ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبَائِثَ۔ یعنی خدا تعالےٰ پاکیزہ چیزوں کو حلال اور ناپاک اشیاء کو حرام ٹھہراتا ہے۔

استحالہ سے خمر یعنی شراب کا پاک ہونا موافق قیاس صحیح ہے، کیونکہ خمر میں خبائث کا وصف قائم ہونے سے وہ نجس ہوتا ہے۔ اسی قیاس پر تمام نجاستوں و ناپاکیوں کا حکم ہے کہ جب وہ مستحیل ہو جاویں تو پاک ہو جاتی ہیں۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے مشرکوں کی قبریں اُکھیڑ کر اپنی مسجد بنوائی اور اس جگہ سے

مٹی نقل نہ کی۔ جملہ اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب کوئی دودھ والی بھینس گائے وغیرہ حلال جانور نجاست کھا جائے، تو روک کر اس کو پاک چارہ دیا جائے۔ اس کا دودھ و گوشت استحالہ سے پاک ہو جاتے ہیں۔ ایسا ہی حال کھیتی اور پھلوں کا ہے کہ جب ان کو نجس پانی سے آبپاشی کی جائے، تو بوجہ استحالہ پاک ہو جاتے ہیں اور اس کے برعکس معاملہ بھی ہے کہ پاک چیز مستحیل ہونے سے ناپاک ہو جاتی ہے۔ مثلاً پانی اور طعام مستحیل ہو کر بول و براز بن جاتے ہیں۔ پس جب کہ قوت استحالہ طیب کو خباثت میں منتقل کر دیتی ہے، تو خبیث کو طیب بنانے میں کیوں مؤثر نہ ہوگی۔ خدا تعالےٰ کے تمام قانون قدرت اسی رنگ میں اس کی مخلوق میں دائر و سائر ہیں کہ وہ طیب سے خبیث اور خبیث سے طیب پیدا کرتا ہے۔ ہر چیز کا اعتبار اس کے وصف پر ہوتا ہے اور یہ امر ممتنع و ناممکن ہے کہ ایک چیز پر وہی حکم باقی رہے۔ حالانکہ اس حکم کی صفت و نام اس سے زائل ہو چکا ہے۔ حکم تابع اسم وصفت کے ہوتا ہے۔ اور صفت کے وجود و عدم پر حکم کا مدار ہوتا ہے۔

وجہ تعیین قُلّتَین

پانی کے رہنے کی دو جگہ ہیں۔ ایک معدن دوسرا برتن۔ معدن تو کنوئیں اور چشمے اور جھیل و تالاب ہیں۔ اور برتن مَشک، قُلَّہ اور مٹکے، طشت وغیرہ ہوتے ہیں۔ قلتین کو کثیر اور قلیل پانی کے اندر حد فاضل کی تمیز کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ کیونکہ آب کثیر و قلیل کے اندر ایک حد فاصل کا ہونا ضروری تھا۔ اور یہ بات اٹکل سے مقرر نہیں ہوئی، بلکہ تمام مقادیر شرعیہ کا حال ایسا ہی ہے۔ معدن ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے ناپاک ہونے سے بڑا حرج و ضرر ہوتا ہے۔ اس کے پانی کے نکالنے میں بڑی دقت و تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ اور برتن تو روز مرہ بھرے جایا کرتے ہیں اور ان کا پانی اونڈیلنے سے کچھ تکلیف نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں معادن کے لئے ڈھکن نہیں ہوتا ہے اور وہ پانی جانوروں کے گوبر اور درندوں کے منہ ڈالنے سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ اور برتنوں کے محفوظ رکھنے اور ڈھکنے میں کچھ زیادہ تکلیف و دقت نہیں ہوتی ہے بجز ان جانوروں کے جو گھروں میں پھرتے رہتے ہیں۔ اور نیز معادن میں پانی کثرت سے ہوتا ہے۔ بہت سی نجاست کا بھی اس میں پتہ نہیں لگتا اور اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا بخلاف برتنوں کے۔ اس واسطے یہ بات ضروری ہوئی کہ معدن کا حکم اور ہو اور ظروف کا حکم اور ہو۔ اور معادن میں ان چیزوں کی معافی دی جائے کہ جن سے ظروف میں معافی نہیں ہے۔ اور معدن اور ظروف میں سوائے قلتین کے کوئی چیز حد فاصل نہیں ہو سکتی۔ اس واسطے کہ کنواں اور چشمہ قلتین سے کسی طرح کم نہیں ہو سکتا۔ اور جو پانی قلتین سے کم ہو اس کو نہ حوض کہتے ہیں نہ تالاب بلکہ اس کو گڑھا کہتے ہیں۔ اور اگر وہ قلہ پانی ہموار زمین

میں ہوتو غالباً پانچ بالشت چوڑی اور سات بالشت لمبی جگہ میں سما سکتا ہے۔اور وہ حوض کا ادنی درجہ ہے۔ اور عرب میں سب سے بڑا برتن پانی رکنے کا قلہ ہوتا تھا۔ان میں سے بڑا کوئی برتن نہیں ہوتا۔اور قلے بھی سب برابر نہیں ہوتے۔بعض قلے ڈیڑھ قلے کے برابر،بعض سوا کے،بعض ایک اور تہائی کے برابر۔لیکن قلہ دو کے برابر نہیں ہوتا۔پس قلتین کی مقدار یعنی دو قلے کا اندازہ ایسا ہے کہ کوئی برتن اس مقدار کو نہیں پہنچتا۔اور کوئی معدن اس سے کم نہیں ہوتا۔اس واسطے آب قلیل اور کثیر کے اندر قلتین کی مقدار حد فاصل قرار پائی۔اور جو قلتین کا قائل نہیں ہے، جیسے مالکیہ۔انہوں نے بھی آب کثیر کا اندازہ قلتین کے قریب قریب کیا ہے یا جنگل کے کنوؤں میں اونٹ کی مینگنی کے برابر نجاست کی معافی کا حکم دیا ہے۔یہاں سے معلوم کرنا چاہیئے کہ حدود شرعیہ ایسی ضروری صورتوں میں قائم کی گئی ہیں کہ ان کے بغیر لوگوں کو چارہ ہی نہیں ہوسکتا۔اور ان کے سوا کسی کی عقل میں کچھ تدبیر بن ہی نہیں سکتی۔نبی علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں **اذا بلغ الماء قلتین لم یحمل خبثا** ۔ترجمہ۔یعنی جب پانی قلتین تک پہنچتا ہے تو اپنے اوپر ناپاکی کو نہیں آنے دیتا۔اس سے معنوی ناپاکی مراد ہے کہ جس کو شرح ناپاک کہتی ہے۔عرف اور عادت کے اعتبار سے ناپاکی مراد نہیں ہے۔اور جب کہ نجاست کی وجہ سے پانی کی کسی بات میں فرق آجائے اور کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے اس پر نجاست کا غلبہ ہو جائے ،تو وہ اس سے خارج ہو جاتا ہے۔اور پانی کی اصلی پاکی کی اوصاف سہ گانہ رنگ ،بو، ذائقہ کا قائم رہنا ہے۔

قلیل پانی کی نجاسات حکمی کی حکمتیں اور آب قلیل وکثیر کی حد مقرر ہونیکا راز

پانی کی ضرورت تمام اشیائے عالم میں نظر آتی ہے۔چنانچہ اس کا کثیر الوجود ہونا خود اس بات پر دال ہے اور ہر چیز میں اس کا کثرت استعمال خارجی مؤثرات کو ثابت کرتا ہے۔تمام حیوانات کو اس کی ضرورت رہتی ہے۔عالم کے تمام جانداروں کا اسی پر آمدرفت کرنا اور ان کی زندگی کا اسی پر موقوف ہونا عیاں ہے۔لہذا پانی کی اس قدر کثرت استعمال اس امر کی مقتضی ہوئی کہ جن پانیوں میں درندوں و نجاستوں کے اثر پڑ کر آدمیوں کو ضرر دیں،ان کی حد بنی آدم کو بتائی جائے۔تا کہ وہ آگاہ ہو کر نقصانات و ضرروں سے بچیں۔

آب قلیل کی حد محدثین کے نزدیک قلّتَین ہے اور احناف کے نزدیک دہ در دہ (دس ضرب دس) سے کم۔یہ مسئلہ ظاہر و باہر ہے کہ جس بار عظیم واثر کثیر کو ایک ضخیم الجثۃ وکثیر الوجود چیز متحمل ہوسکتی ہے،اس کو قلیل الوجود اٹھا نہیں سکتی۔یہی وجہ ہے کہ نور نبویؐ نے قلیل پانیوں میں نجاست حکمی یعنی معنوی و حقیقی کو مؤثر ہوتے ہوئے اور آب کثیر میں غیر مؤثر دیکھ کر دونوں کے درمیان ایک حدّ فاضل بیان فرما

دی۔ جوحکم قلیل پانی کے لئے ہے، وہی کثیر کے لئے ہوتا تو دنیا میں لوگوں کے بڑے بڑے نقصانات ہوتے اور وہ دقتوں میں پڑ جاتے اوران کی زندگیاں ان پر دوبھر ہو جاتیں۔ حکمی و حقیقی نجاستیں قلیل پانیوں وظروف میں واقع ہونے سے اس کو ناپاک کردیتی ہیں۔ خواہ ایسے پانیوں کا رنگ و بووذائقہ نہ بھی متغیر ہو۔ ایسے پانی شرع میں ناپاک سمجھے گئے ہیں۔ کتوں و دیگر درندوں اور حرام جانوروں کا بلی اور چوہے کے سوا قلیل پانیوں میں منہ ڈالنا حکمی نجاست ہے اوران میں مرئی یعنی نمودار نجاستوں کا پڑنا حقیقی نجاست ہے۔ اور یہ دونوں نجاستیں ایسے قلیل پانیوں کو یکساں پلید کرتی ہیں۔ ایسے پانیوں میں جنبی کا غسل کرنا حکمی نجاست ہے اوران میں بول و براز پڑنا حقیقی نجاست ہے۔ چنانچہ ایسے ہی پانیوں کے متعلق حدیث نبوی میں وارد ہے۔ **لَایَغْتَسِلُ اَحَدُکُمْ فِی الْمَاءِ الدَّائِمِ وَ هُوَ جُنُبٌ** ۔ یعنی تم میں سے کوئی شخص کھڑے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے جب کہ وہ جنبی ہو۔

یہ حدیث قلیل پانیوں کے متعلق ہے۔ ورنہ آب کثیر میں ہزاروں جنبی غسل کریں، تو اس کو کوئی ناپاکی لاحق نہیں ہوتی۔ ایسے ہی پانیوں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **لَایَبُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ فِی الْمَاءِ الدَّائِمِ الَّذِیْ لَا یَجْرِیْ ثُمَّ یَغْتَسِلُ فِیْهِ** ۔ ترجمہ۔ یعنی تم میں سے کوئی شخص کھڑے ہوئے پانی میں، جو جاری نہ ہو، بول نہ کرے۔ اور اگر کوئی ایسے کر بیٹھے، تو پھر اس میں غسل نہ کرے۔ ایسے پانیوں میں اگرچہ بول و براز پڑنے اور درندوں وکتوں وغیرہ کے منہ ڈالنے کے آثار نہ نمودار ہوں، مگر استعمال کرنے و پینے والے میں مؤثر ہوتے ہیں، اس لئے ان کا استعمال و پینا منع ہوا۔ ایسے معادن وظروف میں اگر اس قسم کی کوئی نجاست پڑ جائے، تو ان کو پانی سے خالی کر دینے کے بعد اچھی طرح دھوڈالنا چاہیے، تب وہ پاک ہوتے ہیں۔ ہر دو حدیث مذکور میں قلیل و کثیر پانی کی حد نہیں بتائی گئی۔ جس میں یہ حکمت ہے کہ قلیل و کثیر پانیوں کے ساتھ یہ فعل کوئی بھی نہ کرے کہ سوءادب پر دال ہے۔ ضرور تھا کہ پانی کے لئے حد قلیل و کثیر متمیز ہو، تاکہ اس میں وقوع نجاست حکمی و حقیقی سے ایک دوسرے کے احکام میں التباس ہو کر بد استعمال لازم نہ آوے اور لوگوں پر حرج وعسر واقع نہ ہو۔

بشرط عدم تغیر اوصاف سہ گانہ قُلَّتین جتنے پانی کا وقوع نجاست سے پاک وناپاک ہونے کی وجوہات

محدثین کہتے ہیں کہ اگر وقوع نجاست سے باوجود عدم تغیر اوصاف سہ گانہ قلتین جتنا پانی ناپاک ہو جاتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آب قلیل و کثیر کے اندر کوئی اور حد فاصل بیان فرماتے۔ مگر قلتین

کے سوا آب قلیل و کثیر کی حد فاصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور کوئی بیان نہیں فرمائی۔اس لئے وہ قلتین جتنے پانی کو وقوع نجاست سے بشرط عدم تغیر اوصاف سہ گانہ پاک قرار دیتے ہیں۔اور وہ حدیث یہ ہے اِذَا بَلَغَ الْمَاءُ قُلَّتَینِ لَمْ یَنَجسُّہُ شَیْءٌ ۔یعنی جب پانی کی حد دو قلتین تک پہنچ جائے،تو اس کو نجاست پلید نہیں کرتی۔یعنی اتنے پانی میں کوئی ایسی نجاست پڑ جائے،جس کے اوصاف سہ گانہ کا ظہور نہ،تو وہ پانی پاک ہے خواہ کنوئیں میں ہو خواہ گھڑے میں۔

احناف کہتے ہیں کہ اگر قلتین جتنا پانی وقوع نجاست سے باوجود عدم تغیر اوصاف سہ گانہ ناپاک نہ ہوتا،تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یوں نہ فرماتے۔لَا یَبُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ فِی الْمَاءِ الدَّائِمِ الَّذِیْ لَا یَجْرِیْ ثُمَّ یَغْتَسِلَ فِیْہِ۔یعنی تم میں سے کوئی شخص رکے ہوئے پانی میں،جو جاری نہیں ہے،بول نہ کرے۔اگر کوئی ایسا فعل کر بیٹھے،یا اس میں بول و براز پڑ جائے،تو اس میں کوئی غسل نہ کرے۔

دوسری حدیث یہ ہے لَا یَغْتَسِلُ اَحَدُکُمْ فِی الْمَاءِ الدَّائِمِ وَ ھُوَ جُنُبٌ ۔یعنی تم میں سے کوئی شخص رکے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے جب کہ وہ جنبی ہو۔بعض علماء حنفیہ رحمہم اللہ تعالےٰ کہتے ہیں تمام رکے ہوئے پانی،جن کی حدود ده در ده گز سے نیچے ہیں،ان میں کوئی جنبی غسل کرے یا ان میں بول و براز پڑ جائے،تو وہ بموجب احدیث مذکورہ کے ناپاک ہو جاتے ہیں،خواہ ان کے اوصاف سہ گانہ کا ظہور نہ ہو۔مؤلّف کنز وغیرہ نے اس امر کو جط کر کے لکھا ہے یعنی ان کا اس میں اختلاف ہے۔محدثین کہتے ہیں یہ حدیثیں قلیل پانیوں کے متعلق ہیں،جن کی حد قلتین سے نیچے ہے۔احناف نے آب کثیر کی حد ده در ده گز ٹھہرائی ہے۔کیونکہ دس جمع کثیر کا پہلا عدد ہے،جو کثرت پاکی پر دال ہے۔راقم کے نزدیک اگر آب کثیر مل جائے،تو تھوڑے پانی سے اجتناب چاہیئے۔ورنہ مجبوراً قلیل کو استعمال کرنا ہی پڑتا ہے۔

وجہ خصوصیت آب ده در ده (عندالاحناف)

ا۔جیسا کہ خباثت کی قلت و کثرت کی حد کا متعین ہونا ضروری تھا کہ وہ قلیل و کثیر پانی میں پڑ جائے،تو اس کا پاک و ناپاک ہونا معلوم ہوسکتا۔ایسا ہی پانی کی قلت و کثرت کی حد کا متعین و مقرر ہونا ضروری تھا،تا کہ رفع شک اور وہم ہو۔لہٰذا دس (۱۰) جو جمع کثیر کا انتہائی عدد ہے،اس امر کا معیار مقرر ہوا کیونکہ یہ عدد کثرت پاکی پر دلالت کرتا ہے۔پس جہاں اس قسم کی کثرت پاکی ہو،وہاں قلیل ناپاکی کو بو،ذائقہ،رنگت آب کو متغیر نہ کر سکے،وہ مؤثر نہیں ہوسکتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ جہاں ده در ده گز پانی قلیل ناپاکی کا مؤثر ہونا قرار نہیں دیا جاتا بلکہ اس کو پاک گنا جاتا ہے،کیونکہ ده در ده کا حاصل ضرب یک صد (۱۰۰) کی کثرت کو پہنچتا ہے۔

۲۔قدرتی طور پر حسنات وطیبات کے افراد واعداد کے اضعاف کی انتہا خدا تعالےٰ نے دس تک قرار دیا ہے۔ اسی مناسبت پر قانون طبعی کا انتقال قانون تشریعی کو ہوا۔ یعنی خدا تعالےٰ نے ایک نیکی، ایک حسنہ، ایک پا کی کو اس کے دس گنا قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَه' عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۔یعنی جو کوئی ایک حسنہ یعنی ایک نیکی کرے اس کو اس حسنہ کے دس گنے بدلہ ملے گا۔ لہٰذا اسی قیاس پر جیسا کہ ایک اصل نیکی اپنے دس گنے ثواب کو پہنچ جاتی ہے، ٹھیک ایسا ہی ایک اصل طیب چیز اپنے دس گنا کا حساب رکھتی ہے۔ اور دس گنا اصل طیب چیز اپنے دہ دردہ (دس ضرب دس) پر شمار ہوتی ہے۔ بریں قیاس جس طیب پانی کا طول وعرض دہ دردہ ہو، وہ دس ہزار گنا ہو جاتا ہے۔ پس جس پا کی کی حد دس ہزار گنا ہو، اس میں قلیل ناپا کی، جس کی حد اصل کے ایک صد حصہ سے قلیل عدد تک ہو، وہ اس میں مؤثر نہیں ہوسکتی، کیونکہ ایک سیّہ یعنی بدی و برائی اپنے اصل سے تجاوز نہیں کرتی بلکہ اس کو اس کے برابر ہی گنا جاتا ہے۔ اور اسی پر اس کا مکافات ہوتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزىٰ اِلَّا مِثْلَهَا ۔ترجمہ۔ یعنی جو کوئی ایک بدی کرے، اس کو اس بدی کے برابر بدلہ ملے گا۔ پس اسی ناپا کی کا قیاس ہے، جو بدی سے مناسبت رکھتی ہے اور اسی مناسبت کا استعمال دونوں طرف آتا ہے۔ چنانچہ جب کسی کی بدیاں تھوڑی اور نیکیاں کثیر ہوں، تو نیکیوں کی کثرت بدیوں کو زائل کر دیتی ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ۔یعنی نیکیاں بدیوں کو زائل کرتی اور بہا لے جاتی ہیں۔ اسی طرح قلیل نجاست کو آب کثیر کی کثرت زائل اور رفع کر دیتی ہے۔

پلید چشمہ دار کنوئیں سے دو یا تین سو ڈول نکالنے سے کنوئیں کے پاک ہونے کی حکمت

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کنوئیں میں ایک چوہا گر کر مر جائے، تو بیس سے تیس ڈول تک نکالے جائیں۔ اسی دلیل سے کنوئیں کی کثرت وقلت ناپا کی کا حساب کیا گیا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جبکہ ایک چوہا کنوئیں میں مرنے سے بیس سے لے کر تیس ڈول نکالنے تجویز ہوئے، تو بدین قیاس اگر کنوئیں میں پلیدی کی کثرت خواہ کسی جانور یا نجاست کے گرنے سے واقع ہو جائے اور اس کا سارا پانی نہ نکال سکتے ہوں، تو اس کثرت پلیدی کا وزن دس چوہوں کی پلیدی کی طرح قیاس کیا گیا ہے۔ کیونکہ دس جمع کثیر کا پہلا عدد ہے اور ہر چیز کی کثرت دس سے شروع ہوتی ہے۔ لہٰذا اسی قیاس پر بیس وتیس کو علیحدہ علیحدہ دس کے ساتھ ضرب دینے سے دو سو اور تین سو حاصل

ضرب ہوتے ہیں۔ کسی حدیث یا اثر میں سوائے بیس یا تیس ڈول کے اور کوئی حوالہ نہیں آیا۔ اور کتب میں جو دوسو اور تین سو ڈول نکالنے لکھے ہیں، وہ بقیاس مذکور یعنی ۲۰x۱۰=۲۰۰ اور ۳۰x۱۰=۳۰۰ لکھے ہیں۔ یعنی جبکہ ایک چوہا مرنے سے بیس یا تیس ڈول نکالنے تجویز ہوئے، تو دس چوہوں کی طرح پلیدی واقع ہونے سے دوسو تین سو ڈول نکالنے چاہیئں۔ اور دس کی حد کنوئیں کی کثرت ناپاکی کی اس وجہ سے ٹھہری ہے کہ یہ عدد جمع کثیر کا پہلا عدد ہے اور اس سے کثرت خباثت تصور کی گئی ہے۔ اور اس طرح کسی ایک بڑے جانور کے کنوئیں میں مرنے سے یا کسی ایسے چھوٹے جانور کے کنوئیں میں پھٹنے پھوٹنے سے دس چوہوں کے مرنے کے قائم مقام ٹھہرایا گیا ہے۔

۲۔ کنوئیں میں کسی تھوڑی یا بہت نجاست کے گرنے سے اس کو پاک کرنے کے لئے کوئی خاص معیار ضرور ہونا چاہیئے۔ جس کی تعمیل سے لوگوں کے وہم رفع ہو کر اطمینان خاطر ہو جائے اور ان کو اس پانی کے پینے میں کوئی تردد وگمان ناپاکی کا نہ رہے۔ لہٰذا ڈول نکالنے رفع شکوک کے لئے تجویز ہوئے۔

۳۔ تھوڑی نجاست کے گرنے سے سارے پانی کا نکالنا بالخصوص چشمہ دار کنواں ہونے کی حالت میں کل کنواں صاف کرنے کی تجویز کرنا۔ یہ امر دین کی آسانی وتیسیر کے برخلاف ہے۔ لہٰذا ایک خاص حد تک ڈول نکالنے تجویز ہوئے۔ کیونکہ ڈول نکالنے سے پانی جاری ہو جاتا ہے اور آب جاری میں کوئی ناپاکی ٹھہر نہیں سکتی۔ اور ڈول نکالنے کے لئے ایک تعداد وحد مقرر نہ ہوتی تو بے تعداد ڈول نکالتے رہنا بیہودہ کاری وعبث کام تھا۔ کیونکہ انسان جو کام کرے اس کے لئے کسی حد وغایت کا تقرر ضروری ہے۔ سو یہی حکمت تقرری ڈول میں ہے۔

کنوئیں کی پاکی وناپاکی کے متعلق مؤلف کتاب ہٰذا کی رائے

کنوئیں میں نجاست اور موش وغیرہ اشیاء پڑ جائیں، تو بہترین تجویز یہ ہے کہ پہلے نجاست اور ان ناپاک اشیاء کو کنوئیں سے خارج کیا جائے۔ بعد ازاں دیکھیں کہ اگر پانی بودار نہ ہو گیا ہو اور اس کے باقی سے رنگ وذائقہ بھی بجائے خود قائم ہوں، تو پانی پاک ہے۔ ڈول نکالنے کی ضرورت نہیں۔ اور اگر پانی بودار ہو، تو ایسی حالت میں سارا پانی نکال دینا چاہیئے۔ اگر کنواں چشمہ دار ہو اور سارا پانی نکالنا مشکل ہو، تو ایسی حالت میں کنوئیں سے اس قدر پانی نکالیں کہ پانی کی اوپر والی سطح پھٹ جائے اور بو نہ رہے اور نیچے سے صاف پانی، جس میں بو محسوس نہ ہو، ظاہر ہو جائے۔ ڈول نکالنا کوئی شرعی حکم نہیں ہے، بلکہ یہ ایک طبعی تجویز ہے اور قبل ازیں بھی دس بارہ ڈول نکالنا اور دہ در دہ پانیوں کی تعیین لکھی ہے۔ وہ سب فقہائے حنفیہ کی تحری اور طبعی تجویز ہے، ورنہ اس بارہ میں کوئی شرعی حکم وارد نہیں ہوا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی مجدد مائۃ اثنا عشر "تفہیمات الٰہیہ" میں لکھتے ہیں۔ وَ کَمْ فِی فِقْہَ الْفُقَھَاءَ مِنْ اُمُوْرٍ لَا یَدْرِیُ مِنْ اَیْنَ اَخذَ وَ اَو ذَالِکَ کَمَسْئَلَۃ عَشَرَ فِیُ عَشَرَ وَ مَسْئَلَۃِ الِابَار وَ غَیْرھُمَا۔ یعنی فقہائے زمانہ ھذا کی مدونات میں بہت سے ایسے امور پائے جاتے ہیں کہ پتہ نہیں ملتا کہ انہوں نے وہ کہاں سے لئے ہیں۔ اور وہ مثل مسئلہ دہ در دہ اور کنوؤں کے ڈولوں وغیرہا کے بارہ میں ہیں (محمد فضل عفی عنہ)۔

اور اس سوال کا جواب کہ اس مقدار سے کیوں ڈول کم وبیش مقرر نہ ہوئے، یہ ہے کہ ایسی پاکی و ناپاکی کی حد کی تمیز، جو بظاہر محسوس و مرئی نہ ہو، نور نبوی سے ہوسکتی ہے۔ یہ امر ایسا ہے جیسا کہ ڈاکٹر و طبیب لوگ مریض کے جسم کی برودت وحرارت کو مقیاس الحرارت لگا کر معلوم کر لیتے ہیں کہ اتنے درجہ تک حرارت و سردی پہنچی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

چوہے و بلی کا جوٹھا پاک ہونے کی وجہ

سائل کا خیال ہے کہ جو عداوت چوہے اور بلی کے درمیان ہے، وہ ان کے لئے اختلاف حکم کی موجب ہوگی۔ جیسا کہ بکری اور بھیڑئے میں عداوت ہے اور ان کے متعلق حکم شریعت بھی مختلف ہے۔

جواب۔ یہ سوال سائل کی عدم واقفیت وجہل کو ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ یہ ایسا امر ہے کہ اس کو طہارت ونجاست وحلت وحرمت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جو کچھ شریعت کا حکم اس امر کے متعلق ہے اس کی بنا نہایت حکمت الٰہی ومصلحت عامہ پر ہے۔ کیونکہ اگر شریعت کا حکم ان جانوروں کی نجاست کا ہوتا، تو اس میں امت پر حرج عظیم ومشقت کثیر واقع ہوتی۔ کیونکہ یہ جانور شب وروز لوگوں کے فرشوں و کپڑوں وطعاموں و پانیوں پر پھرتے رہتے ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طہارت بلّی کے باب میں اس امر کی طرف ایما فرماتے ہیں۔ اِنَّھَا لَیْسَتْ بِنَجَسٍ اِنَّھَا مِنَ الطَّوَّافِیْنَ عَلَیْکُمْ وَ الطَّوَّافَاتِ۔ ترجمہ۔ یعنی بلی پلید نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تمہارے اردگرد پھرنے والے اور پھرنے والیوں میں سے ہے (ابن قیم)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ طیبہ طَوَّافِیْنَ وَالطَّوَافَاتِ میں ان تمام جانوروں کی طرف ایما ہے، جن کو فقہا نے مشرّح طور اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ چنانچہ قدوری میں ہے۔ وَ سُؤْرِ الْھِرَّۃِ وَالدُّجَاجَۃِ الْمُخَلَّاۃِ وَ سِبَاعِ الطُّیُوْرِ وَ مَا یَسْکُنُ فِی الْبُیُوْتِ مِثْلُ الْفَارَۃِ وَالْحَیَّۃِ مَکْرُوْہٌ۔ ترجمہ۔ یعنی جوٹھا بلی اور کوچہ گرد مرغی اور درندوں، پرندوں اور ان جانوروں کا، جو گھروں میں رہتے ہیں، مثل چوہے اور سانپ، مکروہ ہے۔ اس سے مراد کراہت تنزیہی ہے۔ یعنی طبعی کراہت

ہے،شرعی کراہت نہیں ہے۔یعنی کسی کی طبیعت چاہے،تو ان جانوروں کا جوٹھا کھالے اور نہ چاہے،تو نہ کھائے۔

ابھی کل کا واقعہ ہے کہ ہمارے ہاں گھی کا ایک برتن ننگا پڑا تھا، جو بمشکل خالص ملا تھا۔اس میں مرغی نے منہ ڈال دیا۔اب اگر اس کے لئے پلیدی کا حکم ہوتا،تو کتنا نقصان تھا۔پھر میں نے دیکھا کہ وہی مرغی آٹے کے برتن میں چڑھ کر آٹے کو چونچیں مارنے لگی۔اسی طرح ان جانوروں کا حال ہے، جو گھروں میں رہتے ہیں۔اگر ان کو گھروں سے نکالا بھی جائے،تو پھر مڑ مڑ کر گھروں میں گھس جاتے ہیں۔اور برتنوں وغیرہ میں منہ ڈالتے اور ان پر پھرتے رہتے ہیں۔اگر ان جانوروں کا پس خوردہ ومَس کردہ ناپاک قرار دیا جاتا،تو لوگوں کے ہر آن وہر لحظہ میں نقصانات عظیم ہوتے اور لوگوں پر زندگی دوبھر ہوجاتی۔اور اگر کوئی اس پس خوردہ ومَس کردہ کو بباعث حرص یا بباعث کمی اشیاء کھا جاتا،تو خدا تعالیٰ کا نافرمان ٹھہرتا۔لہٰذا ان جانوروں کے پس خوردہ ومَس کردہ کے متعلق مسامحت کا معاملہ برتا گیا،تا کہ لوگ تکالیف میں نہ پڑ جائیں اور ان اشیاء کو پھینک دینے سے ان کے نقصانات نہ ہوں۔

بیر بضاعہ کی نجاستیں اور اس کی پاکی کی وجوہات

نبی علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں اَلْمَاءُ طَهُوْرٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَیْءٌ ۔یعنی پانی پاک کرنے والا ہے۔کوئی چیز اس کو ناپاک نہیں کرسکتی۔اور فرمایا۔اَلْمَاءُ لَا يَجْنَبُ ۔یعنی پانی ناپاک نہیں ہوتا۔اور فرمایا کہ اَلْمُؤْمِنُ لَا يَنْجَسُ۔یعنی مومن ناپاک نہیں ہوتا۔اور فرمایا اِنَّ الْبَدَنُ لَا يَنْجَسُ وَالْاَرْضُ لَا يَنْجَسُ یعنی بدن ناپاک نہیں ہوتا اور زمین ناپاک نہیں ہوتی۔ان سب سے مراد خاص نجاست کی نفی ہے، جو قرائن حالیہ ومقالیہ سے مفہوم ہوسکتی ہے اور پانی کے ناپاک نہ ہونے سے یہ مراد ہے کہ معادن میں نجاست کے پڑنے سے جب نجاست ان میں سے نکال کر پھینک دی جائے اور پانی کی کوئی صفت بھی نہ بدلے اور اس کا اثر ظاہر نہ ہو،تو وہ ناپاک نہیں رہتے۔اور بدن کو خواہ کیسی ہی ناپاکی لگ جاوے،جب دھو ڈالو،تو پاک ہو جاتا ہے،ناپاک نہیں رہ سکتا۔اور زمین بھی کیسی ہی ناپاک ہو، مینہ برسنے اور دھوپ پڑنے اور خلقت کے اس پر چلنے پھرنے سے صاف ستھری ہو جاتی ہے،نجاست کا نام بھی نہیں رہتا۔اور بیر بضاعۃ میں کس طرح کوئی گمان کرسکتا ہے کہ اس میں نجاستیں پڑی رہا کرتی تھیں۔کسی طرح یہ گمان نہیں ہوسکتا۔اس واسطے کہ ایسی چیز سے بنی آدم کو طبعی نفرت ہے۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس کا پانی کس طرح پی سکتے تھے۔اصل بات یہ ہے کہ اس وقت آج کل کے ہمارے زمانہ کی طرح کنوؤں کے اندر نجاستیں پڑ جاتی تھیں اور یہ نکال کر پھینک دیا کرتے تھے۔پھر جب اسلام آیا تو

انہوں نے طہارت شرعیہ کا، جو ان کی طہارت کے علاوہ ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، تو آپ نے فرمایا پانی پاک کرنے والی چیز ہے۔ کوئی چیز اس کو ناپاک نہیں کر سکتی۔ یعنی اس کا ناپاک ہونا وہی ہے جو تم جانتے ہو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں یہ کوئی تاویل صرف عن الظاہر نہیں ہے۔ بلکہ عرب کا کلام اسی طرح ہوتا ہے۔ دیکھو خدا تعالےٰ فرماتا ہے **قُلْ لَا اَجِدُ فِیْمَا اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّماً عَلیٰ طَاعِمٍ یَّطْعَمُہ‘** ۔ ترجمہ۔ یعنی کہہ دے میرے پاس جو وحی کیا گیا ہے اس میں کھانیوالے کے لئے کوئی کھانے کی چیز حرام نہیں پاتا۔ اس سے یہ مراد ہے کہ جن چیزوں میں تم جھگڑتے رہتے ہو، ان میں کوئی حرام چیز نہیں پاتا۔ جب کوئی شخص کسی طبیب سے کسی چیز کے استعمال کرنے کو دریافت کرے اور وہ کہے کہ اس کا استعمال جائز نہیں ہے، تو اس سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ اس کی صحت بدن کے اعتبار سے اس کا استعمال ناجائز ہے۔

کتے اور بلی کے جوٹھے میں فرق ہونے کی وجہ

سوال۔ کُتّا و بلّی درندے و حرام جانوروں میں ہیں۔ لیکن کُتّا کسی برتن میں منہ ڈالے، تو اس کو ناپاک قرار دینا اور بلّی کسی برتن میں منہ ڈالے، تو اس کو ناپاک نہ کہنا کس حکمت پر مبنی ہے۔ حالانکہ کُتّا و بلّی دونوں حرام اور درندے جانوروں میں سے ہیں۔

جواب۔ (۱) کُتّا ایک ملعون جانور ہے، جس سے فرشتے نفرت رکھتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ کُتّا شیطان سے بہت مشابہت رکھتا ہے، کیونکہ اس کی فطرت میں غصّہ و لعب و گندگی سے آلودہ رہنا اور لوگوں کو ایذا دینا اور شیطانی الہام کو قبول کرنا پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ بغیر عذر کُتّے سے مخالطت کرنے سے دو قیراط عمل کا ثواب کم ہو جاتا ہے۔ چونکہ لوگ کتّے کی مخالطت سے بالکلیّہ باز نہیں رہ سکتے تھے، کیونکہ ان کو حفاظت مواشی و کھیتی و گھر وغیرہ کے واسطے ضرورت تھی، لہٰذا اس سے پوری حفاظت و طہارت کا امر فرمایا۔

۲۔ کتّا جو چیز کھاتا ہے اس کے ساتھ اس کا منہ آلودہ ہو جائے، تو منہ کو صاف نہیں کرتا، بخلاف بلی کے کہ (۳) وہ اپنے منہ کو پونچھ کر، چاٹ کر، صاف کر لیتی ہے۔ الغرض بلی اور کتے کے اوصاف میں بڑا فرق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلی کے متعلق فرماتے ہیں **اِنَّھَا لَیْسَتْ بِنَجَسٍ اِنَّھَا مِنَ الطَّوَّافِیْنَ وَ الطَّوَّافَاتِ** ۔ یعنی بلی کا جوٹھا نجس نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تمہارے اردگرد پھرنے والوں میں سے ہے۔ بلی کا خاصہ ہے کہ وہ نجاست سے آلودہ نہیں رہتی۔ جب کوئی چیز کھاتی ہے تو اپنے منہ کو صاف کر دیتی ہے۔ یہ بات کسی اور جانور میں نہیں ہے۔ اس میں (۴) عموم بلوی و کثرت ابتلا کے

باعث سماحت کا معاملہ برتا گیا ہے۔

۵۔ کُتّا و بلّی اگر چہ دونوں حرام و درندے جانور ہیں۔لیکن ان کے پس خوردہ کے متعلق جدا جدا حکم وارد ہونا اور ان کی نجاست کی حد تمیز کرنا نور نبویؐ کا خاصہ ہے، ہر کسی کا کام نہیں ہے۔ جب کہ اس مادی دنیا کے لوگ مقیاس الحرارت لگا کر گرمی و سردی کے درجات معلوم کر لیتے ہیں،تو پھر خواجہ ثقلین صلی اللہ علیہ وسلم جو اس دنیا کی ساری پاک و پلید کو الگ الگ کر کے دکھانے آئے تھے،ان میں اس قوت متمیزہ کا مادہ سب سے بڑھا ہوا ماننا لازم ہے۔

کتے کا برتن میں منہ ڈالنے یا اس سے پانی وغیرہ پینے سے اس برتن کو سات بار دھونے سے پاک ہونے کی حکمت

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا وَلَغَ الْکَلْبُ فِی الْاَنَاءِ فَاغْسِلُوْہُ سَبْعَ مَرَّاتٍ وَعَفِّرُوْہُ الثَّامِنَةَ بِالتُّرَابِ ۔یعنی کسی برتن میں کتا پانی پی جائے یا کھا جائے،تو اس برتن کو پاک کرنے کے لئے سات بار دھوڈالو اور آٹھویں بار اس کو مٹی سے مانج دو۔ کتے کے لعاب کی رطوبت کا اثر بہت قوی و زہریلا ہوتا ہے۔اور وہ برتن وغیرہ ہر ایک چیز میں یکساں ہوتا ہے۔ جو شخص کتے کا پس خوردہ یا کتّے کے متاثر برتن وغیرہ میں کھانا کھائے یا پانی وغیرہ پیئے بالضرور اس میں اس کی درندگی و بداخلاقی کا اثر سرایت کر جاتا ہے۔لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس برتن کو جس میں کتّے نے پانی پیا یا کھایا ہو اس کو بکثرت دھونے کا امر فرمایا اور سات بار کی تعداد کثرت سے دھونے کی تاکید پر دال ہے۔اور سات بار تک دھونے کی تعیین اس امر پر دال ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نور نبوی سے اس حد تک دھونے سے پلیدی کا اثر رفع ہونے کا علم ہو چکا تھا۔لہٰذا یہ حد مقرر فرمادی اور آٹھویں بار مٹی سے مانجنا اس لئے فرمایا کہ زہریلے مادہ کی رطوبت کا اثر جو برتن وغیرہ میں سرایت کر جائے اس کو مٹی کا مادہ نمک اٹھا دیتا ہے۔

نوٹ از مدوّن ۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ موجودہ زمانے میں ایجاد ہونے والی اشیاء کے ساتھ برتن کا دھونا درست نہیں یا یہ کہ ہر حالت میں برتن کو سات بار ہی دھویا جانا چاہیئے ۔آج کل نت نئی کیمیکل دوائیں ایجاد ہو رہی ہیں،جن کے ساتھ ایک بار دھونے سے برتن صاف ہو جاتا ہے۔جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، دراصل سات بار دھونے سے مراد بکثرت دھونا تھا اور اس امر پر زور دینا تھا کہ برتن کے مکمل طور پر پاک وصاف ہو جانے کا یقین کر لینا چاہیئے ،تا کہ بیماریوں کے جراثیم زائل ہو جائیں اور انسانی

زندگی کو کوئی خطرہ باقی نہ رہے۔ پہلے وقتوں میں جب ابھی ہائی جین کے اصولوں کا عام طور سے چرچا نہ تھا، اس زمانے میں سات بار برتن کے دھونے کا ارشاد طبی اصولوں کے عین مطابق تھا۔

۲۔ اللہ تعالےٰ نے کتّے کے جوٹھے یعنی اس کے پس خوردہ کو نجس ٹھہرایا ہے۔ اگر اس کا پس خوردہ طعام یا پانی کھایا پیا جائے، تو وہ دل کو مار دیتا اور سخت کر دیتا ہے۔ اور یہ بات ظاہر و باہر ہے کہ جس کا دل مر جائے وہ نہ نصیحت پذیر ہوتا اور نہ نیکی کی طرف رغبت کرتا ہے اور گناہ میں پڑنے سے توبہ کی طرف ہدایت یافتہ نہیں ہوتا۔ پس اہل کشف اور مشاہدہ و تجربہ کار لوگوں کا اس بات پر کلّیتہً اتفاق ہو چکا ہے کہ کتّے کا پس خوردہ کھانے والے اور اس کا جوٹھا پانی پینے والے کا دل اس حد تک سخت ہو جاتا ہے کہ وہ قطعاً نصیحت پذیر نہیں ہوتا اور نیکی کی طرف رغبت نہیں کرتا۔ ایک شخص کے متعلق تجربہ ہوا کہ اس نے کتے کا پس خوردہ طعام کھایا اور دودھ پیا اور نو ماہ تک وہ کسی نیکی کی طرف باوجود بار بار نصیحتوں کے راغب نہ ہوا۔ اور مقبوض القلب رہا اور قریب الہلاک ہو گیا تھا۔ جو شرّ کتّے کے جوٹھے کے کھانے سے انسان میں پیدا ہوتا ہے وہ اس سے پرہیز کرنے کا موجب ہے۔ اور کتّے پر نجاست کا اطلاق جائز ہے۔ برابر ہے کہ ہم ذات کو مع صفت کے ارادہ کریں یا فقط صفت کا جیسا کہ اللہ تعالےٰ اسم رجس کا اطلاق مشرکین پر ان کی صفت کفر کی وجہ سے فرماتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ ۔ یعنی مشرک ناپاک ہیں۔ جب مشرکین سے کوئی مسلمان ہو جاتا ہے، تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔ اگر ان کی نجاست ذاتی ہوتی، تو کوئی مشرک اسلام لانے سے پاک نہ ہوتا۔ پس ہمارے پاس کتّے کی نجاست ذات پر اور کوئی دلیل نہیں مگر وہی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتّے کی بیع اور اس کی قیمت کے کھانے سے منع فرمایا ہے۔ اس صفت کی وجہ سے کتّا اس طرح پلید ہے کہ اس کا جوٹھا دل کو مار دیتا ہے۔ لہٰذا اس سے پرہیز کرنا واجب ہوا جیسا کہ سانپ سے اسکے زہر کی وجہ سے، جو اس سے ضرور لاحق ہوتا ہے، پرہیز کیا جاتا ہے۔ باوجودیکہ وہ پاک ہوتا ہے۔ بلکہ کتّے سے زیادہ تر پرہیز چاہیئے، کیونکہ وہ دین میں ضرر رساں ہے۔ کتّے کو اس کے اثر کی وجہ سے ناپاک کہا گیا ہے۔ اور از روئے ذات کے وہ پاک ہے، جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے مشرکین کو نجس فرمایا ہے اور قمار بازی اور ازلام اور انصاب ناپاک ہیں۔ باوجودیکہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مشرک کا جسم پاک ہوتا ہے۔ اور ایسا ہی قمار بازی کا سامان اور ازلام اور انصاب پاک ہیں۔

۳۔ دل، جس پر سارے جسم کا مدار ہے، کتّے کا پس خوردہ کھانے سے وہ جسم میں مر جاتا ہے اور اس میں ایسی کمزوری پیدا ہو جاتی ہے کہ انسان کو وعظ و پند قبول کرنے سے مانع ہوتی ہے، جو اس کے لئے باعث دخول جنت ہے۔ لہٰذا شارع علیہ السلام نے کتّے کے اثر کو پانی سے سات بار دھونے اور ایک بار

مٹی کے ساتھ مانجنے کی تاکید فرمائی۔ تاکہ کتّے کا اثر کلیتہً دفع ہو جائے۔ اور آپ نے مٹی اور پانی کو اس بارہ میں جمع فرمایا کیونکہ ان دونوں کے جمع ہونے سے کھیتی جمتی اور سبزہ پیدا ہوتا ہے۔

۴۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کتّے کے اثر کو مٹانے کے لئے سات بار دھونے کا اور ایک بار مٹی سے مانجنے کے لئے ارشاد فرمانا نورِ نبّوت سے آپ کو معلوم ہوا تھا کہ اس قدر برتن کو دھونے و مانجنے سے کتّے کا اثر اس سے مٹ جائے گا۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ ڈاکٹر و طبیب مریض کے جسم کی برودت و حرارت کو مقیاس لگا کر معلوم کر لیتے ہیں کہ اتنے درجہ تک حرارت و سردی پہنچی ہے۔

کتے سے زیادہ پرہیز دلانے کی وجہ

اکثر کتوں کی انتڑیوں میں چھوٹے چھوٹے کِرم بہت ہوتے ہیں، جن کی لمبائی چار ملیمترات ہوتی ہے اور ان کو ایکنوکوکس کہتے ہیں۔ جب کتا پاخانہ پھرتا ہے تو اس کے پاخانہ میں بے شمار بیضے خارج ہوتے ہیں اور اکثر ان میں سے بوقت خروج اس کے دبر کے بالوں کو چمٹ جاتے ہیں اور جب کتا اپنی زبان سے اپنے آپ کو صاف کرنا چاہتا ہے جیسا کہ اس کی عادت میں یہ بات داخل ہے، تو اس کی زبان اور منہ ان بیضوں سے آلودہ ہو جاتے ہیں اور وہ اس کی زبان وغیرہ کے ذریعہ اس کے باقی بالوں میں پھیل جاتے ہیں اور یہ تو اس کی ایک بار میں۔ اور اس کے بار بار کے چاٹنے سے اس کا سارا جسم ان بیضوں سے آلودہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بڑی بڑی خوردبینوں سے مشاہدہ کیا گیا ہے۔

پس جب کتّا کسی برتن میں منہ ڈالتا یا اس میں سے پانی پیتا ہے یا کوئی اس کو مَس کرتا ہے جیسا کہ اہل فرنگ کیا کرتے ہیں۔ یا کوئی شخص کتّے کو اپنے لباس سے لگاتا ہے، تو بعض انڈے ان اشیاء سے لگ کر چمٹ جاتے ہیں اور اس سے وہ آسانی سے خوراک کھانے اور پانی وغیرہ پینے کے وقت منہ کے ذریعہ انسان کے اندر چلے جاتے ہیں اور معدہ میں پہنچ جاتے ہیں۔ اور ان انڈوں سے بچے نکلتے ہیں اور وہ معدہ کی دیواروں کو چھید کر ڈالتے ہیں اور وہاں سے خون کی رگوں میں پہنچتے ہیں۔ اور وہاں سے اعضاء رئیسہ کو پہنچ جاتے ہیں۔ اور اس حالت میں ان خولوں کو اکیاس کہتے ہیں اور وہ جگر کو چمٹ جاتے ہیں۔ اور بسا اوقات دوسرے اعضاء یعنی دماغ اور دل اور پھیپھڑے میں جا لگتے ہیں اور ان اکیاس سے کئی عارضے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے جو جگر کو جا چمٹتے ہیں اس سے استسقاء زقی یا یرقان پیدا ہو جاتا ہے۔ اور دل کو چھید ہو کر اس میں پیپ پڑ جاتی ہے۔ اور جگر میں خراش پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس سے جلن ہونے لگتی ہے۔ بالآخر انسان مر جاتا ہے۔ اور جب یہ خولدار کِرم دماغ میں جا پہنچتے ہیں تو اس سے سخت سر دردی متواتر اور غشی اور تشنج کے دورے آنے شروع ہو جاتے ہیں اور بعض شل ہو کر کے بیکار

ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث میں کتّے سے زیادہ پرہیز کرنے کی بھی تاکید وارد ہوئی ہے۔

حقیقت تقلید ائمہ اربعہ

ہمارے نزدیک پاک دل اور صلحاء کی تقلید کو چھوڑنا ایک اباحت ہے، کیونکہ ہر ایک شخص مجتہد نہیں ہے۔ ذرا سا علم ہونے سے کوئی شخص متابعت کے لائق نہیں ہو جاتا۔ کیا کوئی شخص اس لائق ہے کہ سارے متقی اور تزکیہ کرنے والوں کی تابعداری سے آزاد ہو جائے؟

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو جو لوگ محض اہل الرائے قرار دیتے ہیں، وہ سخت غلطی کرتے ہیں۔ امام صاحب موصوف نے بعض تابعین کو بھی دیکھا تھا۔ وہ فانی فی سبیل اللہ اور علم دین کا ایک بحر محیط تھا اور دوسرے سب اس کی شاخیں ہیں۔ اس کا نام محض اہل الرائے رکھنا بھاری خیانت ہے۔ آپ کو علاوہ کمالات علم آثارِ نبوّت کے استخراج مسائل میں یدطولیٰ تھا۔ اس زمانہ میں چاروں مذہب اللہ تعالیٰ کا فضل اور اسلام کے واسطے ایک چار دیواری کی مانند ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی حمایت کے واسطے ایسے اعلیٰ لوگ پیدا کئے جو نہایت متقی اور صاحب تزکیہ تھے۔ آج کل کے لوگ جو بگڑے ہیں، اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اماموں کی متابعت چھوڑ دی گئی ہے۔ خدا تعالیٰ کو دو قسم کے لوگ پیارے ہیں۔ اول وہ جن کو اللہ تعالیٰ نے خود پاک کیا اور علم دیا۔ دوم وہ جو ان کی تابعداری کرتے ہیں اور لوگوں کی تابعداری کرنے والے بہت اچھے ہیں، کیونکہ ان کو تزکیہ نفس عطا کیا گیا تھا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے قریب تر تھے۔

حکمت حق رازہا دارد بسے — نکتہء مستور کم فہمد کسے
فہم را فیضان حق باید نخست — کار بے فیضاں نمے آید درست
گر نداری فیض رحماں را پناہ — ظلمتے در ہر قدم داری براہ
فیض حق را با تضرع کن تلاش — ہاں مروچوں تو سنے آہستہ باش

کتاب الصَّلوٰۃ

معیار صحت عقل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم و علی آلہ و اصحابہ مع التسلیم.

اما بعد ۔ چونکہ اس کتاب میں شریعت اسلام کو معقول پیرایہ میں بیان کرنا ہمارا مقصود ہے، لہٰذا ہماری انسانی عقل کی صحت کا بھی کوئی معیار و میزان عدالت مقرر ہونا چاہئے۔ سووہ الہام الٰہی یعنی قرآن وحدیث ہے۔ ورنہ جو عقل اس میزان سے باہر ہوجائے، وہ عقل نہیں بلکہ مالیخولیا وجنون ہوگا۔ اور جو عقل خالق عقول کے کلام سے مستفیض اوراس کے نور سے منور ہے، وہ صحیح ہے۔ اور جواس سے باہر ہو، اس کے غلط ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ وجہ یہ کہ اگر تمام عقول انسانی صحیح ہوتیں، تو دنیا کے مذاہب میں اختلاف و تناقض نہ ہوتا۔ محض عقل انسانی کو بغیر اسناد کلام الٰہی صحیح قرار دینے سے تمام مذاہب باطلہ کے پیروؤں کے عقائد اوران کے عندیات کو درست کہنا پڑتا ہے، جن کے متعلق وہ اپنے اپنے دلائل عقول سفلیہ کے پیش کررہے ہیں۔ مگر چونکہ ان کے عقول خالق عقول سے مستفیض نہیں ہیں، اس لئے وہ بھٹک رہے ہیں۔ اگر عقل انسانی بغیر اقتباس نور نبوت مفید ہوتی اور تمام عقدہ کشائیاں اس سے ہوسکتیں، تو نصاریٰ۔ آریہ۔ دہریہ وغیرہ وغیرہ کے عقائد وعندیات میں زمین وآسمان جتنے دور و دراز کے اختلافات نہ ہوتے۔ مذہب کے معاملہ میں انسانی عقل کی آنکھ بجز نور آفتاب نبوت بالکل کور ہے، کچھ نہیں دیکھ سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ جولوگ چشمۂ نبوت سے منکر ہیں، ان کی عقلیں مذہب کے معاملہ میں بھٹک رہی ہیں۔ عقل بجز امداد و اقتباس نور نبوت حقیقت شناس نہیں ہوسکتی۔ انسانی عقل آنکھ کی مثل ہے۔ پس جیسا کہ جسمانی چشم نورِ آفتاب کے بغیر کچھ دیکھ نہیں سکتی، ایسا ہی روحانی چشمِ عقل بھی آفتابِ نبوّت کے نور کے سوا مذہبی صداقت کو دیکھ ہی نہیں سکتی اور نہ سیدھی راہ پر آسکتی ہے۔

حاجت نورے بود ہر چشم را ایں چنیں افتاد قانون خدا
چشم بینا بے خورِ تاباں کہ دید کے چنیں چشمے خداوند آفرید

جب کہ انسانی عقل کی میزان عدالت و معیار صحیح خدا تعالیٰ کا کلام ٹھہرا، لہٰذا ہم اس کتاب میں

جس مسئلہ کی فلاسفی وحقیقت بیان کریں گے،اس کا استنباط واسناد قرآن کریم واحادیث نبویہ سے ہوگا۔ گو بعض مقاموں میں حذف اسناد ہی ہوگا، کیونکہ اختصار کو پسند کرنے والی طبائع طویل الکلامی و بیان دراز سے ملول ہوجاتی ہیں۔

عبادات کے لئے تخصیص اوقات کی حکمتیں

۱۔ جیسا کہ انسان پر ظاہری اور جسمانی طور پر تغیر اوقات وتبدیل حالات مشاہدہ میں آ رہے ہیں، ایسا ہی تغیر اوقات کے ساتھ اس پر روحانی تبدیلیاں بھی واقع ہوتی رہتی ہیں۔ اور جیسا کہ ان تغیر اوقات کا اثر انسان کے جسم پر پڑتا ہے، ایسا ہی اس کی روحانیت پر بھی اثر ہوتا ہے۔ تبدیل اوقات و حالات کے ایسے بعض دور کا وقت روزانہ دور کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ روزانہ پانچ نمازوں کے اوقات ہیں۔ اور بعض اوقات کا دور ہفتہ کے دور کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے، وہ روز جمعہ کا وقت ہے۔ اور بعض اوقات کا دور سال کے دور کے ساتھ ہوا کرتا ہے، وہ رمضان شریف وعیدین ہیں۔

۲۔ لوگوں کے اعمال کا درگاہ الٰہی میں دوشنبہ وپنجشنبہ کو پیش ہونا، جو احادیث نبویہ میں مذکور ہے اور رمضان میں قرآن کریم کا نازل ہونا، فضیلتِ اوقات وانسانی حالات کی خصوصیتوں کی طرف ایما ہے۔

۳۔ جیسا کہ جسم کی حفاظت کے لئے بطور حفظ ماتقدم خداتعالیٰ کی پیدا کردہ اشیاء وادویہ و غذائیں حسب مناسبتِ وقت استعمال کی جاتی ہیں، ایسا ہی روحانیت کی حفاظت کے لئے خداتعالیٰ کے فرمودہ احکام کی بجاآوری بمناسبتِ اوقات معیّنہ کی جاتی ہے۔

۴۔ نماز کے لئے وقت کا مقرر کرنا ضروری ہے، کیونکہ وقت کی تعیین سے انسانوں کے دلوں کو اس کی طرف توجہ رہتی ہے اور ان کو جمعیت رہتی ہے اور نہ یہ جھگڑا رہتا ہے کہ ہر شخص اپنی رائے پر چلے۔ کیونکہ جس امر کی تعیین نہ ہو، اس میں ہر شخص اپنی رائے کا دخل دینا چاہتا ہے، خواہ اس میں اس کا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔

۵۔ اگر عبادات کے لئے اوقات معین نہ ہوتے، تو اکثر لوگ تھوڑی سی نماز روزہ کو زیادہ خیال کرتے، جو بالکل رائیگاں اور غیر مفید ہوتا۔ تعیین اوقات میں یہ بھی ایماء ہے کہ اگر کوئی شخص ان اوقات کی پابندی سے آزاد رہنا چاہے اور انکے ترک کرنے کے حیلے حوالے کرے، تو اسکی گوشمالی ممکن ہو سکے۔

۶۔ حکمت الٰہی کا اقتضا ہوا کہ انسان کو زمانے کے ہر ایک حصہ کے بعد نماز کی پابندی اور اس کے وقت کا حکم دیا جائے، تاکہ نماز سے پہلے اس کا انتظار کرنا اور اس کے لئے تیار رہنا اور نماز پڑھ لینے کے

بعد اس کے نور کا اثر اور اس کے رنگ کا بقیہ بھی بمنزلہ نماز ہی کے ہو جائے اور غفلت کے اوقات میں خدا تعالیٰ کا ذکر مدنظر رہا کرے اور اس کی اطاعت میں دل متعلق رہے۔ اس میں مسلمان کا حال اس گھوڑے کی طرح رہتا ہے جس کی اگاڑی پچھاڑی بندھی ہوتی ہے۔ اور ایک دو دفعہ کودتا ہے اور پھر بے بس ہو کر رہ جاتا ہے اور نماز کی پابندی سے غفلت اور گناہوں کی سیاہی دلوں کے اندر نہیں بیٹھتی۔

۷۔ تقرری اوقات خمسہ میں پابندی اوقات اور امور مہمہ میں تاخیر نہ کرنے کی طرف ایماء ہے۔ **لا تؤخر عمل الیوم لغد**۔ یعنی آج کا کام کل پر نہ چھوڑو۔

وجہ تعیین اوقات پنجگانہ نماز

خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں نماز کے پنجگانہ اوقات کی خصوصیت کی فلاسفی وحقیقت سمجھنے کے لئے اوقات خمسہ کے اوصاف موثرہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے۔ **فَسُبْحَانَ اللّٰہِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِیْنَ تُصْبِحُوْنَ وَ لَہُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ عَشِیًّا وَ حِیْنَ تُظْھِرُوْنَ** ۔ ترجمہ۔ خدا تعالیٰ کی یاد کا وقت ہے جب تم شام کرو اور جب صبح کرو اور اس کی خوبیاں بیان کی جاتی ہیں آسمانوں وزمین میں اور پچھلے وقت اور دوپہر میں۔

عبارت قرآنی سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ ان اوقات میں زمین و آسمان کے اندر تغیرات عظیمہ واقع ہوتے ہیں، جن میں خدا تعالیٰ کی جدید تسبیح وتحمید کا موقع آتا ہے۔ اور ان تغیرات کا اثر انسانی روح وجسم دونوں پر واقع ہوتا ہے۔ الغرض پنجگانہ نمازیں کیا ہیں۔ وہ تمہارے مختلف حالات کا فوٹو ہے۔ تمہاری زندگی کے لازم حال پانچ تغیر ہیں، جو تم پر وارد ہوتے ہیں اور تمہاری فطرت کے لئے ان کا وارد ہونا ضروری ہے، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

وجہ تعیین نماز ظہر

ا۔ پہلے جب کہ تم مطلع کئے جاتے ہو کہ تم پر ایک بلا آنے والی ہے۔ مثلاً جیسے تمہارے نام عدالت سے ایک وارنٹ جاری ہو۔ یہ پہلی حالت ہے جس نے تمہاری تسلی اور خوشحالی میں خلل ڈالا۔ سو یہ حالت زوال کے وقت سے مشابہ ہے۔ کیونکہ اس سے تمہاری خوشحالی میں زوال آنا شروع ہوا۔ اس کے مقابل پر نماز ظہر متعین ہوئی۔ جس کا وقت زوال آفتاب سے شروع ہوتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زوال کی ساعت کی نسبت فرمایا ہے کہ اس میں آسمان کے دروازے کھلتے ہیں۔ اس لئے میں پسند کرتا ہوں کہ اس وقت میرا کوئی عمل آسمان کی طرف صعود کرے۔

فرمایا رات کے فرشتوں سے پہلے دن کے فرشتے آسمان کی طرف صعود کرتے ہیں اور دن کے فرشتوں سے پہلے رات کے فرشتے صعود کرتے ہیں۔

اس وقت کے تغیرات کے آثار، جو جسم انسانی پر ظاہر ہوتے ہیں، طبیبوں نے اپنی طبی کتابوں میں بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ "مفرح القلوب شرح قانونچہ" میں لکھا ہے کہ "نوم بعد زوال کہ مسمٰی است بہ حیلولہ لکونہ حاملاً بین النائم والصلوۃ محدث نسیان است"۔ ترجمہ۔ یعنی دوپہر کے بعد کی نیند، جس کو حیلولہ کہتے ہیں، نسیان کا مرض پیدا کرتی ہے۔ اور حیلولہ اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ سونے والے اور نماز کے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔

ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنے کی حکمت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **اذا اشتد الحر فابردو بالظهر فان شدة الحر میں فیح جهنم** ۔ترجمہ۔ یعنی جب گرمی کی شدت ہو، تو ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھا کرو۔ کیونکہ گرمی شدّتِ جہنم کا اُبھان ہے۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ جنت و جہنم کا خدا تعالیٰ کے ہاں خزانہ ہے۔ اس خزانہ سے اس عالم میں کیفیات مناسبہ اور منافرہ کا فیضان ہوتا رہتا ہے۔ اور کاسنی وغیرہ کے متعلق جو حدیث آتی ہے، اس کی بھی یہی تاویل ہے۔

وجہ تعیین نماز عصر

۲۔ دوسرا تغیر اس وقت تم پر آتا ہے جب کہ تم بلا کے محل سے بہت نزدیک کئے جاتے ہو۔ مثلاً جب کہ تم بذریعہ وارنٹ گرفتار ہو کر حاکم کے سامنے پیش ہوتے ہو۔ یہ وہ وقت ہے کہ جب تمہارا خوف سے خون خشک اور تسلی کا نور کم ہو جاتا ہے اور نظر اس پر جم سکتی ہے۔ اور صریح نظر آتا ہے کہ اب اس کا غروب نزدیک ہے۔ اس روحانی حالت کے مقابل پر نماز عصر مقرر ہوئی ہے۔ یہ ایسا وقت ہے کہ اس وقت کی غفلت کوئی تدارک نہیں رکھتی۔ اس وقت کی غفلت جسمانیت پر بہت بُرا اثر ڈالتی ہے۔ چنانچہ حضرت محمد ارزانی حکیم لکھتے ہیں کہ "نوم آخر روز کہ مسمٰی است بفیلولہ باعث آفات کثیرہ است بہلاکت میکشد"۔ ترجمہ۔ یعنی دیگر وقت کی نیند، جس کو عربی میں فیلولہ کہتے ہیں، بہت بیماریاں پیدا کرتی ہے۔ بسا اوقات اس وقت کی نیند سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔

وجہ تعیین نماز مغرب

۳۔ تیسرا تغیر تم پر اُس وقت آتا ہے جب اس بلا سے رہائی پانے کی بکلّی امید منقطع ہو جاتی

ہے۔مثلاً تمہارے نام فردقرارداد جرم لکھی جاتی ہے اور مخالفانہ گواہ تمہاری ہلاکت کے لئے گذر جاتے ہیں۔ یہ وہ وقت ہے کہ جب تمہارے اوسان خطا ہو جاتے ہیں اور تم اپنے تئیں ایک قیدی سمجھنے لگتے ہو۔ سو یہ حالت اس وقت سے مشابہ ہے جب کہ آفتاب غروب ہو جاتا ہے اور تمام امیدیں دن کی روشنی کی ختم ہو جاتی ہیں۔اس روحانی حالت کے مقابل پر نماز مغرب مقرر ہے۔

وجہ تعیین نماز عشاء

۴۔ چوتھا تغیر اس وقت تم پر آتا ہے کہ جب بلا تم پر وارد ہی ہو جاتی ہے اور اس کی سخت تاریکی تم پر احاطہ کر لیتی ہے۔مثلاً جب کہ فرد قرارداد جرم اور شہادتوں کے بعد حکم سزا تم کو سنایا جاتا ہے۔اور قید کے لئے ایک پولیس مین کے تم حوالے کئے جاتے ہو۔سو یہ حالت اس حالت سے مشابہ ہے، جب کہ رات پڑ جاتی ہے اور ایک سخت اندھیرا چھا جاتا ہے۔اس روحانی حالت کے مقابلہ پر نماز عشاء مقرر ہوئی ہے۔ رات و تاریکیوں کو مصائب سے اور دن و روشنیوں کو آرام و نجات سے قدرتی تعلق ہے۔ چنانچہ عرب کا ایک شاعر اس قدرتی مناسبت کو یوں بیان کرتا ہے۔

توقع صنع ربک یاتی بما تهواه من فره قریب
ولا تایئس اذا ما نال خطب فکم فی الغیب من عجب العجیب
الم ان اللیل لما تراکمت دجاه و بداء وجه الصباح و نوره
فلا تصحبن الیاس ان کنت عالما لبیباً دان الدهر شتی اموره

یعنی خدا تعالیٰ کے قانون قدرت کی صنعت کو دیکھ کر امید رکھ کہ کشائش جس کو تو چاہتا ہے اس کا آثار ات کے بعد فجر کی مثال میں مقرر ہے۔جب تجھ کو مصیبت کی رات گھیر لے،تو خدا تعالیٰ کے آگے تضرع و زاری کرنے سے نہ تھک اور ناامید نہ بن۔ کیونکہ مصیبت کی اندھیری رات کے بعد کشائش کا طلوع فجر ہونا مقرر ہے۔ وجہ یہ کہ خدا نے مصائب کے پردہ میں انسان کے لئے عجیب اسرار و فائدے رکھے ہیں۔کیا تو نہیں دیکھتا کہ جب اندھیری رات چھا جاتی ہے،تو اس کے بعد صبح کا نور آیا کرتا ہے۔پس اگر تو دانا ہے تو ناامید نہ ہو کہ زمانہ کے مصائب میں راز مختلفہ ہوتے ہیں۔

جب آدمی سونے کا قصد کرتا ہے تو اس وقت ضرورت ہوتی ہے کہ مشغلوں سے جو میل طبیعت میں جم جاتی ہے وہ صیقل سے دور کر دی جائے۔اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ عشاء کے بعد لوگ قصے اور شعر نہ پڑھا کریں۔

وجہ تعیین نماز فجر

۵۔ پھر جبکہ تم مدت تک اس مصیبت کی تاریکی میں بسر کرتے ہو،تو پھر آخر خدا کا رحم تم پر جوش

مارتا ہے اور تمہیں اس تاریکی سے نجات دیتا ہے۔مثلاً تاریکی کے بعد آخر کار پھر صبح نکلتی ہے اور پھر وہی روشنی دن کی اپنی چمک کے ساتھ ظاہر ہو جاتی ہے۔سو اس حالت روحانی کے مقابل پر نماز فجر مقرر ہے۔ خدا تعالیٰ نے تمہارے فطرتی تغیرات میں پانچ نمازیں تمہارے لئے مقرر کیں۔اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ یہ نمازیں خاص تمہارے نفس کے فائدے کے لئے ہیں۔پس اگر تم چاہتے ہو کہ ان بلاؤں سے بچے رہو، تو تم پنجگانہ نمازوں کو ترک نہ کرو کہ وہ تمہارے اندرونی اور روحانی تغیرات کا ظل ہیں۔نمازیں آنے والی بلاؤں کا علاج ہیں۔تم نہیں جانتے کہ نیا دن چڑھنے والا کس قسم کی قضاء وقدر تمہارے لئے لائے گا۔پس تم قبل اس کے جو دن چڑھے اپنے مولیٰ کی جناب میں تضرع کرو کہ تمہارے لئے خیر و برکت کا دن چڑھے۔خاتم اولیا۔

بہر حال یہ امر مسلم شدہ ہے کہ ان اوقات مذکورہ بالا میں زمین پر انتشار روحانیت اور ایک مثالی قوت کا ظہور ہوتا ہے۔پس قبولِ طاعات واستجابت دعا کے لئے ان اوقات سے عمدہ اور مناسب و بہتر اور کوئی وقت نہیں ہے۔اس امر کو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء اور ہزار ہا اہل اللہ نے مشاہدہ فرما کر گواہی دی ہے کہ ان اوقات میں انوار و برکات ساوی کا نزول ہوتا ہے اور قبولیت دعا کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے ان وقتوں میں رحمت الٰہی کی ایک خاص ہوا چلتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان اوقات میں نماز مقرر ہوئی ہے۔چنانچہ قبل ازیں ہم اس مضمون کی ابتداء میں اس امر کا حوالہ قرآن کریم سے لکھ چکے ہیں۔

یہ ایسا وقت ہے کہ اگر اس وقت انسان خدا تعالیٰ سے غافل ہو، تو اس کی روحانیت پر بہت برا اثر پڑتا ہے اور سویا ہو، تو اس کی جسمانیت کو سخت ضرر پہونچتا ہے۔چنانچہ صاحب "مفرح القلوب" لکھتا ہے۔"امانوم بامداد کہ مسمی است بعیلولہ سخت زیاں دارد وخاصۃً اگر معدہ خالی بود"۔یعنی فجر کی نیند، جس کو عربی میں عیلولہ کہتے ہیں، سونے والے کو سخت زیاں پہنچاتی ہے۔خاص کر اگر معدہ خالی ہو۔

اوقات نماز کے لئے اول وآخر حد مقرر ہونے کا راز

اگر لوگوں کو یہ حکم دیا جاتا کہ تمام لوگ ایک ہی وقت یعنی ایک ہی ساعت کے اندر اندر نماز پڑھیں اور اس سے آگے پیچھے نہ پڑھ سکیں، تو اس میں حرج عظیم تھا۔اس واسطے اوقات کے اندر کسی قدر توسیع اور گنجائش بھی کر دی گئی۔اور اوقات اوائل اور اواخر کے لئے حدّیں، جو منضبط اور محسوس ہیں، مقرر کی گئیں۔

پابندی اوقات کی حکمتیں

پابندی اوقات ایک قدرتی تاثیر ہے کہ وقت معینہ کے آنے پر قلب انسانی میں بے اختیار جذب ومیلان اس ڈیوٹی کے ادا کرنے کے لئے پیدا ہو جاتا ہے اور روحانی قویٰ اس مفروض عمل کی طرف طوعاً وکرہاً منجذب ہو جاتے ہیں۔ جونہی اس غیر مصنوعی ناقوس (آذان) کی آواز سنائی دیتی ہے، ایک دیندار مسلمان فی الفور اس الیکڑسٹی کے عمل سے متاثر ہو جاتا ہے۔ پابند صلوۃ گویا ہر وقت نماز ہی میں رہتا ہے۔ کیونکہ ایک نماز کے ادا کرنے کے بعد معاً دوسری نماز کی طیاری اور فکر ہو جاتی ہے۔

نماز کا شعائر الٰہی میں سے ہونے کی وجہ

نماز کا شعائر الٰہی ہونا اس واسطے ہے کہ اس سے مقصود بندگان شاہی سے مشابہت کا اظہار ہے۔ جب وہ حضور شاہی میں دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں اور عاجزانہ درخواست وہاں کی جاتی ہے۔ اس لئے دعا کرنے سے پہلے تعریف کی جاتی ہے اور آدمی کو ایسی ایسی ہئیتیں اختیار کرنی پڑتی ہیں، جو مناجات کے وقت سلاطین کے سامنے اختیار کی جاتی ہیں۔ ہاتھ پاؤں سمٹ لئے جاتے ہیں۔ کسی قسم کی بے توجہی نہیں کی جاتی۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص نماز پڑھتا ہے، تو خداوند اس کے منہ کے سامنے ہوتا ہے۔

انسان پر نماز مقرر ہونے کا راز

ا۔ انسان پر نماز خدا تعالیٰ کی یاد آوری اور اس کے حضور میں عاجزی کے لئے مشروع کی گئی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَقِمِ الصَّلوٰۃَ لِذِکْرِیْ۔ یعنی میری یاد کرنے کو نماز قائم کرو۔
۲۔ نماز سے یہ بھی مقصود ہے کہ اس کے طفیل سے آخرت میں دیدار خدا نصیب ہو جائے۔ چنانچہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **سترون ربکم کما ترون ھذا القمر لاتضامون فی رؤیتہ فان استطعتم ان لا تغلبو علی صلوٰۃ قبل طلوع الشمس و صلوٰۃ قبل غروبھا فافعلوا**۔ ترجمہ۔ یعنی بیشک تم اپنے پروردگار کو ایسا ہی دیکھو گے جیسا اس چاند کو دیکھتے ہو۔ اس کے دیدار میں کچھ شک وشبہ نہ ہوگا۔ پس اگر تم سے ہو سکے کہ سورج نکلنے اور غروب ہونے سے پہلے کوئی چیز تم کو نماز سے باز نہ رکھے تو ایسا ہی کرو۔
میرا اس میں اپنا ذاتی تجربہ ہے کہ نماز بحضور دل پڑھنے سے دنیا ہی میں کشفِ حقائق الاشیاء کم و بیش ہوتا رہتا ہے۔ اور روحانی چشم تیز بین ہوتی جاتی ہے۔ ایک بار نماز چاشت کے وقت مجھے معلوم ہوا کہ نماز بحضور دل پڑھنے سے گویا انسان کا روحانی جسم ایک نہایت منور آئینہ کی طرح ہونیکو تیار ہے، جس

میں ہر خارجی چیز کی شبیہ وصورت منعکس ہو جاتی ہے۔اور یہ امر بھی محسوس ہوا کہ کوئی غیر شرع امر و ناجائز غصہ وغضب کی کلام صادر ہونے سے اس روحانی آئینہ پر کدورت اور سیاہی آنی شروع ہو جاتی ہے۔

بابُ الاذان

حکمت اذان نماز

۱۔نماز کی جماعت ایک ضروری امر ہے اور ایک وقت اور ایک جگہ میں لوگوں کا اجتماع اعلام اور آگاہ ہونیکے سواد شوار ہے۔اس لئے حکمت الٰہی کا اقتضاء یہ ہوا کہ اذان کے اندر صرف اعلام اور تنبیہہ نہ پائی جائے ، بلکہ وہ شعائر اسلام میں سے ایک شعار ٹھہرایا جائے اور لوگوں پر اسکے الفاظ پکارے جائیں اور اس نشان میں مذہب کی عزت کی جائے۔اور اسکا قبول کر لینا لوگوں کے دین الٰہی کے تابع ہو جانے کی پہچان ہو۔اس لئے یہ بات ضروری ہوئی کہ ذکر الٰہی اور شہادتین سے اس کی ترکیب ہو۔اور نماز کے لئے بلانا بھی اس میں پایا جائے ،تا کہ جو چیز اس سے منظور ہے، وہ اس سے صراحتہً سمجھ میں آ جائے۔

۲۔اسلام نے جو بات سکھائی ، وہی عملی رنگ میں سچی ہو سکتی ہے۔اس کے سوائے دنیا کا گذارہ ہی نہیں۔اسلام میں کوئی ایسی بات نہیں ، جو مخفی رکھنے کے لائق ہو یا جو خواص کے واسطے ہو اور عوام کے واسطے الگ ہو۔جیسا کہ بعض مذاہب میں اکثر باتیں دوسرے لوگوں سے مخفی رکھی جاتی ہیں، کسی پر ظاہر نہیں کی جاتیں۔ ہندوؤں میں ساکت مت ہے۔ وہ عام طور سے اپنے عقائد کو بیان نہیں کرتے ، بلکہ اس کے اظہار میں بہت مضائقہ کرتے ہیں۔اسلام ایک ایسا مذہب ہے کہ اس میں کوئی ایسی بات نہیں، جس کا بیان اہل اسلام کے واسطے کسی حالت میں بھی قابل شرم ہو۔یہی وجہ ہے کہ اسلام اپنے عقائد کو ہمیشہ اونچے سے اونچے مکانوں پر چڑھ کر اور بلند میناروں پر کھڑے ہو کر دن میں پانچ دفعہ پکار کر سب کو سنا دیتا ہے۔مؤذن کانوں میں انگلی دے کر کہ اس کے کانوں کے پردوں کی حفاظت ہو،نہایت بلند آواز سے ایسے کلمات بول دیتا ہے جو کہ دین اسلام کے تمام اصول اور فروع کے لئے جامع ہیں۔یہی اصلی اور حقیقی اور سچا مذہب ہے،جس کی منادی کوٹھوں پر چڑھ کر برملا کی جاتی ہے۔

افسوس کہ موجودہ صدی کے مسلمان اذان کی حقیقت سے آشنا نہیں رہے اور اس کی خوبیوں سے بے خبر ہو گئے ہیں۔ ورنہ بطور فخر کے اسے دیگر مذاہب کے سامنے پیش کرتے اور صرف اسی کے ذریعہ سب کو جیت لیتے۔اس میں عقائد، اصول، فرائض، واجب ضروریات، نتیجہ اسلام، اعمال سب باتیں شامل ہیں۔اللہ اکبر۔

اللہ سے کون بڑا ہے۔ اللہ وہ ذات ہے، جو تمام صفات کاملہ سے موصوف اور تمام بدیوں سے منزّہ ہے اور عبادات کے لائق ہے۔ اس سے پرے مدح کا کوئی کلمہ نہیں اور عبادت کے واسطے بلانے کے لئے کسی قوم نے اس سے بہتر کوئی تجویز نہیں کی۔

ہر قوم نے پراگندہ افراد کو جمع کرنے یا منشائے عبادت کو حرکت دلانے کے لئے کوئی نہ کوئی آلہ بنا رکھا ہے، کسی نے ناقوس نرسنگا، کسی نے گھنٹے گھنٹیاں۔ مگر انصاف شرط ہے۔ ان میں سے کوئی وضع بھی اذان سے مقابلہ نہیں کر سکتی ہے۔ اس پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کی صفت میں قرآن فرماتا ہے۔ وَ يَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِىۡ كَانَتۡ عَلَيۡهِمۡ ۔ ترجمہ۔ ان تمام رسمی بندشوں، سیپیوں اور سینگوں کی تلاش سے امت کو سبکدوش کر دیا۔

ذرا انصاف سے ان کلمات کو سوچو۔ اس ترکیب کے سر پر نگاہ کرو کہ کوئی قوم بھی دنیا میں ہے، جو اس شدّ ومدّ سے پہاڑوں اور مناروں پر چڑھ کر اپنے سچے اصولوں کی ندا کرتی ہے۔ عبادت کی عبادت اور بلاہٹ کی بلاہٹ۔ دنیا میں ہزاروں حکماء اور فلاسفر گذرے ہیں اور قومی گدڑیے پیدا ہوئے ہیں، مگر تتر بتر ہوئے بھیڑوں کے اکٹھا کرنے اور ایک جہت میں لانے کا کس نے ایسا طریق نکالا۔ کس نے ایسی تری پھونکی، جس کی دلکش آواز معاً روحانی جوش اور ولولہ تمام ظاہر و باطن میں پیدا کر دے۔ اللہ اکبر، کیسی صداقت ہے کہ ایک قوم علی الاعلان صبح وشام پانچ دفعہ اپنے بے عیب عقیدے کا اشتہار دیتی ہے۔

بتاؤ کون قوم ہے جو میناروں پر چڑھ کر بلند آواز سے کمال دلیری اور جوش سے اپنے معبود اور نہایت ہی بڑائی والے خدا کی عظمت اور اس کے معبود ہونے کی شہادت دے اور اپنے محسن اور ہادی کی رسالت پر شہادت دے۔ پانچ وقت مکرر الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بڑے بلند آواز سے منارے پر چڑھ کر بلائے اور اپنی عبادت کی خوبی بتلائے اور پھر اس منادی کو خدا کی کمال تعظیم پر ختم کرے۔ سوچو یہی معنی کمالات اذان کے ہیں۔

وجہ تسمیہ اذان

اذان کے معنے اطلاع وخبر دینے وآگاہ کرنے کے ہیں۔ چونکہ اس فعل میں لوگوں کو جماعت نماز میں شامل ہونے کے لئے اطلاع دی جاتی ہے۔ لہٰذا اس فعل کا نام اذان ہوا۔

مسجد کے دائیں طرف اذان دینے کا راز

ا۔ دائیں طرف کو بائیں پر فضیلت ہے۔ اس لئے ہر امر خیر کی ابتداء دائیں جانب سے کرنے کا

حکم ہوا۔اسی وجہ سے اذان مسجد کی دائیں جانب دینی مشروع ہے۔

۲۔عدالت کا خاصہ ہے کہ فضیلت والی چیز کو فضیلت کا مقام دیا جائے۔سو دائیں جانب کو بائیں جانب پر فضیلت ہے۔لہٰذا اذان، جو کہ ایک فضیلت کا کام ہے،اس کی مناسبت دائیں جانب کے ساتھ ہے۔

۳۔آخرت میں مومنوں کا شمال یعنی بائیں طرف کے اعمال ظاہر نہ ہوں گے۔بلکہ ان کے تمام اعمال صالحہ کو دائیں جانب سے خصوصیت ہے اور اسی کے مطابق ان کے انوار وثمرات دائیں جانب سے ظاہر ہوں گے۔چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔**نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بَاَيْمَانِهِمْ** ۔ترجمہ۔ یعنی مومنوں کا نور ان کے آگے دائیں طرف دوڑتا ہوا نظر آئے گا۔سو اسی وجہ سے ان کے اعمال کو دائیں جانب سے خصوصیت ہے اور یہی وجہ ہے کہ اہل نار کا یمین یعنی دائیں طرف سے اعمال کے نتائج ظاہر نہ ہوں گا۔اس امر کے متعلق حضرت ابن عربی المعروف شیخ اکبر لکھتے ہیں۔ **و انما قال بايمانهم لان المؤمن في الآخرة لا شمال له كما ان اهل النار لا يمين لهم** ۔یعنی خدا تعالیٰ نے جو مؤمن کے لئے دائیں جانب کی خصوصیت رکھی ہے،تو اس کی یہ وجہ ہے کہ مومن کے لئے آخرت میں بائیں جانب نہ ہوگی۔یعنی اس کی بائیں جانب کے اعمال کے نتائج ظاہر نہ ہوں گے،جیسا کہ اہل نار کے لئے دائیں طرف نہ ہوگی (فتوحات مکیہ)

جوابِ اذان دینے کی وجہ

چونکہ اذان شعائر اسلام میں سے ایک شعار ہے اور اس شناخت کے لئے بنائی گئی ہے کہ لوگوں کا مذہب الٰہی کا قبول کر لینا اس سے پہچان لیا کریں۔اس واسطے اذان کے جواب دینے کا لوگوں کو حکم دیا گیا،تا کہ ان سے جو مقصود ہے جواب دینے میں اس کی تصریح ہو جائے۔

عبرتِ اذان

جب مؤذن کی اذان سنو،تو اپنے دل میں قیامت کی پکار کی دہشت حاضر کرو اور اذان کو سنتے ہی اپنے ظاہر و باطن سے اسکی اجابت کے لئے مستعد ہو اور جلدی کرو، کیونکہ جو لوگ مؤذن کی اذان کے لئے جلدی کرینگے وہ قیامت کے روز لطف کے ساتھ پکارے جائیں گے۔اگر اذان سے خوشی اور فرحت پاؤ اور نماز کو جلدی چلنے کی رغبت سے پُر ہو،تو جان لو کہ روز جزا میں تم کو بشارت اور فلاح پانے کی آواز دی جائے گی۔اس لئے نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا **اَرِحْنَا يَا بِلَالَ** یعنی اے بلال اذان پڑھنے

سے ہم کو راحت پہنچاؤ۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں تھی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ قُرَّةُ عَيۡنِي فِي الصَّلوة۔ یعنی میری آنکھ کی ٹھنڈک مجھے نماز میں حاصل ہوتی ہے۔

جماعت کی اقامت کہنا مؤذن کے لئے مخصوص ہونے کی وجہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنۡ اَذَّنَ فَهُوَ يُقِيۡمُ یعنی جو شخص اذان کہے، وہی اقامت بھی کہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ جب ایک شخص نے اذان شروع کی، تو اس کے بھائی مسلمانوں پر ضروری ہوا کہ اس نے جو منافع حاصل کرنا چاہا ہے اور وہ اس کے لئے مباح ہیں اور کسی کی مِلک میں نہیں ہیں، انہیں اس کی مزاحمت نہ کریں۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کی منگنی ہونے پر اپنی منگنی نہ کرے۔ لايخطب الرجل علی خطبة اخيه۔

اذان کا نبوت کی شاخوں میں سے ہونے کا راز

اذان نبوت کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے، کیونکہ اس میں اسلام کے بڑے عظیم الشان رکن پر اور اس پر، جو سب کی اصل ہے، لوگوں کو ترغیب و دعوت کی جاتی ہے۔ اور جسقدر خدا تعالےٰ کی رضامندی اور شیطان لعین کو سوزش اس نیکی میں ہوتی ہے، جو اوروں کی طرف پہنچے اور اس میں خدا کی بات اونچی رہے، کسی چیز میں نہیں ہوتی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اذا نــــودی للصلوة ادبر الشيطان له ضراط یعنی جب نماز کے لئے لوگوں کو پکار ہوتی ہے، تو شیطان وہاں سے پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہے اور اس کا گوز نکل جاتا ہے۔

اذان کے فضائل اس سے سمجھ لو کہ وہ ایسا شعار اسلام ہے کہ جس کی وجہ سے کسی ملک کو دارِ اسلام ہونے کا حکم ہوتا ہے۔ اذان کا نبوت کی شاخوں میں سے ہونے کی قرآن کریم شہادت دیتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَ مَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دُعَا اُلَی اللّٰهِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَ قَالَ اِنَّنِيۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ۔ یعنی اس سے بہتر کس کی بات ہے، جس نے بلایا خدا کی طرف اور کیا نیک کام۔ اور کہا میں خدا کا فرمانبردار ہوں۔

بعض کلمات اذان کو چار بار اور بعض کو دو بار کہنے کی حکمت

شہادت توحید کو چار بار کہنا اول وآخر ظاہر و باطن کے لئے ہے۔ شہادت رسالت کا تکرار اول دلیل علمی اور دوسری بار کا تکرار شہادت تعلیمی و اعلان کی طرف ایما ہے۔ اور جن کے نزدیک تیسری بار کا تکرار کیا جاتا ہے، وہ بطور عبادت کے ہے۔ پس اذان کی بنا علم و تعلیم عبادت پر ہے۔

حَیَّ عَلٰی الصَّلوٰۃ یعنے آ ؤ نماز پڑھیں۔اس کلمہ کو دوبارہ کہنے کی یہ حکمت ہے کہ پہلی بار اپنے آپ کو دعوت کی جاتی ہے اور دوسری بار دوسرے لوگوں کو بلایا جاتا ہے۔اور ایسا ہی حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے کہنے پر خیال کرنا چاہیئے ،جس کے معنی ہیں آ ؤ نیکی ونجات پر۔آخری تکبیر کو صرف دو بار کہا۔پہلی تکبیر میں اپنے نفس کی نفی اور دوسری تکبیر دوسری اشیاء واغیار کی نفی پر ایما ہے۔اذان کی ابتدا وانتہا لفظ اللہ پر ہے،جس میں یہ اشارہ ہے کہ اسلام توحید وعظمت الٰہی کا سبق سکھا تا ہے۔

کان میں انگلی دے کر اذان دینے کی وجہ

ابن ماجہ میں لکھا ہے **ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر بلالا ان یجعل اصبعیہ فی اذنیہ قال انہ ارفع لصوتک** ۔یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت بلال ؓ کو امر فرمایا کہ اذان دینے کے وقت اپنی دونوں انگلیوں کو اپنے دونوں کانوں میں ڈال کر اذان دیا کریں۔فرمایا اس طرح کرنے سے تمہارا آواز بلند ہوگی۔

تجربہ اس امر کا شاہد ہے کہ واقعی ایسا ہی امر ہے۔اور مؤلف کتاب ہٰذا خود اس امر کا پابند ہے۔کئی بار تجربہ کیا گیا ہے کہ بوقت اذان کانوں میں انگلیاں نہ دی جائیں،تو خوب بلند آواز نہیں نکلتی۔ صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

قیامت میں مؤ ذن کا دراز گردن ہونے کی وجہ

نبی علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں۔ **المؤذن اطول الناس اعناقاً** ۔یعنی مؤ ذن لوگ سب لوگوں سے زیادہ لمبی لمبی گردنوں والے ہونگے۔اور فرمایا جہانتک مؤ ذن کی آواز پہونچتی ہے،اسی قدر اس کے لئے بخشش ہوگی۔اور جن اور انسان اس کی گواہی دیں گے۔**المؤذن یغفر لہ مدی صوتہ و یشھدلہ الجن و الانس** ۔اس اجمال کی تفصیل یوں ہے کہ جزاء وسزا کا معاملہ معانی کی صورتوں کے ساتھ تناسب اور ارواح کے اشباح کے ساتھ تعلق پر مبنی ہے۔اس لئے یہ بات ضروری ہے کہ مؤ ذن کی اوروں کے اوپر اس کی گردن ہو اور آواز کے اعتبار سے اس کی علو شان ہو۔اور جس طرح اس کی خدا تعالیٰ کی طرف سے پکار لوگوں میں پھیل جاتی ہے،اسی طرح خدا تعالیٰ کی رحمت اس کے اوپر پھیل جائیگی۔

نوزائیدہ بچے کے کان میں اذان دینے کا راز

ا۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے کان میں اذان دینے کی وجہ یہ ہے کہ جو آواز بچے کے کان

میں پہلے پڑتی ہے،اس کا اثر اس کے دماغ میں مستقل اوراس کی فطرت میں مرکوز ہو جاتا ہے۔اس لئے بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بچے کے کان میں اذان دینا ٹھہرایا کہ اس کی فطرت میں پہلی آواز، جو اس کی ولادت کے بعد جا کر قائم ہو، وہ توحید الٰہی و رسالت نبویؐ کی آواز ہو۔ کیونکہ وقت ولادت کی آواز بچے کی فطرت وطبیعت میں **کالنقش فی الحجر** ہو جاتا ہے۔(خاتم اولیاء)۔

۲۔اذان شعائر اسلام اور اعلانات دین محمدیؐ میں سے ہے۔ پھر ضروری ہے کہ خصوصیت مولود کی اس اذان کے ساتھ ہو،اور وہ بھی بایں طور کہ مولود کے کان میں آواز سے اس کو کہا جائے۔

۳۔علاوہ ازیں اذان کی یہ خصوصیت ہے جو قبل ازیں بھی ہم لکھ چکے ہیں کہ اذان سے شیطان بھاگتا ہے۔اور بچے کے پیدا ہوتے ہی شیطان اس کو ایذا دیتا ہے۔ چنانچہ حدیث نبویؐ میں آچکا ہے کہ مولود کا چِلاّ نا اِسی سب سے ہوتا ہے۔ لہٰذا بچے کے کان میں اذان دینا اس لحاظ سے بھی ہے کہ شیطان کے شر سے نومولود محفوظ رہے۔ شیطان کا بچے کا ضرر وایذا دینا احادیث نبویّہ وقرآن کریم سے ثابت ہو چکا ہے۔ چنانچہ جب مریم علیہا السلام پیدا ہوئیں، تو ان کی والدہ نے مریم اوراس کی ذرّیت کے حق میں خدا تعالیٰ کے آگے شیطان سے محفوظ رہنے کی دعا بکلمات ذیل مانگی۔ **وَ اِنِّی اُعِیْذُھَا بِکَ وَ ذُرِّیَتَھَا مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم** ۔اے خدا مریم اوراس کی اولاد کو شیطان مردود کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے میں تیری پناہ میں لاتی ہیں۔ پس جب کہ قرآن اوراحادیث نبویّہ کی اس امر پر دلالت ہے کہ وقت ولادت بچے کو شیاطین و جنات سے ضرر وایذا کا اندیشہ ہے، تو شیاطین و جنات کو بھگانے والے اسباب و وسائل کو کام میں لانے اوران کے اضداد کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنے کا امر ہوا۔

۴۔مولود کے کان میں اذان دینے سے مولود ام الصبیان کی مرض سے محفوظ رہتا ہے۔ واضح رہے کہ جب ہم اس کتاب میں کسی حکم الٰہی کی کئی حکمتیں بیان کریں، تو اس میں ہماری یہ مراد ہوتی ہے کہ وہ حکم ان تمام حکمتوں پر مبنی ہے۔ لہٰذا مولود کے کان میں اذان دینا ان تمام حکمتوں پر مبنی ہے، جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

باب صفت الصّلوٰۃ

نماز میں استقبال خانہ کعبہ کی وجہ

لوگوں میں قدیم الایام سے یہ طریق وعادت جاری ہے کہ جب کسی امیر و بادشاہ کی صفت وثناء بیان کرتے ہیں، تو اول اس کے روبرو کھڑے ہوتے ہیں۔ اور پھر ثناء و مدح سرائی میں مشغول ہوتے

ہیں اور عبادت کی روح، جو خشوع وخضوع ہے، وہ بغیر سکون اور ترک التفات کے حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور التفات کا ترک حاصل نہیں ہوسکتا، جب تک کہ عابد اپنی عبادت میں ایک معین ومقرر طرف کا التزام نہ کرے۔

۲۔ظاہر کو باطن کے ساتھ ایک ایسا تعلق ہے کہ ظاہری عزیمت کی یکجہتی اختیار کرنے میں باطنی توجہ کو یک طرف کر دینے کی مؤید ہوتی ہے۔اس لئے نماز میں استقبال قبلہ لازم ہوا۔

۳۔لازم ہے کہ جملہ خلائق کے لئے عبادت کا قبلہ ایک معین ومقرر ہو، تا کہ ان کا ظاہری اتفاق باطنی اتفاق کا مؤید ہو۔اور جب باطن عبادت کے انوار وبرکات کے حاصل کرنے میں متفق ہو جائے، تو اس سے تنویر دل میں عظیم الشان اثر پیدا ہوتا ہے۔جیسا کہ بہت سے چراغ کسی مکان میں ایک ہی طرف روشن کئے جائیں، تو ان سے بڑی روشنی حاصل ہوتی ہے۔اس لئے جمعہ اور جماعتیں مشروع ہوئیں۔ پانچوں جماعتوں میں ایک محلّہ کے لوگوں کا اتفاق واجتماع، اور جمعہ میں ایک شہر کے لوگوں کا اتفاق، اور حج میں تمام جہان کے لوگوں کا اجتماع اور اتفاق انوار عبادات زیادہ کرنے کا موجب ہوتا ہے۔اور جبکہ تمام جہان کے لوگوں کا ایک ہی مکان میں ہر وقت جمع ہونا مشکل ہے، تو اس مکان کی طرف کو اس مکان کا قائمقام کر کے نماز میں اس کے استقبال کا حکم ہوا۔

۴۔بہت صاف امر ہے اور حقیقت شناس عقل کے نزدیک کچھ بھی محل اعتراض نہیں۔اس ہادی کو جسے تمام دنیا کی متداولہ عبادت کے طریقوں سے، جن میں شرک اور مخلوق پرستی کے جزو اعظم شامل تھے، اپنے طریق عبادت کو خالص کرنا اور ایک واضح وممتاز مسلک قائم کرنا تھا، اس لئے واجب ہوا کہ وہ اپنی امت کے رخ ظاہر کو بھی ایسی سمت کی طرف پھیرے، جس میں قوائے روحانی کی تحریک اور اشتعال کی قدرت ومناسبت ہو۔ ہر ایک مسلمان کو یقین ہے کہ مکے میں بیت اللہ کو توحید کے ایک بڑے واعظ نے تعمیر کیا اور آخری زمانے میں اسی کی اولاد میں سے ایک زبردست کامل نبی مکمل شریعت لیکر ظاہر ہوا۔ جس نے اس پہلی تلقین وتعلیم کو پھر زندہ اور کامل کیا۔پس نماز میں جب ادھر رخ کرتے ہیں، تو یہ تمام تصورات آنکھوں میں پھر جاتے ہیں اور اس مصلح عالم کی تمام خدمات اور جان فشانیاں، جو اس نے اعلائے کلمۃ اللہ میں دکھلائیں، یاد آجاتی ہیں۔

۵۔ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مکان کی طرف جاتا ہے، تو مکین مقصود ہوتا ہے اور اس طرف کو آداب ونیاز کو ہر شخص صاحب خانہ کے لئے سمجھتا ہے۔غرض جیسے کسی تخت نشین کو اگر اس کے تخت کی طرف جھک کر سلام کرتے ہیں، تو وہ صاحب تخت کو ہوتا ہے خود تخت کو نہیں۔بالجملہ لفظ بیت اللہ اس

جانب مشیر ہے کہ خانہ مقصود نہیں بلکہ صاحب خانہ مقصود ہے۔

۶۔قبلہ کو نماز میں منہ کرنا دین حنیفی کی بڑی پہچان ہے، جس کی وجہ سے انسان غیر مسلمین سے متمیز ہوسکتا ہے۔اس لئے ضروری ہوا کہ ایسی چیز اسلام کے اندر داخل ہونے کی علامت مقرر کی جائے۔ اس واسطے ایک بڑی نامی اور عظیم الشان عبادت کے ساتھ اس کو مقرر کیا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **من صلےٰ صلاتنا و استقبل قبلتنا و اکل ذبیحتنا فذالک المسلم الذی لہ ذمة اللہ و ذمة رسولہ** ۔یعنی جو شخص ہماری بتائی ہوئی نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی طرف نماز میں منہ کرے اور ہمارا مذبوحہ کھاوے تو وہ مسلمان ہے، خدا تعالیٰ اور اس کا رسول ضامن ہیں۔

ہمیں تعجب ان لوگوں پر آتا ہے جو باوجود اس قدر واقفیت کے اہل قبلہ نماز گذار لوگوں کو آپس میں کسی فرعی اختلاف کی وجہ سے کافر قرار دیتے ہیں۔ خدا اور رسول تو اہل قبلہ کے ضامن بنتے ہیں۔مگر وہ خدا کو بھی منع کرتے ہیں کہ تو ایسا نہ کر۔

۸۔قبلہ رخ ہونے کے یہ معنے ہیں کہ اپنے ظاہر کو سب طرف سے پھیر کر خدا تعالیٰ کے خانہ کعبہ کی طرف کر لو۔ پھر کیا سمجھتے ہو کہ دل کا پھیرنا تمام معاملات سے خدا تعالیٰ کے امر کی طرف تم سے مطلوب نہیں ہے۔ بلکہ یوں سمجھو کہ خدا تعالیٰ کے سوائے اور کوئی مقصود نہیں ہے۔ یہ ظاہر کے اعمال سب باطن کی تحریک کے واسطے اور اعضاء کو ضبط سے رکھنے اور ان کو ایک طرف میں ساکن کرنے کے لئے ہیں تا کہ یہ اعضاء دل پر بغاوت نہ کریں۔ کیونکہ اگر دل پر بغاوت کرینگے اور اپنی اپنی حرکات اور اپنی اپنی جہات کی طرف التفات کرینگے تو دل کو بھی اپنے پیچھے لگالیں گے اور خدا کی طرف سے اس کو پھیر دینگے۔ اس صورت میں چاہیئے کہ تمہارے بدن کی توجہ کے ساتھ ہی دل کی توجہ بھی ہو۔یعنی جس طرح کہ چہرہ خانہ کعبہ کی طرف بجز اس بات کے نہیں ہوسکتا کہ اس کو سب طرفوں سے پھیر لیا جائے، اسی طرح دل بھی خدا کی طرف نہیں پھرتا جب تک اس کو ماسوا سے خالی نہ کر لیا جائے۔

۹۔نماز میں سب مسلمانوں کو ایک ہی جانب یعنی کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم اس کو آپس میں اتفاق واتحاد اور الفت وانس قائم رکھنے کی طرف ایما ہے۔

مخالفین کا اعتراض کرنا کہ خانہ کعبہ کی طرف نماز میں منہ کرنا سنگ ومکان و جہت پرستی ہے۔ یہ اعتراض بے جا و عبث ہے۔ کیونکہ سنگ و مکان و جہت پرستی جب ہوتی کہ کعبہ کی طرف نماز میں منہ کرنے کا حکم خدا کی طرف سے نہ ہوتا اور انسان خود بخود ایک طرف کو اپنے خیال سے مخصوص کر لیتا۔مگر جبکہ کعبہ کو نماز میں رخ کرنے کا امر خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوا تو اس حکم کی اطاعت خدا تعالیٰ کی اطاعت

وفرمانبرداری ہوئی نہ کچھ اور۔ لِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۔ ترجمہ۔ یعنی مشرق ومغرب خدا ہی کے ہیں۔ وہ جس کو چاہتا ہے صراط مستقیم پر چلاتا ہے۔ یہ آیت تحویل قبلہ کے وقت معترضین کے جواب میں آئی تھی۔ یہ آیت اس امر کی طرف ایماء کرتی ہے کہ خدا تعالیٰ کے امر پر چلنا عین راہ ہدایت پر چلنا ہے۔

ہمارے مخالفین جوخود بخود اپنے خیالات وعندیات سے سنگ پرستی وعناصر پرستی وغیرہ کرتے ہیں، ان کے مشرک و بت پرست ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے۔ کیونکہ شرک اسی امر کو کہتے ہیں کہ اپنے تراشیدہ خیالات واوہام کی پیروی سے کسی چیز کی پرستش کی جائے اور اس میں امر الٰہی نہ ہو۔

۱۰۔ مجردات اور معقولات کو معلوم کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے انسان کو قوت عقلیہ اور عالم اجسام میں تصرف کرنے کے لئے قوت خیالیہ عطا فرمائی ہیں۔ پس جب وہ کسی محض عقلی امر کو ذہن میں حاضر کرنا چاہے، تو لازم ہے کہ اس کے لئے کوئی خیالی صورت ہو، جس کو محسوس کر سکے۔ تا کہ وہ ان عقلی معنوں کے دریافت کرنے میں اس کی مددگار رہو۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہندسہ دان کسی امر کا اندازہ وحد معلوم کرنی چاہتا ہے تو اس کے لئے ایک معین صورت وشکل ٹھہرا لیتا ہے، تا کہ حِس اور خیال اس امر کلی کے دریافت کرنے میں عقل کے لئے مددگار بن جائیں۔

۱۱۔ جب کوئی شخص بادشاہ بزرگ کی مجلس میں پہنچے، تو بالضرور اس کو اس کی طرف متوجہ ہو کر کھڑا ہونا لازم ہے۔ اور اس کی طرف سے منہ پھیر کر کھڑا ہونا مذموم گنا جاتا ہے۔ اور اس کے حضور میں کھڑا ہو کر زبان سے اس کی صفت وثنا بیان کرنا اور آداب خدمتگاری بجالانا مستحسن سمجھا جاتا ہے۔ پس اس کی طرف متوجہ ہو کر کھڑا ہونا ایسا ہے کہ گویا انسان خدا تعالیٰ مالک الملوک اور احکم الحاکمین کے حضور کھڑا ہوتا ہے اور قرأت وتسبیحیں اس کی صفت وثناء ہیں اور قیام ورکوع وسجود آداب خدام ہیں۔

۱۲۔ یاد رہے کہ نماز علاوہ ان تمام خوبیوں کے جو اس پر مداومت کا لازمی نتیجہ ہیں، بڑا بھاری قومی امتیاز اور نشان ہے۔ روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ میں ایک منافق مسلمانوں کو دھوکا دینے یا ان کے رازوں پر مطلع ہونے کے لئے شامل ہوسکتا ہے اور اس کی قوم کو اس پر اطلاع بھی نہ ہو۔ کیونکہ ان امور کی بجا آوری میں اپنی قوم کے نزدیک وہ کسی بیماری، لزوم فاقہ، سفر وتفرج یا خیرات کا حیلہ تراش سکتا ہے اور مسلمان بھی اس کو بے تردد وفادار مسلمان کہہ سکتے ہیں۔ بشرطیکہ انہی امور میں مسلمان ہونا محصور ہو۔ مگر سخت مشکل اور پردہ برانداز امر نماز ہے، جسے کوئی شخص بھی اپنے مذہب کا کچھ بھی پاس اور ہیبت دل میں رکھتا ہو کبھی بھی ادا کرنا گوارا نہیں کر سکتا۔ خصوصاً ایک علیحدہ قومی نشان اور ایک بالکل الگ ہیئات میں

الگ مذہبی سمت کی طرف متوجہ ہوکر اور بایں ہمہ اپنی قوم میں بھی شامل رہے ناممکن ہے۔اب غور فرمائیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خصوص میں کیا مشکلات پیش آئیں۔

تاریخ اور قومی روایت متفقانہ شہادت دیتی ہے کہ بیت اللہ زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے برابر اباً عن جدٍّ قوموں کا مرکز اور جائے تعظیم چلا آیا ہے۔کفار مکہ گو بت پرستی کے لباس میں تھے، اس بیت ایل کو مقدس عبادتگاہ یقین کرتے تھے۔جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین حق کا وعظ شروع فرمایا اور خدا کا کلام دن بدن پھیلنے لگا اور دشمنان دین مخالفت میں ہر طرح کے زور لگا کر تھک گئے۔آخر یہ حیلہ سوچا کہ نفاقاً اسلام میں داخل ہو گئے اور اس طرح وہ لوگ سخت سخت اذیتیں اور مخفی و در پردہ مصائب مسلمانوں کو پہنچانے لگے۔بناءعلیٰ ھذا بانی مذہب کو ضرور ہوا کہ اس معجون مرکب کے اجزاء کی تحلیل کے لئے کوئی بھاری کیمیاوی تجویز نکالے۔آپ نے ابتداً مکے میں بیت المقدس کی جانب نماز میں منہ پھیرا۔اس ربانی الہامی تدبیر سے قریش مکہ، جو نہایت بت پرست تھے اور اہل کتاب اور ان کے مذہب کو بہت برا جانتے تھے، مسلمانوں کی جماعت سے بالکل الگ ہو گئے۔اب کوئی منافق ظاہر طور پر بھی شامل ہونے کو گوارا نہ کر سکا اور خاص مکے میں بجز خالص مخلص اصحاب اور یاران جان نثار کے اور کوئی پیرو نہ بنا۔اس تدبیر سے ایک اور عظیم فائدہ یہ ہوا کہ بانی کو اپنے مشن کی ترقی اور خالص پیروؤں کا اندازہ معلوم ہو گیا اور آئندہ کے واسطے معتمد وفاداروں اور غدار منافقوں میں امتیاز کلی ہو گیا۔

پھر جب آپ مدینے میں تشریف لے گئے، جہاں بکثرت یہود رہتے تھے اور جو اول اول باغراض مختلفہ آپ کی تشریف آوری سے خوش ہوئے اور آپ کے تابعین میں خوب مل جل گئے۔پھر آخر اپنی امیدوں کے برخلاف دیکھ کر خفیہ خفیہ ضرار وافساد میں ریشہ دوانیاں کرنے لگے۔تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ربانی ہدایت سے، جو ایسے تاریک وقتوں میں اپنے پاک نبیوں کو کشائش کی راہ دکھاتی ہے، اصلی قدیمی ابراہیم اسمٰعیل کے بیت اللہ کی طرف نماز میں توجہ کی۔اس سے خالص احباب اور غدار یہودیوں میں امتیاز کی راہ نکل آئی۔قرآن کریم بھی اسی مطلب کا اشارہ کرتا ہے۔ وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ کُنْتَ عَلَیْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْهِ۔ترجمہ۔اور ہم نے قبلہ کو، جس کی طرف تیرا رخ تھا، بس اس لئے ٹھہرایا تا کہ پتا چلائیں کہ کون رسول کا تابع ہے اور کون اپنی ایڑیوں کے بل پر گھوم جائیگا۔

اس بات کو بھولنا نہیں چاہیئے کہ ایسی جدید قوم کو، جس کے استیصال کے درپے مختلف قومیں ہو رہی تھیں۔اور ایسے نئے مذہب کو، جسے اولاً مخلصین ومنافقین میں تمیز کرنا اور دشمنوں کے جابرانہ حملوں کا

اندفاع اختیار کرنا تھا۔نہایت ضرور تھا اور عقلاً نقلاً اس سے بہتر نہیں ہوسکتا تھا کہ ایسی ہی تدبیر سے کام لے۔پس گو ابتدا میں سمت قبلہ کسی مصلحت کے لئے معین کی گئی ہو اور عادۃ اللہ نے اس میں کوئی راز مرکوز رکھا ہو۔مگر انتہا میں بھی یادگار کے طور پر اور اس امر کے نشان اور یاد آوری کہ یہ کامل مذہب یہ توحید کا آفتاب اُسی پاک زمین سے نمودار ہوا۔وہ خداوندی حکمت بحال رکھی گئی ورنہ اہل اسلام کا عقیدہ تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات مکان اور جہت کی قید سے منزّہ ہے اور عنصری و کونی صفات سے اعلیٰ اور مبرّا ہے۔کوئی جہت نہیں ہے، جس میں وہ قید ہو۔کوئی خاص مکان نہیں جس میں مخصوصاً وہ رہتا ہو۔اسی مطلب کی طرف قرآن کریم اشارہ کرتا ہے۔اور معترض کے اعتراض کو اپنے علم بسیط سے پہلے ہی رد کر دیا ہے۔وَلِلّٰہِ الۡمَشۡرِقُ وَالۡمَغۡرِبُ فَاَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡہُ اللّٰہِ ۔ترجمہ۔اور مشرق اور مغرب اللہ کے ہیں۔پس جس طرف تم منہ کرو، وہ اللہ کی طرف ہے۔

۱۳۔نماز سے مراد حضور دل کے ساتھ خدا تعالیٰ سے التجا و دعا کرنا ہے۔اور حضور دل جب ہی حاصل ہوتا ہے کہ تمام اعضائے بدن میں سکون اور سب جہات و اطراف سے ترک التفات و ترک حرکات ہو۔کیونکہ جب انسان اپنے ظاہری جسم کو نماز میں ایک معین طرف کو متوجہ کرے گا، تو اسکا دل بھی اسطرف متوجہ ہو جائیگا۔وجہ یہ ہے کہ ظاہری حرکت باطنی تحریک کیلئے مددگار ہوتی ہے۔پس ایسی طرف جسکی شرافت و بزرگی اظہر من الشمس ہو تنویر باطن کیلئے نماز میں اسکو متوجہ ہو کر کھڑا ہونا مناسب تر ہے۔

۱۴۔خدا تعالیٰ مومنوں میں الفت و محبت کو پسند اور مخالفت کو ناپسند کرتا ہے۔چنانچہ وہ فرماتا ہے۔وَاذۡکُرُوۡا نِعۡمَۃَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ کُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِکُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِہٖۤ اِخۡوَانًا. ترجمہ۔یاد کرو خدا تعالیٰ کی نعمت کو، جو اس نے تم پر کی ہے، جبکہ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے۔تو اسنے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی۔پس تم اسکی نعمت سے آپس میں بھائی بن گئے۔

اگر لوگ اپنے خیال سے الگ الگ جہتیں مقرر کر کے نماز میں کھڑے ہوتے، تو اس میں ظاہری طور پر مومنوں کا آپس میں اختلاف نظر آتا۔لہٰذا خدا تعالیٰ نے ان کے لئے ایک معین طرف مقرر کر دی اور اس کی طرف سب کو نماز میں رخ کرنے کا امر فرمایا، تاکہ اس کے سبب ان میں موافقت حاصل ہو جاوے۔خدا تعالیٰ کا سب مومنوں کو نماز میں ایک ہی طرف کھڑا ہونے کا حکم دینا اس بات کی طرف ایما کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو بندوں کے اعمال خیر میں موافقت پسند اور مخالفت ناپسند ہے۔

۱۵۔خدا تعالیٰ نے کعبہ کو بَیۡتِیَ فرما کر اپنے گھر کی نسبت دی ہے۔اور مومنوں کو اپنی عبادت کے لئے مخصوص کیا ہے۔اور یہ دونوں نسبتیں خصوصیت و تکریم کے لئے ہیں۔گویا خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے

مومن تو میرا بندہ ہے اور کعبہ میرا گھر ہے اور نماز میری خدمت ہے، پس اپنا رخ میری خدمت وعبادت کے لئے میرے گھر کی طرف اور اپنے دل کو میری طرف کر دے۔

۱۶۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے **الکعبة سترة الارض و وسطها فامر الله تعالیٰ جمیع خلقه بالتوجه الی وسط الارض فی صلاتهم و هوا شارة الی انه یحب العدل فی کل شئی و لاجله جعل وسط الارض قبلة للخلق** ۔ترجمہ۔ کعبہ زمین کی ناف اور اسکے درمیان واقع ہے۔ پس خدا تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو زمین کے وسط کی طرف نماز میں توجہ کرنے کا امر فرمایا۔ اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ وہ ہر چیز میں عدل کو پسند کرتا ہے۔ اسلئے زمین کے وسط کو اس نے مخلوق کا قبلہ ٹھہرایا۔

نماز کے لئے صفائی مکان وستھرائی لباس کا راز

۱۔ بادشاہوں کے دربار میں نظافت مکان ولباس کا لحاظ ہوتا ہے۔ ان کے دربار میں شامل ہونے والوں کے لئے پاک وستھری جگہ وصاف لباس میں ہو کر داخل ہونا ضروری مدنظر ہوتا ہے۔ جیسا کہ صفائی لباس وستھرائی مکان بادشاہوں کو پسند ہوتی ہے، ایسا ہی اس خالق الکل واحکم الحاکمین ومالک الملک پاک ذات کو پاکیزگی وستھرائی لباس ومکان ونظافت دل مدنظر ہے، کیونکہ وہ پاک ہے اور پاک کو چاہتا ہے اور ہر قسم کی گندگی ومیل سے اس کو نفرت وکراہت ہے۔ چونکہ بادشاہ بھی اس پاک ذات کی تجلی دست قدرت سے قائم ہوتے ہیں، اسلئے ان میں بھی پاکی ونظافت کا لحاظ اسی پاک ذات کے پرتو سے دلنشیں ہوتا ہے، جو کہ عین مناسب فطرت صحیحہ وسلیمہ ہے۔ خدا تعالیٰ پاک ہے۔ وہ پاکی وطہارت کو چاہتا ہے اس لئے نماز میں پاکی مکان وستھرائی لباس ضروری شرائط قرار دیئے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ فرماتا ہے۔ **وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ** ۔یعنی اپنے لباس کو پاک کر اور گندگی سے کنارہ کر۔

۲۔ ناپاکی ومیل سے شیاطین کو مناسبت ہے۔ اسلئے خدا تعالیٰ کے حضور میں کھڑا ہونیکے وقت شیاطین سے مناسبت رکھنے والی اشیاء سے بکلی قطع تعلق وکنارہ چاہیئے۔ ورنہ حضور دل میں خلل ہوگا۔

نماز کے لئے تعیین ارکان وشروط کا راز

اگر لوگوں کے لئے عبادت کے ارکان اور شروط معین نہ ہوں، تو وہ بے بصیرتی سے ہاتھ پاؤں مارتے رہیں۔ احکام الٰہیہ کی تکلیف جب ہی مکمل ہوتی ہے کہ انکے لئے اوقات، ارکان، شروط قرار دیئے جاتے ہیں۔ دل کے اندر خدا تعالیٰ کے لئے خضوع کا ہونا اور اس کی طرف توجہ کا بطور تعظیم اور رغبت اور خوف کے ہونا ایک پوشیدہ امر ہے۔ خارج میں اس کے واسطے کوئی امر ہونا چاہیئے، جس سے

اس کا انضباط ہو سکے۔ اسلئے دو چیزوں کے اندر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو منضبط کیا۔ ایک تو یہ کہ اپنا منہ اور بدن قبلہ کی طرف کر کے کھڑا ہو۔ اور دوسرے یہ کہ زبان سے اللہ اکبر کہے۔ اس واسطے کہ انسان کی جبلت میں یہ بات داخل ہے کہ جب اس کے دل میں کوئی بات جمتی ہے، تو اس کی زبان اور تمام اعضاء اسی کے موافق حرکت کرتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **ان فی جد ابن آدم مضغة اذا اصلحت صلحت الجسد کلها** ۔یعنی آدمی کے بدن میں ایک ٹکڑا ہے، جب وہ درست ہوتا ہے، تو سارا بدن درست ہوتا ہے۔ اس لئے زبان اور باقی اعضاء کا فعل دل کی حالت پر قرینہ قویہّ اور اس کا قائم مقام ہوتا ہے۔ ایسی چیز سے دلی حالت کا انضباط ہوسکتا ہے۔

حقیقت نماز

ا۔ جب آدمی اپنے پروردگار سے مصیبت کے رفع ہونے یا کسی نعمت کے ملنے کی درخواست کرتا ہے، تو اس وقت زیادہ مناسب یہی ہوتا ہے کہ تعظیمی افعال واقوال میں مستغرق ہو جائے، تا کہ اس کی ہمت کا، جو درخواست کی روح ہے، کچھ اثر پڑ سکے۔ نماز استسقاء اسی وجہ سے مسنون ہوئی ہے۔ نماز میں اصلی امور تین ہیں۔ (۱) خداتعالیٰ کی بزرگی اور جلال دیکھ کر دلی عاجزی کرنا۔ (۲) خداتعالیٰ کی عظمت اور اپنی خاکساری کو خوش بیانی سے ظاہر کرنا۔ (۳) اس خاکساری کی حالت کے موافق اعضاء میں آداب کا ستعمال کرنا۔ چنانچہ اس امر میں کسی کا شعر ہے۔

افادتکم النعماءُ مِنّی ثلاثة　　　یدی و لسانی و الضمیر المحجَّبَاً

یعنی تمہاری نعمتوں کا فائدہ تین چیزوں کو پہنچا۔ میرے ہاتھ اور زبان اور پوشیدہ دل کو۔

افعال تعظیمی میں سے یہ بھی ہے کہ خدا کے حضور میں کھڑا ہو کر مناجات کرے۔ اور کھڑے ہونے سے بھی زیادہ تعظیم اس میں ہے کہ اپنی خاکساری اور پروردگار کی عزت و برتری کا خیال کر کے سرنگوں ہو جائے۔ تمام لوگوں اور بہائم میں فطری امر ہے کہ گردن کشی غرور اور تکبر کی علامت ہے اور سرنگوں ہونا نیازمندی اور فروتنی کی علامت ہے۔ خداتعالیٰ فرماتا ہے **فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِيْن**۔ یعنی ان کی گردنیں عاجزی سے اس کے سامنے جھک گئیں۔ اور اس سے بھی زیادہ تعظیم کی بات یہ ہے کہ اس کے حضور میں اپنے سر کو زمین پر رگڑ دے، جو تمام اعضا میں سے زیادہ بزرگ اور حواس انسانی کے جمع ہونے کی جگہ ہے۔ یہی تینوں قسم کی تعظیمیں تمام لوگوں میں رائج ہیں۔ وہ ہمیشہ اپنی نمازوں میں اپنے سلاطین اور امراء کے حضور میں انہی کو استعمال کرتے ہیں اور سب صورتوں میں نماز کی وہ صورت عمدہ ہے، جس میں یہ تینوں امر جمع ہوں۔ اور اس کے ساتھ ہی ادنیٰ تعظیمی حالات سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہو

تا کہ دمبدم نیاز مندی اور خاکساری کی حالت زیادہ ہوتی ہوئی معلوم ہو۔ جو فائدہ اس ترقی کی حالت میں ہوسکتا ہے، وہ تنہا اعلیٰ درجہ کی تعظیم میں یا اعلیٰ حالت سے ادنی کی طرف منتقل ہونے میں معلوم نہیں ہو سکتا۔ اور نماز میں یہ تقریب کے اعمال اصلی قرار دیئے گئے ہیں۔

۲۔ نماز کیا ہے۔ خدا سے دلی نیاز۔ اور یہ عبادت تمام مذاہب میں اصل عبادت ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ دلی جوشوں کا اثر ظاہری حرکات اور سکنات پر ضرور پڑتا ہے۔ اور ظاہری حرکات وسکنات کی تاثیر قلب پر پہنچتی ہے۔ خدا تعالیٰ ہی کے دست قدرت میں محبوس رہنے کا ثبوت اور اس کی بارگاہ میں بکمال ادب حاضر ہونے کا بیان اگر ہمارے اعضا کر سکتے ہیں، تو نماز کا قیام اور نماز میں ہاتھ باندھنا بیشک عمدہ نشان ہیں۔ دلی عجز وانکسار اور غایت درجے کا تذلل اگر کوئی ظاہری نشان رکھتا ہے، تو حالت رکوع وسجود ہرگز کم نہیں ہے۔

۳۔ اسلامی نماز میں جو کلمات ہیں، ان میں صرف باری تعالیٰ کا معبود ہونا اور اس کی رحمت عامہ اور خاصہ اور سزا اور جزا کا بیان ہے۔ پھر اسی مالک کی عبودیت کا اقرار اور اسی کی امداد کا اعتراف ہے۔ پھر نمازی اپنے اور تمام لوگوں کے لئے راہ راست پر چلنے کی دعا مانگتا ہے۔ اور بارگاہ حق میں عرض کرتا ہے کہ مجھے ایسے لوگوں کی راہ دکھا، جن پر تیرا فضل ہے اور ان بُروں کی راہ سے بچا، جن پر الٰہی تیرا غضب ہے، یا جو لوگ راہ راست سے بہک گئے۔

۴۔ نیاز مندی دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک نیاز مندی خادمانہ، اپنے آقا اور بادشاہ کے سامنے۔ دوسری نیاز مندی عاشقانہ، عاشق کی محبوب کیساتھ۔ پہلی قسم کے نیاز مند کو مناسب ہے درباری لباس پہن کر بڑے ادب اور وقار سے مالک کے دربار میں حاضر ہو اور تمام حکام اور مربیوں کی اطاعت کا کان پر ہاتھ رکھ کر اقرار کرے۔ ہاتھ باندھ کر حکم کا منتظر رہے۔ جھک کر تعظیم دے، زمین پر ماتھا رکھے۔

حقیقت ارکان نماز

ہم نے کتاب الطہارت میں ثابت کیا ہے کہ قلبی حالت اعضا و جوارح کو حرکت دیئے بغیر رہ نہیں سکتی۔ اور یہ کہ ظاہر و باطن میں لازم وملزوم کی نسبت ہے، تو گویا نفس ارکان نماز سے کچھ بحث نہیں۔ کیونکہ جذبات قلب اور اس کی واردات کا ظہور اور کیفیت روحانی کے عروض کا ثبوت اعضا و جوارح کی زبان حال ہی سے مل سکتا ہے۔ البتہ گفتگو اس امر میں رہ جاتی ہے کہ آیا یہ ہیئت مقتضائے فطرت انسانی سے مناسبت رکھتی ہے یا نہیں۔ یا اس سے بڑھ کر اور پسندیدہ صورت وترکیب فلاں قانون اور فلاں مذہب میں رائج ہے یا اب نئی صورت وہم وتصور میں آسکتی ہے۔ میں بڑی جرات اور قوی ایمان سے کہتا

ہوں کہ اس کی مثال یا اس سے بڑھ کر مقبول و مطبوع صورت نہ تو کسی مذہب میں رائج ہے اور نہ نئی عقل میں آ سکتی ہے۔ یہ جامع مانع طریق ان تمام عمدہ اصولوں اور مسلمہ خوبیوں پر حاوی ہے، جو دنیا کے اور مذاہب میں فرداً فرداً موجود ہیں۔اور تمام ان نیاز مندی کے آداب اس میں شامل ہے، جو ذوالجلال معبود کے عرش عظیم کے سامنے قوائے انسانی میں پیدا ہونے ممکن ہیں۔ وہ خاص اوراد وکلمات جو اس مجموعی ترکیب کے اجزاء۔قومہ۔ رکوع۔ قعدہ۔سجود۔ جلسے وغیرہ میں زبان سے نہیں دل سے نکالے جاتے ہیں۔اس کی بےنظیری کا کافی ثبوت ہیں۔

انصاف سے سوچئے کہ یہ ہیئت قوائے قلبی پر کس قدر قوی اثر کرنے والی ہے۔تعیین ارکان سے کونسی قوم انکار کرسکتی ہے۔ دعا میں سر ننگا کرنا۔سیدھا کھڑا ہونا۔آنکھیں بند کرنا۔آخر میں برکت دیتے وقت ایک ہاتھ لمبا کرنا اور ذرا انگلیوں کو نیچے کی طرف جھکانا اور کبھی کبھی خاص حالت میں گھٹنے ٹیکنا یا گھٹنے پر کہنی ٹکا کر اس پر سر رکھ دینا۔ یہ سب امور بتفاوت نصاریٰ میں معمول ہیں۔کوئی انہیں کہے ان ظاہری رسوم سے کیا نکلتا ہے۔ جو بات عبادت سے تعلق رکھتی ہے اس پر اکتفا کرنا چاہیئے ۔صاف بات کا وہ کیا جواب دین گے۔پس اسلامی صورت سے کیوں چڑتے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ نصاریٰ نفس و جود ارکان سے تو کچھ تعرض نہ کریں گے۔ کیونکہ اس طبعی حالت میں وہ اضطراراً اہل اسلام کے ساتھ شریک کر دیئے گئے ہیں۔ بایں معنیٰ کہ وہ بھی دعا یا نماز میں کسی نہ کسی صورت و رکن کا ہونا تو ضرور تسلیم کر سکتے ہیں۔اگر زبان سے اور مذہبی مباحث کے وقت نہیں ،عملاً تو ثابت کر رہے ہیں۔پس اب اصل وجود ارکان پر زیادہ قلم فرسائی کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ ہاں شاید مقابلہ بین الصورتین منظور ہو، تو خدا پرست قلب کی اعانت سے غور کریں کہ اسلامی طریق میں کیسا جلال،کمال تمکین اور وقار پایا جاتا ہے۔اس بیرنگ بیچون واحد **احد لم یلد و لم یولد** کے حضور اقدس میں بے رنگ بےتصور مکان میں باوقار ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا۔ اللہ اکبر سے افتتاح کرنا اور سورۂ فاتحہ جیسی پُر معنی دعا کا پڑھنا اور پھر فرط انکسار سے اللہ اکبر کی عظمت کا تصور کر کے پشت کو جھکا کر **سبحان ربی العظیم** پڑھنا اور پھر زمین پر منہ رکھ کر بال گرا کر **سبحان ربی الاعلیٰ** کہنا۔کیا یہ کم اثر کرنے والے اعمال ہیں۔کیا یہ فطرت انسانی کے موافق نہیں ہیں؟

نماز یہی ہے کہ اپنے عجز و نیاز اور کمزوریوں کو خدا تعالیٰ کے آگے پیش کیا جائے۔اور اس سے اپنی حاجت روائی چاہنا۔کبھی اسکی عظمت اور اسکے احکام کی بجا آوری کے واسطے دست بستہ کھڑا ہونا اور کبھی مذلت اور فروتنی سے اسکے آگے سجدہ میں گر جانا۔اس سے حاجات کا مانگنا یہی نماز ہے۔ایک سائل

کی طرح کبھی اس مسئول کی تعریف کرنا کہ تو ایسا ہے۔ اس کی عظمت اور جلال کا اظہار کر کے اس کی رحمت کو جنبش دلانا اور پھر اس سے مانگنا۔ انسان ہر وقت محتاج ہے کہ اس سے اس کی رضا کی راہیں مانگتا رہے اور اس کے فضل کا اسی سے خواستگار رہے، کیونکہ اس کی دی ہوئی توفیق سے کچھ کیا جا سکتا ہے۔ اے خدا ہم کو توفیق دے کہ تیرے ہو جائیں اور تیری رضا پر کاربند ہو کر تجھے راضی کر لیں۔ خدا تعالیٰ کی محبت اور اسی کا خوف اسی کی یاد میں دل لگا رہنے کا نام نماز ہے۔ جو شخص خدا سے ملنا چاہتا ہے اور اس کے دربار میں پہنچنے کی خواہش رکھتا ہے اس کے واسطے نماز ایک ریل گاڑی ہے، جس پر سوار ہو کر وہ جلد تر پہنچ سکتا ہے۔ اور نماز اس مقصود کو پہنچاتی ہے جس میں حضور دل ہو، ورنہ اس مقولہ کا مصداق بننا ہوگا۔

وکم من مصل ماله من صلوته　　سوی رؤیة المحراب و الکد والعنا

یعنی بہت سے ایسے نمازی ہوتے ہیں کہ ان کو نماز سے سوائے محراب کو دیکھنے اور تکلیف و مشقت اٹھانے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ (فتوحات مکیہ)

علاوہ ازیں باطن کے اثبات کی خاطر ایک ظاہری طریق بھی رکھ دیا ہے۔ نماز نشست و برخاست کا نام نہیں ہے، بلکہ نماز کا مغز اور روح وہ دعا ہے، جو ایک لذت اور سرور اپنے اندر رکھتی ہے۔ ارکان نماز دراصل روحانی نشست و برخاست کے لئے ہیں۔ چونکہ رکوع و سجود اس وقت تعظیم پر دلالت کرتے ہیں کہ کچھ دیر آدمی اس حالت میں پڑا رہے اور پروردگار عالم کے روبرو اپنے آپ کو پست کرے اور اس کا دل اس حالت کے اندر تعظیم سے خبردار ہو جائے، اس واسطے اسکو ایک رکن لازم قرار دیا گیا۔

چونکہ سجدہ کرنا اور پیٹ کے بل لیٹ جانا اور جو ہیئتیں اس کے قریب قریب ہیں سب کے اندر سر کا زمین پر رکھنا پایا جاتا ہے۔ مگر تعظیم صرف سجدہ کے اندر پائی جاتی ہے۔ اس واسطے کوئی مابہ الفرق مقرر کرنا ضروری ہوا۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا **امرت ان اسجد علی سبعة آراب**۔ یعنی مجھ کو سات اعضا سے سجدہ کرنے کا حکم ہے۔

رکوع و سجود میں انسان کے عجز و تضرع اور انکسار کا ایک نقشہ ہے کہ جب انسان حالت فنا پر پہنچتا ہے، تو وہ خدا تعالیٰ کے آگے سر رکھ دیتا ہے۔ مگر یہ باتیں صرف تقریر اور الفاظ کے ساتھ تعلق نہیں رکھتیں، جو چاہے اس کو آزمائے اور دیکھے کہ اس کے کیا نتائج ہوتے ہیں۔

خانہ کعبہ کا شعائر الٰہی میں سے ہونے کی حکمت

خانہ کعبہ کا شعائر الٰہی میں سے ہونا اسلئے قرار پایا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں لوگوں نے آفتاب اور ستاروں کے نام پر بکثرت عبادت خانے اور گرجے بنائے تھے۔ انکی نظر

میں کسی ذاتِ مجرد وغیر محسوس کی طرف متوجہ ہونا بغیر اس کے محال تھا کہ اس کے نام کی ہیکل بنائی جائے۔ اور اس میں جانا اور رہنا باعثِ تقرب ہو۔ بادی الرای میں اس کی عقلوں میں اور کوئی بات نہیں آتی تھی۔ اسلئے اس زمانہ کے لوگوں کے واسطے ضرور ہوا کہ خدا کی رحمت کا ظہور ایک گھر کے ذریعہ سے ہو۔ لوگ اس کا طواف کریں۔ اس کے ذریعہ سے خدا کا تقرب حاصل کریں۔ اس لئے خدا نے ان کو خانہ کعبہ کی طرف بلایا۔ اس کی تعظیم کا حکم دیا۔ اس کے بعد ایک زمانہ کے بعد زمانہ آتا رہا۔ ہر زمانہ میں یہ حکم پیدا ہوتا رہا کہ خانہ کعبہ کی تعظیم خدا کی تعظیم ہے، اسمیں کمی خدا کی شان میں کمی ہے۔ اسلئے خانہ کعبہ کا حج فرض ہوا اور اسکی تعظیم کا اس طرح حکم دیا گیا کہ بغیر صفائی وطہارت کے اسکا طواف نہ کریں۔ نماز میں اسکے سامنے کھڑے ہوں اور ضرورت بشری کے وقت اسکے سامنے نہ ہوں، نہ اسکی طرف پشت کریں۔

وجہ تسمیہ صلوٰۃ

صلوٰۃ عربی لغت ہے، جس کے معنی ہیں دعائے رحمت۔ یہ اسم ہے اور قائم مقام مصدر کے آتا ہے۔ اصل میں تصلیہ مصدر ہے، جس کے معنے دعا کرنے اور آگ کے ساتھ لاٹھی کو سیدھا کرنے کے ہیں۔ صلوٰۃ کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حقیقت صلوٰۃ کسی قسم کی حرقت اور سوزش کو چاہتی ہے۔ لہٰذا واضح ہو کہ جب انسان کی روح ہمہ نیستی اور تذلل تام ہو کر آستانہ الوہیّت پر گرے، اور جو زبان بولتی ہے روح بولے، اسی وقت ایک سرور اور نور اور تسکین حاصل ہو جاتی ہے۔ انسان جس قدر مراتب طے کر کے انسان بنتا ہے۔ یعنی نطفہ بلکہ اس سے بھی پہلے نطفہ کے اجزا یعنی مختلف قسم کی اغذیہ اور ان کی ساخت اور بناوٹ، پھر نطفہ کے بعد مختلف مدارج کے بعد بچہ پھر جوان، بوڑھا۔ غرض ان تمام عالموں میں، جو اس پر مختلف اوقات گذرے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرے اور معترف ہو اور وہ نقشہ ہر آن اس کے ذہن میں کھنچا رہے، تو وہ اس قابل ہو سکتا ہے کہ ربوبیت کے مدّ مقابل میں اپنی عبودیت کو ڈال دے۔ غرض مدعا یہ ہے کہ نماز میں لذت اور سرور عبودیت اور ربوبیت کے ایک تعلق سے پیدا ہوتا ہے۔ جب تک اپنے آپ کو عدم محض یا مشابہ بالعدم قرار دے کر، جو ربوبیت کا تقاضا ہے، نہ ڈال دے، اس کا فیضان اور پرتو اس پر نہیں پڑتا۔ اور اگر ایسا ہو تو پھر اعلیٰ درجہ کی لذت حاصل ہو جاتی ہے، جس سے بڑھ کر کوئی حظ نہیں ہے۔ اس مقام پر انسان کی روح جب ہمہ نیستی ہو جاتی ہے تو وہ خدا تعالیٰ کی طرف ایک چشمہ کی طرح بہتی ہے اور ماسوائے اللہ سے اسے انقطاعِ تام ہو جاتا ہے۔ اس وقت خدا تعالیٰ کی محبت اس پر گرتی ہے۔ اس اتصال کے وقت ان دو جوشوں سے، جو اوپر کی طرف سے ربوبیّت کا جوش اور نیچے کی طرف سے عبودیت کا جوش ہوتا ہے، ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اس کا نام صلٰوۃ ہے۔ پس

یہی وہ صلوٰۃ ہے، جوسیّآت کوبھسم کرتی اور جلا دیتی ہے اور اپنی جگہ ایک اور نور اور چمک چھوڑ دیتی ہے، جو سالک کو راستہ کے خطرات اور مشکلات کے وقت ایک منور شمع کا کام دیتی ہے اور ہر قسم کے خس و خاشاک اور ٹھوکر کے پتھروں سے، جواسکی راہ میں ہوتے ہیں، آگاہ کر کے بچاتی ہے۔ اسی لئے نماز کا نام صلوٰۃ رکھا گیا ہے۔ کیونکہ مذکورہ بالا ہیئت کے تمام معنوں پر حاوی ہے۔ اور یہی وہ حالت ہے جبکہ اِنَّ الصَّلوٰۃَ تَنْھیٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنکَرِ وَالْبَغْیِ کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اسکے ہاتھ میں بلکہ اس کے شمعدان دل میں ایک روشن چراغ رکھا ہوا ہوتا ہے اور یہ درجہ کامل تذلل اور کامل نیستی اور فروتنی اور پوری اطاعت سے حاصل ہوتا ہے۔ پھر گناہ کا خیال اسے کیونکہ ہوسکتا ہے۔ فحشاء کی طرف اس کی نظر اٹھ ہی نہیں سکتی۔ (خاتم اولیاء)

نماز میں ناف کے نیچے یا ناف وسینہ پر ہاتھ باندھنے کی وجہ

چونکہ شریعت کا کوئی حکم عقل کے برخلاف نہیں ہے، کیونکہ شریعت کا خطاب ہی عقل پر ہے۔ لہٰذا انسان کی عقل کا تقاضا و قانون فطرت کا ایما اس امر پر ہے کہ بحضور سلاطین ان کے دربار میں دست بستہ مؤدب ہو کر کھڑا ہو۔ اور دست بستہ ہونا اس روش وطریق کے لائق ہے، جو صاحب دربار کو پسند ہو، ورنہ الٹا سوٴ ادب کا الزام آئے گا۔ اسی قانون فطرت کی وجہ سے خدا تعالیٰ مالک الملوک کے حضور میں بحالت نماز دست بستہ کھڑا ہونے کا حکم ہوا ہے اور اسی روش اسلام پر سب فرقے متفق ہیں۔ الاّ حضرت امام مالکؒ و اہل تشیعہ کہ وہ ارسال کرتے ہیں نماز میں ہاتھ باندھنے کے متعلق احادیث و روایات مختلفہ آئی ہیں۔ بعض نے ناف کے نیچے اور بعض نے ناف وسینہ پر باندہنے کا ذکر کیا ہے۔ اگرچہ بعض نے بعض کو ضعیف بھی لکھا ہے۔ مگر دراصل تینوں معقول ومناسب فطرت انسانی ہیں۔ اور ان تینوں امور کا اب تک ہر ایک اسلامی طائفہ میں رواج زمان نبویؐ سے چلا آنا اس بات پر کافی گواہی ملتی ہے کہ اس زمانہ میں صحابہ میں بھی ہاتھ باندھنے کا طریق اسی طرح تھا۔ بعض ناف کے نیچے اور بعض ناف اور سینہ پر باندھتے تھے۔ چنانچہ کتب متداولہ فقہ میں بھی اس امر کا ذکر ہے۔ ان سب امور کی دلالت اس بات پر ہے کہ در حقیقت ان کا اصل بھی کچھ زمان نبوی میں تھا۔ ورنہ "تانہ باشد چیزکے مردم نہ گویند چیزہا"۔ دیکھو صلوٰۃ مسعودی۔ لہٰذا ہمارا حق نہیں ہے کہ بلا وجہ و بلا دلیل بیّن ان میں سے کسی کو ضعیف قرار دیں۔ بلکہ قرآن کریم واحادیث بنویہؐ میں ان سب کے صریح اشارے ملتے ہیں۔

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے میں عفت وستر عورت کی التجاء اور ناف پر ہاتھ باندھنے میں اکل و شرب حلال ملنے کا ایماء اور سینہ پر ہاتھ باندھنے میں سچ وحق پر ثابت رہنے و شرح صدر کی دعا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ نماز کے اندر جتنے افعال وارکان بجالائے جاتے ہیں وہ سب دعاؤں ومناجات کے اشارات وصورتیں ہیں جو کہ خدا کے حضور میں بزبانِ حال پیش کرنے کے لئے موضوع ہیں۔ خداتعالیٰ نے انسان کے لئے شریعت کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں رکھا اور نہ کسی عبث امر کا حکم کیا ہے۔ مثلاً تکبیر تحریمہ میں کانوں پر ہاتھ رکھنا، روبقبلہ ہوکر دست بستہ کھڑا ہونا۔ قرات فاتحہ میں ضم سورت تسبیح۔ تسمیع۔ تحمید۔ رکوع۔ سجود۔ قعدہ۔ تشہّد وغیرہ وغیرہ یہ سب ادعیہ حالیہ وقالیہ کے اشکال وصورتیں ہیں، جو خداتعالیٰ کے حضور میں پیش کی جاتی ہیں۔

یہ جو ہم نے لکھا ہے کہ ناف کے نیچے وناف وسینہ پر ہاتھ باندھنے کے متعلق قرآن واحادیث میں صریح اشارے ملتے ہیں۔ سو واضح ہو کہ نماز کے سارے افعال وارکان زبان حال وقال کی دعائیں ہیں۔ کیونکہ دعا میں زبان حال وقال دونوں کا ہونا ضروری ہے، جب ہی تو دعا مرتبہ قبولیت واجابت کو پہنچتی ہے۔

ا۔ لہٰذا ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے میں عفت وسترِ عورت کی طرف ایماء ہے، جو کہ حالی دعا ہے اور اسی کے مطابق قالی دعائیں احادیث میں وارد ہیں، منجملہ ازاں یہ ہیں۔ **اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِی وَ اٰمِنْ رَدْعَاتِیْ** (ابن ماجہ) ترجمہ۔ یعنی اے خدا ڈھانپ دے میرے عیب اور مجھ کو امن دے خوف کی چیزوں سے۔ پھر ایک اور حدیث میں بطور تعلیم وارد ہے۔ **اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ منّی** ۔ ترجمہ۔ اے خدا میں منی کی شر سے تیرے پاس پناہ طلب کرتا ہوں۔ ایک اور حدیث میں وارد ہے۔ **اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْھُدٰے وَ التُّقٰیٰ وَالْعِفَافَ وَالْغِنٰی** ۔ ترجمہ۔ اے خدا میں تجھ سے ہدایت و تقویٰ و پارسائی وغنا کا سوال کرتا ہوں۔ اسی طرح قرآن کریم کی ادعیہ بھی ہیں۔

۲۔ ناف پر ہاتھ باندھنے میں طلب رزق حلال کی دعا بزبان حال ہے اور اسی کے مطابق قرآن واحادیث میں ادعیہ قالیہ وارد ہیں، منجملہ ازاں ایک یہ ہے۔ **اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ رِزْقاً حَلالاً طَیِّباً مُبَارَکاً** (ابن ماجہ)۔ ترجمہ۔ یعنی اے خدا میں تجھ سے رزق حلال اور پاکیزہ بابرکت طلب کرتا ہوں۔ پھر ایک حدیث میں وارد ہے۔ **اَللّٰھُمَّ اَکْفِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَ اغْنِنِیْ بِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ** ۔ (ابن ماجہ)۔ ترجمہ۔ یعنی اے خدا مجھے کفایت دے اپنی حلال روزی سے اور بچا مجھ کو حرام روزی سے اور مجھ کو لوگوں کے اموال سے لاپرواہ کرا پنے اموال دے کر۔

ایسا ہی قرآن کریم کی ادعیہ بھی ہیں۔ علم تعبیرات میں ناف کے متعلق لکھا ہے۔ **من رای سرته فی المنام فهی کسبه الذی کان یعیش منه او حرفته التی یتعهدها** ۔ یعنی جو کوئی

خواب میں اپنی ناف دیکھے۔اس کی تعبیر یہ ہے کہ یہ اس کی کمائی و مال ہے، جس پر اس کی گذران ہے یا اس کا کوئی پیشہ ہے، جس میں وہ مشغول رہتا ہے۔(" تعطیر الانام فی تعبیر المنام "۔ص ۲۷۹)

اور سینہ پر ہاتھ باندھنے میں حق پر ثابت رہنے و شرح صدر کی حالی دعا ہے اور اسی کے مطابق قرآن کریم و احادیث نبویہ ؐ میں ادعیہ قالیہ وارد ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْهَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّاب ۔ترجمہ۔اے خدا ہمارے دل کو ٹیڑھا نہ کر ہدایت دینے کے بعد اور اپنے پاس سے رحمت بخش، تو ہی بخشش کرنے والا ہے۔ پھر قرآن کریم کے ایک اور مقام میں وارد ہے۔رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَ یَسِّرْلِیْ اَمْرِیْ وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ۔ترجمہ۔یعنی اے خدا مجھے شرح صدر عطا کر اور میرا کام آسان کر اور میری زبان کی گرہ کھول دے تا کہ لوگ میری بات کو سمجھ لیں۔ایک حدیث میں وارد ہے۔اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ ۔ترجمہ۔یعنی اے خدا میرے دل کو اپنے دین اسلام پر محکم کر دے۔ایک اور حدیث میں وارد ہے۔ اِهْدِ قَلْبِیْ وَاسْلُلْ سَخِیْمَةَ صَدْرِیْ ۔ترجمہ۔یعنی اے خدا میرے دل کو ہدایت کر اور میرے سینے کا کینہ نکال دے۔

علم تعبیرات میں سینے کو خواب میں دیکھنے کے متعلق حضرت ابن سیرین لکھتے ہیں۔مــــن رای صدره واسعا نال سرورا ۔ترجمہ۔یعنی جو کوئی اپنے سینے کو خواب میں فراخ دیکھے اس کو خوشی و راحت ملے گی۔ و من رایٰ ضیق الصدر فهو ضلال ۔ترجمہ۔یعنی جو کوئی سینے کی تنگی دیکھے تو اس سے مراد گمراہی ہے۔وا ذا رایٰ الکافر سعة صدره فانه یسلم و یربح فی تجارته ۔ترجمہ یعنی جب کافر اپنے سینے کی فراخی دیکھے تو وہ مسلمان ہو جائے گا اور تجارت میں اس کو نفع حاصل ہوگا۔

پس اب واضح ہوا کہ قرآن کریم و احادیث سے ناف کے نیچے و ناف و سینہ پر ہاتھوں کا باندھنا ثابت ہے۔ وجہ یہ ہے کہ طلب ستر عورت و عفّت و طلب رزق حلال و شرح صدور و اثبات علی الحق کی دعائیں قالیہ قرآن کریم و احادیث نبویّہ میں وارد ہیں۔سو ان کے لئے دعائیں حالیہ بھی اپنی حالتوں کے مناسب لازم ہیں۔لہٰذا ان دعاؤں نے، جو قرآن و احادیث میں وارد ہیں، انہوں نے اپنے اپنے مقاموں کی طرف ایماء کر دیا ہے۔اور وہ تینوں مقام ناف کے نیچے اور ناف و سینہ ہیں۔

سوال۔قرآن و احادیث میں صدہا قسم کی ادعیہ وارد ہیں۔تم نے ان سب کی تین قسم کی دعاؤں میں تخصیص کیوں کر دی ہے؟

جواب۔ واضح ہو کہ یہ تین قسم کی دعائیں سب کی جامع ہیں۔ستر عورت یعنی عفّت و تقویٰ،

رزق حلال، شرح صدر، یہ تینوں ایسے امور ہیں، جن کے حاصل ہونے سے انسان دارین میں کامیاب و بامراد ہوسکتا ہے۔ اور ایسی جامع دعائیں ان امور کے متعلق قرآن واحادیث میں بکثرت وارد ہیں۔ مثلاً رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃٌ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ ترجمہ۔ اے خدا ہم کو دنیا میں بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی بھلائی عطا کر اور عذاب دوزخ سے بچا۔ عفت وتقویٰ اختیار کرنے ورزق حلال کھانے سے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْن۔ ترجمہ۔ یعنی خدا تعالیٰ پرہیزگاروں کی دعائیں وصدقات خیرات قبول کر لیتا ہے۔ پس جب کہ تقویٰ واَکل حلال کی شرط مفقود ہو جائے، تو دعاؤں کا قبول ہونا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ عفت و اکل حلال دعا کے لئے ایسی شرائط ہیں، جیسی ادویہ کی ذاتی تاثیرات جب ہی مؤثر ہوتی ہیں کہ چیز متاثر و قابل اثر قبول کرنے والی موجود ہو، ورنہ پتھر پر سم الفار ڈالنے سے کیا اثر ظاہر ہوگا۔

سوال۔ اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب تم نماز میں ہاتھ باندھنے کے متعلق تین مقام بتا رہے ہو، تو ان تینوں میں سے افضل کونسا مقام ہے۔

جواب۔ واضح ہو کہ ان تینوں میں سے بحسب فرمودہ خدا تعالیٰ ورسول کریمؐ سینہ سب سے افضل ہے، کیونکہ شریعت کا خطاب ہی سینہ یعنی دل پر ہے۔ اس لئے ازروئے علم طب وشرع شریف سارے جسم سے دل افضل ہے۔ اگر دل قابو میں آ جاوے، تو سارا وجود قابو میں آ جاتا ہے۔ چنانچہ مثل مشہور ہے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است　　از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله و اذا فسدت فسد الجسد کله الا و هی القلب** ۔ ترجمہ۔ یعنی انسان کے جسم میں ایک بوٹی ہے، جب وہ درست ہو جاوے، تو سارا جسم درست رہتا ہے۔ اور جب یہ بوٹی بگڑ جاوے، تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ سنو کہ وہ بوٹی بنی آدم کا دل ہے۔

اسی فضیلت کی وجہ سے بعض محدثین نے سینہ پر ہاتھ باندھنے والی احادیث کو قوی قرار دیا ہے اور باقی کو نظر سے گرا دیا۔ حالانکہ سب اپنے اپنے موقعہ پر قوی ہیں۔ کوئی ضعیف نہیں ہے اور مؤلف کتاب ہذا تینوں کا عامل ہے، البتہ افضلیت مقدم الذکر میں کوئی کلام نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی آیات مذکورہ وعلم الابدان کے تجربات واحادیث نبویہ کی شہادات اس امر کی مؤید ہیں۔

فاضل سندھی امام ابی الحسن محمد بن عبدالہادی حنفی ابن ماجہ مطبوعہ مصر ص ۱۴۰ پر احادیث ذیل اس

امر کے متعلق پیش کرتا ہے۔ **قد جاء حدیث قبیصة بن هلب فی مسند احمد قال رایت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یضع یده علی صدره و یاخذ شماله بیمینه و قد جاء فی صحیح ابن خزیمة عن وائل ابن حجر قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فوضع یده الیمنیٰ علی یده الیسریٰ علی صدره و قد روی ابو داؤد عن طاؤس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یضع یده الیمنیٰ علی یده الیسریٰ ثم یشد بهما علی صدره و هو فی الصلوٰة.** ترجمہ۔ یعنی مسند احمد میں قبیصہ بن ھلب کی حدیث میں مذکور ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اپنا ہاتھ سینے پر رکھتے اور بائیں کو دائیں سے پکڑتے تھے۔ اور ابن خزیمہ کی صحیح میں لکھا ہے کہ وائل ابن حجر راوی ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپ اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں پر اپنے سینے پر رکھتے تھے۔ اور ابو داؤد نے طاؤس سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھا کرتے تھے اور دونوں کو نماز میں اپنے سینے پر باندھا کرتے تھے۔

فاضل مذکور اس حدیث کے حاشیہ پر لکھتا ہے۔ **و هذا الحدیث و ان کان مرسلاً لکن المرسل حجة عند الکل و بالجملة فکما صح ان الوضع هو السنة دون الا رسال ثبت ان محله الصدر و لا غیرو اما حدیث ان من السنة وضع الاکف علٰی الاکف فی الصلوٰة تحت السرة فقد اتفقوا علی ضعفه کذا ذکره ابن الهمام نقلا عن النووی و سکت علیه.** ترجمہ۔ یعنی یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے، لیکن مرسل سب کے نزدیک پوری دلیل صحت ہے۔ اور بالجملہ جیسا یہ امر صحیح ثابت ہو چکا ہے کہ ہاتھ باندھنا سنت ہے اور ارسال درست نہیں ہے، ایسا ہی ثابت ہو چکا ہے کہ ہاتھ باندھنے کا محل سینہ ہے نہ اور کوئی۔ اور یہ جو حدیث میں وارد ہے کہ نماز میں ہتھیلیوں کا ہتھیلیوں پر رکھنا ناف کے نیچے سنت ہے، اس کے ضعف پر سب محدثین نے اتفاق کیا ہے۔ ابن ہمام نے نووی سے بھی ایسا ہی ذکر کیا ہے اور پھر اس نے کچھ نہیں لکھا۔ ابن ہمام "**فتح القدیر**" کا مؤلف ہے۔

مؤلف ہذا کی رائے میں ہاتھ باندھنے کے مقاموں میں کوئی تناقض وضعف نہیں ہے۔ تینوں صحیح ہیں اور محدثین نے تینوں روایتیں لکھی ہیں۔

آج شب مورخہ ۱۱ جولائی ۱۹۰۹ء کو ناف کے نیچے یا ناف وسینہ پر ہاتھ باندھنے کے متعلق بعض کی کمزوری کا مجھے خیال ہوا تو اسی وقت بین النوم والیقظہ مجھ پر ایک حالت طاری ہوئی اور نمودار ہوا کہ ان

باتوں میں سے کسی کی کمزوری وضعف چاہنا الٰہی ارادہ میں نہیں ہے۔ البتہ کسی ایک امر کا افضل ہونا اور باقی کا اس سے ادنیٰ ہونے سے کسی کی کمزوری وضعف ثابت نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ بسا اوقات ادنیٰ کی ضرورت بہ نسبت اعلیٰ کے زیادہ تر ہوجاتی ہے اور اس موقعہ پر وہ ادنیٰ ہی اعلیٰ وافضل ہوجاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص رزق حلال کے لئے بذریعہ کسب وملازمت وغیرہ درخواست کرنی چاہتا ہے، تو اس کے لئے ناف پر ہاتھ باندھنے کو مناسبت ہے۔ اور طلب عفت وستر عورت وزوجہ واولاد صالح اور ان کی اصلاح حال کی دعا کو زیر ناف ہاتھ باندھنے میں مناسبت ہے۔ اگر چہ سینہ پر ہاتھ باندھنے میں یہ سب باتیں آ جاتی ہیں۔ مگر کسی ایک امر مخصوص کی دعائے حال کو بھی مخصوص کرکے شامل کرلے اور غموم وہموم دنیاوی کے دور ہونے ورفع خفقان کے لئے اور حق پر ثابت قدم رہنے اور دشمنان دین پر غالب آنے وانشراح صدر وصحت مرض وقبول توبہ وازدیاد علم وطلب ہدایت کی دعا کو سینہ پر ہاتھ باندھنے میں مناسبت ہے۔
اور اس امر کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی جبلت میں یہ بات داخل ہے کہ جب اس کے دل میں کوئی بات جمتی ہے تو اس کی زبان اور اس کے تمام اعضاء اسی کے موافق حرکت کرتے ہیں اور زبان اور باقی اعضاء کا فعل دل کی حالت پر قرینہ قویّہ اور اس کا قائم مقام ہوتا ہے۔

جماعت کی صف میں ممانعت فرجہ کی وجہ

ا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ **الا تصفون کما تصف الملکۃ عند ربھا۔**
ترجمہ۔ یعنی جس طرح فرشتے اپنے پروردگار کے سامنے صف باندھے ہوئے برابر کھڑے ہوتے ہیں، تم اس طرح کیوں نہیں کھڑے ہوتے ہو۔
اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ہر فرشتے کے لئے ایک درجہ مقرر ہے اور استعدادوں کے اندر ترتیب عقلی کے موافق ان کو پیدا کیا ہے۔ اس لئے اُن میں فرجہ نہیں نکلتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **انی لاری الشیطان یدخل من خلل الصف کانھا الحذف** ۔ترجمہ۔ یعنی میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ وہ صفوں کے فرجہ سے نکلتا ہے، گویا کہ بھیڑ کا سیاہ بچہ ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ہم نے اس بات کا تجربہ کیا ہے کہ ذِکر کے حلقوں میں مل کر بیٹھنے سے دلجمعی خوب ہوتی ہے۔ اور ذِکر کی حلاوت معلوم ہوتی ہے اور خطرات بند ہوتے ہیں اور اس بات کے ترک کرنے سے یہ باتیں کم ہوجاتی ہیں اور ان باتوں میں سے جس قدر کسی بات میں کمی ہوتی ہے، اسی قدر شیطان کو دخل ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وجہ سے صف کے اندر شیطان کو داخل ہوتے ہوئے دیکھا ہے اور اس خاص صورت میں دیکھنے کی وجہ یہ ہے کہ عادت کے اعتبار سے بھیڑ کا بچہ اکثر ایسی تنگ

جگہوں میں گھستا پھرتا ہے۔اور پھر اس کو سیاہی کی صفت کے ساتھ دیکھنا، جو ایک شے کی بدطینتی پر دلالت کرتی ہے۔اس وجہ سے شیطان آپ کے سامنے متمثل ہوا۔

۲۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ **لتسوّنّ صفوفکم او لیخالفن اللہ بین وجوھکم** ۔ترجمہ۔اپنی صفوں کو برابر کرو، ورنہ خدا تعالیٰ تمہارے منہ کو پھیر دے گا اور تم میں مخالفت ڈال دیگا۔یعنی انسان کے ہر فعل میں اثر ہوتا ہے۔اور کجی صف کا اثر تم میں مخالفت کے رنگ میں ظاہر ہو گا۔

مؤدّب کھڑا ہونے کی حکمت

نماز میں تمام بدن کا جناب باری کے سامنے سکوڑ لینا نفس کو خدا تعالیٰ کے حضور میں مؤدب ہو کر کھڑا ہونے پر آگاہ کرنے کیلئے ہے، جیسا کہ ادنیٰ لوگوں کو بادشاہوں کے حضور میں عرض معروض کرتے وقت دہشت اور ہیبت کی حالت طاری ہوتی ہے۔مثلاً دونوں قدموں کا برابر رکھنا اور دست بستہ کھڑا ہونا اور نظر کو پست کرنا اور اِدھر اُدھر نہ دیکھنا۔نماز میں دست بستہ کھڑا ہونا خدا ماننے والے کی فطرت کا تقاضا ہے اور فرمانبرداری کیلئے جھکنا ایک تواضع ہے اور سجدہ میں گرنا کمال عبودیت کا اظہار ہے۔

تکبیر تحریمہ میں دونوں ہاتھوں کو کانوں وسینہ تک اٹھانے کا راز

۱۔کانوں کو ہاتھ لگانا توبہ ورجوع الی اللہ کی علامت ہے۔لہٰذا نماز میں تکبیر اولیٰ میں کانوں کو ہاتھ لگانا توبہ ورجوع الی اللہ کا نشان اور گناہوں وخطاؤں سے معافی کی درخواست وندامت بر ماضی اور آئندہ بدیوں وگناہوں سے باز رہنے کے اقرار کی طرف ایما ہے۔کسی نے پنجابی میں کہا ہے۔

قصد نماز کرے جو مومن کنّاں نوں ہتھ لایا　　　ایسا ہے جویں توبہ کر کے رب اپنے دل آیا

۲۔یہ فعل اس لئے مقرر ہوا کہ جب انسان مجرموں کی طرح اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگا کر خدا کے آگے کھڑا ہو تو اس کی اپنی عاجزی پر نظر پڑے اور اس میں خشوع وخضوع کی حالت پیدا ہو، جو نماز کی روح ہے۔ **قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْن** اسی جانب مشیر ہے۔یعنی یقیناً کامیاب ہوئے وہ مومن جو اپنی نمازوں میں خشیت وسوز وگداز اختیار کرتے ہیں۔

۳۔دونوں کانوں پر ہاتھ رکھنا ترک دنیا وعقبیٰ کا نشان اور توجہ الی اللہ کی طرف ایما ہے۔چنانچہ ایک حدیث کا مضمون بھی اسی کا مؤید ہے۔ **طالب الدنیا مؤنث و طالب دنیا مخنث و طالب المولیٰ مذکر** ۔یعنی طالب دنیا عورت اور طالب آخرت ہیجڑا اور طالب خدا مرد ہوتا ہے۔چنانچہ اس بارے میں کسی نے کہا ہے۔

زاہد بخود منازکہ دنیا گذاشتم ایں ہمت من است کہ عقبیٰ گذاشتم

۴۔ ہاتھوں کو کانوں تک اٹھانا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ میں کسی چیز کا مالک نہیں، سب چیزیں تیری ہیں، ان کا تو ہی مالک ہے۔ میں خالی ہاتھ محتاج وفقیر تیری عطاء و بخشش کا طالب وامیدوار بن کر تیرے حضور حاضر ہوتا ہوں۔

۵۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ میں تمام طاقتوں وقوتوں سے خالی ہوں، سب قوتوں وطاقتوں کا تو ہی مالک ہے۔ پس اس کار خیر وعبادت میں میری مدد فرما۔

حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ **فیرفع یدیہ الی اللہ معترفاً ان الاقتدار لک لا لی. و ان یدی خالیۃمن الاقتدار** ۔ یعنی خدا کی طرف دونوں ہاتھ بطور اقرار اٹھائے کہ طاقت وقوت تیرا حق ہے۔ مجھے کوئی قدرت وطاقت نہیں۔

سینے تک ہاتھوں کو اٹھانے میں یہ ایما ہے کہ حق قبلہ میں ہے۔ اور کانوں تک اٹھانے میں یہ راز ہے کہ حق میرے اوپر ہے۔ اس بات کی اسناد حق تعالیٰ کے اس فرمودہ سے ملتی ہے۔ **وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ** ۔ یعنی خدا تعالیٰ اپنے بندوں پر غالب ہے۔

۶۔ جب آدمی اللہ اکبر کہے، تو دونوں ہاتھ اوپر کو اٹھائے، تاکہ معلوم ہو کہ خدا تعالیٰ کے ماسوا سے وہ دست بردار ہو کر خدا تعالیٰ کے حضور میں آ گیا۔ اور کانوں تک خواہ مونڈھوں تک ان کو اٹھائے ہر ایک سنت ہے۔ حضرت مولانا مولوی معنوی اس امر کے متعلق فرماتے ہیں۔

معنیٔ تکبیر این است اے سلیم کاے خدا پیش تو ما قربان شدیم
وقت ذبح اللہ اکبر مے کنی ہمچنیں در ذبح نفس کشتنی
گوئی اللہ اکبر و ایں شوم را سر ببر تا وارہد جاں از عنا

ترجمہ۔ تکبیر تحریمہ سے یہ مراد ہے کہ اے خدا میں نے اپنے آپ کو تیرے لئے قربان کر دیا، جیسا کہ جانور کو ذبح کرنے کے وقت تم اللہ اکبر کہا کرتے ہو۔ ایسا ہی نفس امارہ پر تکبیر کہو، جو کہ قابل ذبح ہے۔ تکبیر کہہ کر اس بدبخت نفس امارہ کی خواہشوں کا سر کاٹ ڈالو۔ یعنی تمام مجموعہ بُری اور ناجائز خواہشوں کا، جو نفس امارہ ہے، ان کو چھوڑ دو تاکہ تمہاری جان عذاب سے بچ جائے۔

تکبیر تحریمہ میں عورت کا کاندھوں تک ہاتھ اٹھانے کی وجہ

تکبیر تحریمہ میں عورت کا مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عورت کا مرتبہ مرد سے نیچے ہے اور عورت کے ستر حال کے مناسب اسی حد تک ہاتھ اٹھانے مناسب ہیں۔ جس

میں تین اشارات مرکوز ہیں۔(۱) غیر اللہ سے روگردانی (۲) تمام کدورتوں و گناہوں سے اعراض (۳) اپنے ستر حال کی درخواست۔

نماز میں دست بستہ کھڑا ہونے کی وجہ

۱۔نماز میں دست بستہ کھڑا ہونا اظہار سوال و احتیاج و افتقار و مسکنت و عجز و نیاز و زاری و ذلت کی طرف ایما ہے۔

۲۔ایک ہاتھ کا دوسرے ہاتھ کی کلائی اور پیٹھ پر رکھ کر باندھنا عہد و پیمان کو پختہ کرنے کا اظہار ہے۔جس میں یہ اشارہ ہے کہ اے خداوند کریم ہم نے تجھ سے عہد کیا ہے کہ ہم تیرے فرمانبردار ہو کر رہیں گے اور تجھ ہی کو پکاریں گے اور تیرے ہی آگے دعا و الحاح کریں گے۔اور تیرا عہد ہم سے یہ ہے کہ تو ہم پر رحم کرے اور ہماری دعائیں قبول کرے۔چنانچہ اس بارے میں تیرا فرمان واجب الاذعان یہ ہے **وَ اِذَا سَالَکَ عِبَادِیْ عَنِّی فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ** ۔ترجمہ۔یعنی جب میرے بندے مجھ سے سوال کریں تو میں قریب ہوں۔قبول کرتا ہوں دعا کرنیوالے کی، جب وہ مجھ سے دعا کرے۔

۳۔نماز شعار الٰہی میں سے ہے، کیونکہ اس سے مقصود بندگانِ شاہی سے مشابہت کا اظہار ہے، جب وہ حضور شاہی میں دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں اور عاجزانہ درخواست وہاں کی جاتی ہے۔اس لئے دعا کرنے سے پہلے تعریف کی جاتی ہے اور آدمی کو ایسی ہیئتیں اختیار کرنی پڑتی ہیں، جو مناجات کے وقت سلاطین کے سامنے اختیار کی جاتی ہیں۔تمام ہاتھ پاؤں سمیٹ لئے جاتے ہیں اور کسی قسم کی بے توجہی نہیں کی جاتی۔ازسرتاپا مؤدب ہو کر کھڑا ہونا پڑتا ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو خداوند کریم اس کے منہ کے سامنے ہوتا ہے۔الغرض نماز میں دست بستہ کھڑا ہونا قانون فطرت کی رو سے بھی بندگی کے لئے مناسب ہے۔

نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھنے کی وجہ

ہر ایک صاحبِ حق کو اسکا حق و صاحبِ فضیلت کو اسکی فضیلت و صاحبِ امانت کو اسکی امانت دینا و ادا کرنا عدالت و انصاف ہے۔خدا کا فرمودہ ہے **اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تَؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا** ۔ ترجمہ۔یعنی خدا تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ امانت صاحب امانت کو ادا کرو۔پھر خدا تعالیٰ کا فرمودہ ہے **اِنَّ اللّٰہ یُؤْتِ کُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَہ‘** ۔ترجمہ۔یعنی خدا تعالیٰ کا یہ قانون قدرت ہے کہ وہ ہر صاحبِ فضیلت کو

اسکی فضیلت کا حق عطا کرتا ہے۔ پس تم بھی اسی قانون کی پیروی کرو۔ دائیں کو بائیں پر فضیلت وفوقیت ہے، لہٰذا فضیلت وفوقیت کا منصب اوپر سے ہی مناسبت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا بوجہ فوقیت یمین علی الیسار سنت نبوی ٹھہرا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی اسوہء حسنہ تھا۔ وَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ ۔ ترجمہ۔ یعنی تم کو لازم ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی چال کی پیروی کرو، کیونکہ اس میں حسن وخوبی ہے۔ قبیصہ بن ھلب اپنے باپ سے راوی ہے **کان النبی صلی الله علیه وسلم یؤمنا فیاخذ شماله بیمینه** ۔ ترجمہ۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے امام ہوا کرتے تھے اور نماز میں بائیں ہاتھ کو دائیں کے نیچے رکھا کرتے تھے۔ ابن مسعود راوی ہے کہ میرے پاس رسول علیہ السلام ہو کر گزرے اور میں نے بائیں ہاتھ کو دائیں پر رکھا تھا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے دائیں ہاتھ کو پکڑ کر بائیں پر رکھ دیا۔

نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا، لوگوں سے کلام کرنا منع ہونے کی وجہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **لا یزال الله تعالیٰ مقبلا علیٰ العبد و هو فی صلوته ما لم یلتفت فاذا التفت اعرض عنه** ۔ ترجمہ۔ یعنی جب تک کہ بندہ نماز میں رہتا ہے خدا تعالیٰ برابر اسکی طرف متوجہ رہتا ہے۔ جب تک وہ اِدھر اُدھر نہ دیکھے۔ پھر جب وہ اِدھر اُدھر دیکھتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کی طرف متوجہ نہیں رہتا۔ یعنے خدا تعالیٰ کی توجہ رحمت اس سے ہٹ جاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جب کوئی بندہ خدا کی جانب متوجہ ہوتا ہے، تو اسکے لیے خدا کی بخشش کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اور جب بندہ اس سے اعراض کرتا ہے، تو اس سے صرف محروم نہیں رہتا، بلکہ اپنے اعراض کی وجہ سے عذاب الٰہی کا مستحق بنتا ہے۔ جب ایک دنیاوی بادشاہ وحاکم کے دربار میں جاتا ہے، تو اس کے روبرو اِدھر اُدھر دیکھنا، نہ کسی اور سے کلام کرتا، نہ کوئی نامناسب کام کرتا ہے، تو احکم الحاکمین کے دربار میں ایسے امور کب جائز ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **اذا قام احدکم الی الصلوة فلا یمسح الحصی فان الرحمة تواجهته** ۔ ترجمہ۔ یعنی تم میں سے جب کوئی نماز کو کھڑا ہو، تو ٹھیکریوں کو صاف نہ کرے کیونکہ رحمت الٰہی اس کے روبرو ہوتی ہے۔ ایسا ہی ایک اور حدیث شریف میں وارد ہے **ان هذا الصلوة لا یصح فیها شی ء من کلام الناس انما هی التسبیح والتکبیر و قراة القرآن** ۔ ترجمہ۔ یعنی نماز میں لوگوں سے بول چال کچھ درست نہیں ہے۔ نمار تو تسبیح اور تکبیر اور قرآن کریم کا پڑھنا ہے۔

نماز میں ثناء پڑھنے کی وجہ

ا۔ سُبْحَانَکَ اَللّٰھُمَّ بمنزلہ سلام دربار کے ہے۔

۲۔ بنی آدم میں یہ فطرتی امر ہے کہ جب کسی عالیشان امیر کبیر سے سوال کرتا اور اس سے اپنی حاجت روائی چاہتا ہے، تو پہلے اس کی مدح وثنا اور اس کی بزرگی وجلال اور اپنی مذلّت وانکسار بیان کرتا ہوا اپنی حاجت کا اظہار شروع کرتا ہے۔ وہی طریق یہاں بھی سکھایا گیا ہے، تا کہ نفس انسانی کو خدا کی بزرگی اور اپنی پستی پر آگاہی ہو اور دل میں کمال حضور وانکسار پیدا ہو۔

دعائے استفتاح کے اسرار

اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَّ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ اَللّٰھُمَّ نَقِّنِیْ مِنْ خَطَایَایَ کَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ اَللّٰھُمَّ اغْسِلْنِیْ مِنْ خَطَایَایَ بِالْمَاءِ وَ الثَّلْجِ وَالْبَرْدِ ۔ترجمہ۔اے میرے خدا دوری ڈال میرے درمیان اور میرے گناہوں کے درمیان جیسا کہ تو نے دوری ڈالی ہے مشرق ومغرب کے درمیان۔ اے خدا مجھے میرے گناہوں سے پاک کر جیسا کہ سفید کپڑا میل سے پاک وصاف کیا جاتا ہے۔ اے میرے خدا مجھے میرے گناہوں سے پانی اور برف اور ٹھنڈک کے ساتھ دھوڈال۔

(اسرار) خداتعالیٰ کے آگے مناجات کرنا مقام قرب الٰہی ہے اور انسان کے گناہ قرب الٰہی کے ضد ومنافی ہیں یعنی وہ انسان کو خدا سے بعید کرنے والے ہیں۔ لہٰذا مناجات سے پہلے دعا کرتا ہے کہ خداتعالیٰ اسکے درمیان اور اسکے گناہوں کے مشاہدہ کے درمیان بُعد کا پردہ ڈالے، تا کہ اسکے دل میں بھی اس مقام قرب الٰہی میں گناہ کا خیال نہ آوے، کیونکہ گناہوں کا خیال قرب الٰہی سے دور کرنیوالا ہے۔ اسی لئے توبہ کی تعریف میں بیان کرتے ہیں کہ انسان اپنے گناہوں کو بھول جائے اسلئے کہ مقام صفا میں ظلم وجفا کا یاد کرنا ظلم وجفا ہے۔

پھر کہا کہ اے خدا مجھے میرے گناہوں سے ایسا صاف کر جیسا کہ سفید کپڑا میل سے صاف کیا جاتا ہے۔ اس جگہ مصلّی اپنی دعا میں لفظ ثوب خداتعالیٰ کے اعلام کیلئے استعمال کرتا ہے اور اس بات کو پیش کرتا ہے کہ میں تیرے حضور میں وہی بات پیش کرتا ہوں، جس کا تو نے امر کیا ہے کہ میں تیری مناجات میں کپڑے کو پاک کروں۔ پس اے پروردگار اس تطہیر کا تو ہی کارساز بن۔ کیونکہ مجھے کوئی طاقت اور قوت نہیں۔ اور جو وصف تیرے جلال کے لائق ومناسب نہ ہو وہ خطا ہے۔

وجہ تسمیہ خطا

اور خطا یہ ہے کہ انسان اپنی حد سے متجاوز ہو کر غیر محل میں قدم مارے اور اپنے میدان و مقام سے نکل جائے۔ پس ایسا انسان گویا زمین مغصوبہ میں چلنے والے کی طرح ہے۔ پس جب بندہ بغیر امر مالک (خطوۃ) قدم مارتا ہے، تو وہ خطار کار گنا جاتا ہے۔ اور اسی لئے اس فعل کا نام خطا ہوا۔

پھر کہا اے خدا میرے گناہ پانی اور برف اور خنکی کے ساتھ دھو ڈال۔ اس جگہ دھونے کا فعل خدا کی طرف منسوب کر کے کہتا ہے کہ تو نے ہی میرے لئے مشروع کیا ہے کہ میں کہوں کہ مجھے کوئی طاقت اور قوت تیری امداد کے بغیر نہیں اور تو نے ہی میرے لئے امر کیا ہے کہ جب اِیَّاکَ نَعۡبُدُ کہوں تو ساتھ ہی یہ بھی کہوں وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡن ۔ یعنی تیری عبادت کے لئے طلب امداد تجھ سے ہی کرتا ہوں۔ اگر تو اپنی قوت و امداد کے ساتھ میرا کارساز نہیں بنتا، تو میں کس طرح تیرے آگے ایسی ناپاک و گندی حالت میں مناجات کر سکتا ہوں۔ اور تو خود فرماتا ہے وَ جَعَلۡنَا مِنَ الۡمَاءِ کُلَّ شَیۡءٍ حَیٍّ ۔ یعنی ہم نے ہر چیز کو پانی سے زندگی بخشتی ہے۔ پس میرے گناہوں کو پانی کے ساتھ دھو ڈال یعنی میرے دل کو زندہ کر اور میرے گناہوں کو توبہ و اعمال صالح کے ذریعہ نیکیاں کر دے۔ پس یہاں وہ زندگی مراد ہے، جو گندگی و میل پر پانی کے گذرنے سے پاکیزگی و صفائی کی زندگی حاصل ہوتی ہے۔

اور لفظ ثلج کے لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب کسی کا دل خوش ہو تو کہتے ہیں **ثلج فواد الرجل** یعنی اس شخص کا دل خوش ہو گیا۔ لہٰذا یہاں کہا کہ اپنے دیدارِ فرحت آثار و حضور پُر سرور کے ساتھ میرے دل کو مسرور کر۔

اور لفظ برد لانے میں یہ حکمت ہے کہ برد وہ چیز ہے کہ جو ناکامی کی آگ و سوزش دل کی چنگاری کو بجھا دے۔ درگاہ عالی میں کھڑا ہونے کے وقت انسان کے دل میں ایسے خیالات فطور کرتے ہیں کہ شاید میں اپنی مراد میں کامیاب ہونگا یا نہیں۔ لہٰذا اس سوزش کو بجھانے کے لئے لفظ برد استعمال کیا۔ ایسے مواقع میں اہل عرب اس لفظ کو بہت استعمال کرتے ہیں۔ ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

و عَطِّل قلوصی فی الرکاب فانها ستبرد اکباداً او تبکی بواکیا

ترجمہ۔ یعنی میری اونٹیوں کو قافلہ میں بیکار کر دے، کیونکہ وہ جگروں کو سرد کر دیں گی یا رولائیں گی۔

ثناء و استفتاح کے بعد اعوذ پڑھنے کا راز

نماز میں ثناء کے بعد اعوذ پڑھنا اس واسطے مقرر ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاِذَا قَرَاۡتَ

الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْم ۔ترجمہ۔یعنی جب تو قرآن پڑھنے کا ارادہ کرے،تو شیطان مردود کے مکر سے اوراس کے وسواس سے بچنے کے لئے خدا تعالیٰ سے پناہ طلب کرو۔چونکہ فاتحہ و ضم سورۃ قرآن سے ہوتی ہیں،اس لئے ان سے پہلے اعوذ پڑھنا ضروری ٹھہرا۔

ابتدائے فاتحہ میں قرات تسمیہ کی وجہ

ابتدائے فاتحہ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنے کا یہ راز ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کے واسطے قرآن پڑھنے کے لئے پہلے اپنے پاک نام سے برکت حاصل کرنے کو مقرر فرمایا ہے۔ علاوہ بریں بسم اللہ پڑھنے میں احتیاط بھی ہے،کیونکہ اسکے جزو فاتحہ ہونے میں مختلف روایتیں آئی ہیں۔

نماز میں فاتحہ پڑھے جانے کا راز

نماز میں فاتحہ کا پڑھنا اس واسطے ضروری ہوا کہ وہ جامع دعا ہے۔خدا تعالیٰ نے بندوں کی طرف سے گویا ان کو اس بات کی تعلیم کرنے کے لئے نازل فرمایا ہے کہ ہماری حمد وثنا اس طرح کیا کرتے ہیں۔ اوراس طرح خاص ہم سے استعانت چاہتے ہیں اور خاص ہمارے لئے عبادت کا اقرار کیا کرتے ہیں اور اس طرح وہ راستہ،جو ہر قسم کی بہتری کا جامع ہے،مانگا کرتے ہیں اور ان لوگوں کے طریقے سے،جن پر ہمارا غصہ ہوا ہے اور جو گمراہ ہیں،پناہ مانگا کرتے ہیں۔اور بہتر دعا وہی ہے،جو جامع ہوتی ہے۔فاتحہ میں اول خدا تعالیٰ کی تعریف اوراس کی تربیت عام اوراس کی رحمت عامہ اور خاصہ اوراس کی مالکیّت اور اختیارِ جزاء وسزاء کا ذکر کر کے خدا سے ہدایت کی دعا مانگی جاتی ہے۔

فاتحہ خلف الامام جائز وناجائز ہونے کی وجوہات

ا۔محدثین فاتحہ خلف الامام کے متعلق یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ فاتحہ ہر واحد کی عرض ہے۔علاوہ بریں بوجہ اشتمال مضامین حمد وثناء سبحانک سے زیادہ تر مشابہ ہے۔اگر یہ خیال کیا جائے کہ بطور معروضات رعیت ایک شخص سب کی طرف سے عرض کر لیتا ہے،یہاں بھی ایک شخص سب کی طرف سے معروض معلوم عرض کر لے گا،تو اشتمال مذکور اور تعداد اہل عرض کا بھی خیال چاہیئے۔اور ظاہر ہے کہ بخیال اشتمال مذکور خیال تعدّدِ اہل عرض ہر ایک کا فاتحہ پڑھنا مناسب نظر آتا ہے۔

۲۔حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔مقتدی پر واجب ہے کہ چپ کھڑا رہے اور قرآن سنتا رہے۔پھر اگر امام جہر سے پڑھتا ہے تو جب وہ سکوت کیا کرے،اس وقت وہ پڑھ لیا کرے۔اور اگر امام آہستہ پڑھ رہا ہے،تو مقتدی کو اختیار ہے۔اگر مقتدی پڑھے،تو سورہ فاتحہ کو پڑھ

لے، مگر اس طرح سے پڑھے کہ امام اس کے پڑھنے سے اپنا پڑھنا نہ بھول جائے۔ اور سب سے بہتر یہ قول ہے اور تمام احادیث کی تطبیق ہو جاتی ہے۔ اس میں بھید وہی ہے، جس کی تصریح کر دی گئی ہے کہ امام کے ساتھ بلند آواز سے قرآن پڑھنا امام کی تشویش کا باعث ہوگا۔ اور اس وجہ سے قرآن کے اندر تدبّر نہ ہو سکے گا۔ اور قرآن کی تعظیم کے خلاف ہے۔ اور شارع علیہ السلام نے یہ حکم نہیں دیا کہ آہستہ پڑھیں۔ اس واسطے جب تمام لوگ صحیح صحیح حروف ادا کرنے کی کوشش کریں گے، تو سب کی آوازوں سے ایک آواز پیدا ہوگی، جو امام کے لئے موجب تشویش خاطر ہوگی اور اس کو قرآن پڑھنا مشکل ہو جائے گا۔ اس واسطے تشویش پیدا کر دینے سے آپ نے نہی فرما دی۔ اور جو تشویش کا موجب ہو، اس کا آپ نے حکم نہیں دیا۔ اور ان کو اختیار دیا کہ جس سے ہو سکے وہ کرے۔ مؤلف کتاب ہذا حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ متفق الرّاے ہے اور اسی پر عملدآمد ہے۔

قراتوں کے نام

سورۃ ق سے آخر تک جو سورتیں ہیں ان کو مفصل کہتے ہیں۔ پس ق سے بروج تک کو طوال مفصل کہتے ہیں اور بروج سے **والضحیٰ** اور بعض کے نزدیک **لم یکن** تک اوساط مفصل کہتے ہیں اور **والضحیٰ** سے آخر تک قصار مفصل کہتے ہیں۔

فاتحہ کے ساتھ ضم سورۃ کا راز

سوال ۔ مجھ سے ایک مولوی صاحب نے سوال کیا تھا کہ جب قرآن کریم میں آ چکا ہے **فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآن** ۔ یعنی پڑھ لو نماز میں جو تم کا آسان و یاد ہو قرآن سے، تو بدیں خیال چونکہ سورہ فاتحہ بھی قرآن کریم ہی کا ٹکڑا ہے، اس لئے نماز میں کیوں صرف فاتحہ ہی کے پڑھنے پر اکتفا نہ کیا جائے اور دوسری سورۃ فاتحہ کے ساتھ ضم نہ کی جائے۔ **بینوا حکمة ضم السورة مع الفاتحة فی الصلوة۔**

جواب۔ (۱) فاتحہ قرآن مجمل ہے، اس لئے اس کے بعد **فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ** میں قرآن مفصل کے پڑھنے کا امر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے فاتحہ و قرآن کریم کو الگ الگ ہونا قرآن کریم میں ایک وجہ سے بتایا ہے **وَ لَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعاً مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْآنَ الْعَظِيْم** ۔ ترجمہ۔ یعنی ہم نے دی ہیں تجھ کو سات آیتیں وظیفہ جو مجمل طور پر تمام مقاصد قرآنیہ پر مشتمل ہیں۔ اور ان کے مقابلہ پر قرآن عظیم بھی عطا فرمایا ہے جو مفصل طور پر تمام مقاصد دینیہ کو ظاہر کرتا ہے۔ فاتحہ مجمل

قرآن ہے۔ اوراس کے پڑھنے کا الگ حکم آیا ہے اور آلمٓ سے لیکر والناس تک مفصل ومکرر قرآن ہے اوراس کے پڑھنے کا الگ امر ہے۔ اور قرآن مجمل کے بعد قرات قرآن مفصل کی حکمتوں میں سے یہ امر بھی ہے کہ حکم نامہء مجمل کے بعد قرات حکمنامہ مفصل مزید توضیح وتشریح کے لئے سلاطین امر کر دیں، تو جائے تعجب نہیں ہے، بلکہ احسن ومناسب امر ہے۔

۲۔ جب کہ فاتحہ عرض وسوال ہے، تو سورۃ قرآن کا اس کے بعد پڑھنا اس سوال وعرض کا جواب ہے، جس میں مفصل طور پر تمام انسانی کامیابیوں کا راز ہے۔ جب سوال اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْم کے بعد سورت پڑھی گئی تو بدلالت ذَالِکَ الْكِتَابُ لَارَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِلْمُتَّقِيْنَ ۔ یہ معلوم ہوا کہ سائل کا سوال پورا ہو گیا اور اس کی امید پوری ہوگئی۔ اس لئے اس انعام کے شکریہ میں آداب ونیاز بجالانا اس کے ذمہ ضرور ہوا۔ یہ حکمت بیّن ہے کہ رکوع وسجود مثل آداب ونیاز کے ہیں، جو عطائے انعام کے وقت بجالائے جاتے ہیں۔ البتہ اس تقریر کے موافق یہ مناسب تھا کہ سارا قرآن بعد فاتحہ ہر رکعت میں پڑھا جایا کرتا، کیونکہ مجموعہ کتاب کی نسبت یہ ارشاد ہے هُدًى لِّلْمُتَّقِيْن یعنی یہ کتاب متقیوں کے لئے ہدایت نامہ ہے۔ شاید یہی وجہ ہوئی کہ بعض صحابہ نے بعض اوقات ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھ لیا تھا۔ مگر جیسے پانی کے ہر قطرہ کو پانی اور خاک کے ہر ذرہ کو خاک کہتے ہیں، ایسا ہی قرآن کے ہر ٹکڑے کو، بشرطیکہ کتاب ہونا یعنی حامل خیر یا طلب ہونا اس میں پایا جاتا ہو، کتاب کہہ سکتے ہیں۔ اس لئے بغرض تخفیف تھوڑا سا پڑھ لینا جائز رکھا۔ چنانچہ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَؤُا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ بھی اس پر شاہد ہے کہ اصل میں یہی تھا کہ سب قرآن پڑھا جایا کرتا۔ پھر تخفیف کے باعث کمی کی اجازت ہوگئی۔

۳۔ بلحاظ عظمت وشان مسئول عنہ کے یہ دونوں ضروری ہیں۔ یعنی فاتحہ کے بعد قرآن کریم میں سے کچھ پڑھا جاتا ہے، تا کہ اس حکمنامہء خداوندی کی قرات وسماعت سے، جو امام ومنفرد بکمال ادب ادا کرتے ہیں، یہ ظاہر ہو جائے کہ ہم ہر طرح خدا تعالیٰ کے مطیع اور فرمانبردار ہیں۔

اصل غرض ضم سورت سے جواب سوال اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْم ہے۔ اس لئے سورۃ منضمہ بمنزلہ حکمنامہء احکم الحاکمین کے ہے۔

۴۔ چونکہ دین کے اندر قرآن کریم کی تعظیم اور اس کی تلاوت واجب ولازم ہے۔ اور اس سے بڑھ کر کوئی تعظیم کی صورت نہیں کہ جو اسلام کا رکن اعظم اور عبادات میں اصل وشعار دین میں بڑا نامی شعار ہے اس کے اندر قرآن کریم کی کسی صورت کا پڑھنا ضروری کیا گیا، کیونکہ سورت ایک پورا کلام

ہے،جس کی بلاغت سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے منکرین نبوت کو عاجز کر دیا۔ دوسرے یہ کہ ہر سورت اپنی ابتداء اور انتہا کی وجہ سے ایک جدا کلام ہوتا ہے اور ہر سورت جدا جدا ہے۔ اور چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مرتبہ سورت کے ایک ٹکڑے کو بھی نماز میں پڑھا۔ اس لئے تین چھوٹی آیات یا ایک بڑی آیت کو بھی اس کے حکم میں داخل کیا ہے۔

۵۔ گویا بندہ کا اپنے خدا تعالیٰ سے طلب ہدایت کا سوال ایسا ہوتا ہے، جیسا مریض طبیب سے دوا کی درخواست کرتا ہے کہ امراض اعمال ناواجبہ واعتقادات ردّیہ سے خلاصی ہو۔ پس خدا تعالیٰ اس کو فرماتا ہے کہ اپنے مرضوں کے رفع کی دوا میرے کلام سے لو۔ اور اس سے کچھ پڑھ لو۔ یہی ایک دوا عام امراض فسق وشرک ریا وکبر حسد وحقد وغیرہ کے لئے کافی وشافی ہے۔ اس کی تلاوت سے تم کو اپنی بیماریوں کی دوا ملے گی۔ پس نمازی فاتحہ کے سوا کسی قدر قرآن کریم سے پڑھتا ہے۔ گویا فاتحہ ایسی ہے، جیسے مریض طبیب کے آگے اپنا حال زار بیان کرتا ہے۔ اور فاتحہ کے ساتھ ضم سورۃ کرنا ایسا ہے، جیسا کہ طبیب کا بیمار کو دوا بتا دینا اور اس کا اس کو شکریہ سے قبول کر لینا۔

حقیقت رکوع وسجود

ا۔ غور سے دیکھئے تو رکوع وسجود ان دونوں حالتوں پر دلالت کرتے ہیں جو بندہ سراپا اطاعت کو وقت سوال واستماع مژدہء انجاح وحاجت روائی ہونے چاہئیں۔ یعنی سائل کو اول تو مسئول عنہ کی طرف میلان ضرور ہے۔ اس میلان پر سوال متفرع ہوتا ہے۔ چنانچہ ظاہر ہے اور بعد سننے واستماع مژدہء جاں بخش کے خاص اس صورت میں جس میں مطلوب دلی طلب رضائے محبوب ہو انقیاد اور امتثال واطاعت لازم ہے۔ اول پر تو رکوع دال ہے چنانچہ ادھر کو جھکنا۔

۲۔ جب احکم الحاکمین کا پروانہ قرآن کریم پڑھا گیا، تو اس کی امتثال امر کے لئے جھکنا اور سجدہ کرنا، جو اطاعت وفرانبرداری پر دلالت کرتے ہیں، لازم ہوا۔ کیونکہ جب حکام کی طرف سے رعیت کو حکم نامہ آتا ہے اور ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے، تو اس حکمنامہ کی اطلاع یابی واطاعت کا ایک نمونہ ضرور ہوا کرتا ہے۔ سو رکوع وسجود اس حکم الٰہی کی اطاعت پر دال ہیں، جو ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔

۳۔ خدا کی عظمت کے لحاظ کے بعد جو اپنے نفس کی تحقیر کی کیفیت اپنے دل پر طاری ہونی چاہیئے۔ عالم اجسام میں اس کے قائم مقام اور اس کے مقابلہ میں اگر ہے تو جھک جانا ہے۔ جس کو اصطلاع اہل اسلام میں رکوع کہتے ہیں۔ اور اس کی علوّ مراتب کے اعتقاد کے بعد، جو اپنی پستی کے خیال کی کیفیت دل میں پیدا ہوتی ہے، اس کے مقابلہ میں اور اس کے قائم مقام اس بدن کے احوال و

افعال میں اگر ہے تو یہ ہے کہ اپنا سر اور منہ جو محل عزت سمجھے جاتے ہیں زمین پر رکھے اور ناک اس کی خاک آستانہ پر رگڑے۔اس کو اہل اسلام سجدہ کہتے ہیں۔

۴۔نماز میں انسان کو خدا تعالیٰ کے روبرو کھڑا ہونا پڑتا ہے اور قیام بھی آداب خدمتگاران میں سے ہے۔رکوع، جو دوسرا حصہ ہے، بتلاتا ہے کہ گویا تیاری ہے کہ وہ تعمیل حکم الٰہی کو کس قدر گردن جھکاتا ہے۔اور سجدہ کمال آداب اور کمال تذلل اور نیستی کو، جو عبادت کا مقصود ہے، ظاہر کرتا ہے۔یہ آداب اور طریق ہیں، جو خدا نے بطور یادداشت کے مقرر کئے ہیں اور جسم کو باطنی طریق سے حصہ دینے کی خاطر ان کو مقرر کیا ہے۔

حقیقت قیام نماز

چونکہ کھڑا ہونا بھی کئی قسم کا ہوتا ہے اور سب لوگ ایک طرح سے کھڑے نہیں ہوتے۔کوئی نیچے کو سر ڈال کر کھڑا ہوتا ہے، کوئی جھک کر کھڑا ہوتا ہے۔اور عرف میں یہ سب کھڑا ہونے میں داخل ہے۔اس واسطے شارع کو جو انحنا یعنی جھکنا مقصود ہے، اس کو قیام سے متمیز کرنے کی حاجت ہے۔لہٰذا رکوع کے ساتھ اس کو متمیز کر دیا، جو اس قدر جھکنے کا نام ہے کہ انگلیوں کی پوریں گھٹنوں تک پہنچ جائیں۔

۲۔انسان کی وہ نمازیں جو شبہات اور وساوس میں مبتلا ہیں کھڑی نہیں ہوتی ہیں۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے یقرؤن نہیں یقیمون فرمایا۔یعنی جیسا کہ نماز کے ادا کرنے کا حق ہے ویسا ادا کرتے ہیں۔اور جو ویسا نہیں کرتے ان کی نماز گری ہوئی ہوتی ہے۔

ہر ایک چیز کی ایک علتِ غائی ہوتی ہے۔اگر اس سے رہ جائے، تو وہ بیفائدہ ہو جاتی ہے۔مثلاً ایک بیل، جو قلبہ رانی کے واسطے خریدا گیا ہے، اپنے منصب پر اس وقت قائم سمجھا جائے گا کہ وہ کر کے دکھا دے، نہ صرف یہ کہ اس کی غرض و غایت کھانے پینے ہی تک محدود رہے۔وہ اپنی علتِ غائی سے دور ہے اور اس قابل ہے کہ اس کو ذبح کیا جائے۔اسی طرح یقیمون الصلوٰۃ سے لوازم الصلوٰۃ معراج ہے۔اور یہ وہ حالت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق شروع ہوتا جاتا ہے۔مکاشفات اور رؤیا صالحہ آتے ہیں۔لوگوں سے انقطاع ہوتا جاتا ہے اور خدا کی طرف ایک تعلق پیدا ہونے لگتا ہے، یہاں تک کہ تبتّل تام ہو کر خدا میں جا ملتا ہے۔

صلی جلنے کو کہتے ہیں جیسے کباب کو بھونا جاتا ہے۔اسی طرح نماز میں سوزش لازمی ہے۔جب تک دل بریاں نہ ہو نماز میں لذت اور سرور پیدا نہیں ہوتا۔اور اصل تو یہ ہے کہ نماز ہی اپنے سچے معنوں میں اس وقت ہوتی ہے۔نماز میں یہ شرط ہے کہ وہ بجمیع شرائط ادا ہو۔جب تک وہ ادا نہ ہو، وہ نماز نہیں

ہے اور نہ وہ کیفیت، جو صلوٰۃ میں مودع ہے، حاصل ہوتی ہے۔

یادرکھو کہ صلوٰۃ میں حال اور قال دونوں کا جمع ہونا ضروری ہے۔ بعض اوقات اعلام تصویری ہوتا ہے۔ ایسی تصویر دکھائی جاتی ہے، جس سے دیکھنے والے کو پتہ ملتا ہے کہ اس کا منشا یہ ہے۔ ایسا ہی صلوٰۃ میں منشاء الٰہی کی تصویر ہے۔ نماز میں جیسے زبان سے کچھ پڑھا جاتا ہے، ویسے ہی اعضاء اور جوارح کی حرکات سے کچھ دکھایا بھی جاتا ہے۔ جب انسان کھڑا ہوتا ہے اور تحمید و تسبیح کرتا ہے، اس کا نام قیام رکھا ہے۔ اب ہر ایک شخص جانتا ہے کہ حمد و ثنا کے مناسب حال قیام ہی ہے۔ بادشاہوں کے سامنے جب قصائد سنائے جاتے ہیں، تو آخر کھڑے ہو کر ہی پیش کرتے ہیں۔ ادھر تو ظاہری طور پر قیام رکھا ہے اور زبان سے حمد و ثناء رکھی ہے۔ مطلب اس کا یہی ہے کہ روحانی طور پر بھی اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑا ہو۔ حمد ایک بات پر قائم ہو کر کی جاتی ہے، جو شخص مصدق ہو کر کسی کی تعریف کرتا ہے، تو وہ ایک رائے پر قائم ہو جاتا ہے۔ اس الحمدللہ کہنے والے کے واسطے یہ ضروری ہوا کہ وہ سچے طور پر الحمدللہ اس وقت کہہ سکتا ہے کہ پورے طور پر اس کو یقین ہو جائے کہ جمیع اقسام محامد کے اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں۔ جب یہ بات دل میں انشراح کے ساتھ پیدا ہو گئی، تو یہ روحانی قیام ہے۔ کیونکہ دل اس پر قائم ہو جاتا ہے اور وہ سمجھا جاتا ہے کہ کھڑا ہے۔ حال کے موافق کھڑا ہو گیا، تاکہ روحانی قیام نصیب ہو۔

پھر رکوع میں **سبحان ربی العظیم** کہتا ہے۔ قاعدہ کی بات ہے کہ جب کسی کی عظمت مان لیتے ہیں، تو اس کے حضور جھکتے ہیں۔ عظمت کا تقاضا ہے کہ اس کے لئے رکوع کرے۔ پس **سبحان ربی العظیم** زبان سے کہا اور حال سے جھکنا دکھایا۔ یہ اس قول کے ساتھ حال دکھایا۔

پھر تیسرا قول ہے **سبحان ربی الاعلیٰ**۔ اعلیٰ افعل التفضیل ہے۔ یہ بالزات سجدہ کو چاہتا ہے۔ اس لئے اس قول کے ساتھ حالی تصویر سجدہ میں کرے گا اور اس اقرار کے مناسب حال ہیئت فی الفور اختیار کر لی۔ اس قال کے ساتھ تین حال جسمانی ہیں۔ ایک تصویر اس کے آگے پیش کی ہے۔ ہر ایک قسم کا قیام بھی کرتا ہے۔ زبان، جو جسم کا ٹکڑا ہے، اس نے بھی کہا اور وہ شامل ہو گئی۔

تیسری چیز اور ہے۔ وہ اگر شامل نہ ہو، تو نماز نہیں ہوتی۔ وہ کیا ہے۔ وہ قلب ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ قلب کا قیام ہو اور اللہ تعالیٰ اس پر نظر کر کے دیکھے کہ درحقیقت وہ حمد بھی کرتا ہے اور کھڑا بھی ہے۔ اور روح بھی کھڑی ہوئی حمد کرتی ہے۔ جسم ہی نہیں بلکہ روح بھی کھڑی ہے اور جب **سبحان ربی العظیم** کہتا ہے تو دیکھے کہ اتنا ہی نہیں کہ عظمت کا اقرار ہی کیا ہے۔ نہیں بلکہ ساتھ ہی جھکا بھی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی روح بھی جھک گئی ہے۔ پھر تیسری نظر میں خدا کے حضور سجدہ میں گرا

ہے۔اس کی علّو شان کو ملاحظہ میں لاکر اس کے ساتھ ہی دیکھے کہ روح بھی الوہیت کے آستانہ پر گری ہوئی ہے۔غرض جب تک یہ حالت پیدا نہ ہولے،اس وقت تک مطمئن نہ ہو۔کیونکہ **یقیمون الصلوٰۃ** کے یہی معنے ہیں۔اگر یہ سوال ہو کہ یہ حالت پیدا کیونکر ہو،تو اس کا جواب اتنا ہی ہے کہ نماز پر مداومت کی جائے اور وساوس اور شبہات سے پریشان نہ ہو۔ابتدائی حالت میں شکوک وشبہات سے ایک جنگ ضرور ہوتی ہے۔اس کا علاج یہی ہے کہ نہ تھکنے والے استقلال اور صبر کے ساتھ لگا رہے اور خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگتا رہے۔آخر وہ حالت پیدا ہوجاتی ہے،جس کا ابھی اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

سورہ فاتحہ کی ساتوں آیات کو نماز کے سات ارکان کے ساتھ طبعی مناسبت ہونیکی حکمت

نماز کے سات ارکان ہیں۔قیام۔رکوع۔قومہ۔سجدہ اول۔جلسہ درمیان دو سجدہ۔سجدہ دوم۔قعدہ۔یہ ساتوں فعل مثل سات اعضائے جسم انسانی کے ہیں۔اور سورہ فاتحہ ان کے لئے مثل روح کے ہے۔جیسا کہ روح بدن کے ساتھ متصل ہونے سے جسم کو حیات اور زندگی حاصل ہوتی ہے،ایسا ہی نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے سے تکمیل نماز ہوتی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم قیام کے مقابلہ میں ہے۔کیونکہ ہر چیز کا قیام اسم الہٰی کے ظہور کے ساتھ ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہر کام کے ابتدا میں **بسم اللہ الرحمن الرحیم** کا پڑھنا مقرر ہے۔اور قیام نماز کا ابتدائی رکن ہے جو **بسم اللہ الرحمن الرحیم** کے ساتھ شروع ہوا۔

الحمد للہ رب العالمین رکوع کے مقابل پر ہے۔کیونکہ حمد کرنے میں خالق اور خلق دونوں کی طرف نظر اور ملاحظہ ءِ منعم اور نعمت کا ہوتا ہے۔کیونکہ حمد اس کو کہتے ہیں کہ بسبب انعام کے منعم کی حمد کی جائے اور بندہ ایسی حالت میں نعمت اور منعم کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔پس حمد ایک حالتِ متوسط درمیان غفلت اور استغراق کے ہے۔جیسا کہ رکوع حالتِ متوصط درمیان قیام اور سجود کے ہے۔

اور اس میں ایک یہ راز بھی ہے کہ جسوقت خدا تعالیٰ کی حمد میں بے شمار اوصاف ملاحظہ کئے اور اپنے اوپر اسکے بے حساب انعامات واحسانات دیکھے،تو انکے بوجھ سے عالم معانی ومثال میں پشت کے جھک جانے کی شکل بنی۔لہٰذا عالم شہادت میں بھی ان انعامات واحسانات الٰہیہ کے بار سے پشت دوتا کی صورت ظاہر کرنی مناسب ہے،جس سے صورت رکوع نمودار ہوئی۔اور **الرحیم** کو قومہ کے ساتھ مناسبت ہے،کیونکہ جو بندہ اپنی بڑائی اور بلندی کو خدا تعالیٰ کے آگے عاجزی اور پستی سے بدل دے،تو

خدا تعالیٰ اسکو بلندی وعظمت عطا کرتا ہے۔ چنانچہ **من تواضع للہ رفعه اللہ** اسکا مصداق ہے۔ یعنی جو تواضع کرے، خدا اسکو بلندی عطا کرتا ہے۔ اور **مالک یوم الدین** کو پہلے سجدہ سے مناسبت ہے۔ کیونکہ یہ کلمہ خدا تعالیٰ کی قہری تجلّی پر دال ہے، جس سے خوف شدید اور کمال خواری و عاجزی پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ خاک کی طرف گرنا اور منہ کو خاک پر ملنا اسکے آثار سے ہے اور **یوم الدین** کا ابتداء مرنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ جبکہ انسان کا رجوع اپنے اصل خاک کی طرف ہوتا ہے۔ **ایاک نعبد** میں پہلے سجدہ سے فارغ ہونے کا بیان ہے کہ جس میں کمال ذلت وخواری ملحوظ ہے۔ اور **ایاک نستعین** کو دوسجدوں کے درمیانی سجدوں کے درمیانی قعدہ کے ساتھ مناسبت ہے۔ اور اس میں دوسرے سجدہ کے واسطے طلب امداد وتوفیق الٰہی کا ذکر ہے۔ اور لفظ **اھدنا الصراط المستقیم** میں مطلوب ومراد کا سوال ہے، جسکو دوسرے سجدہ کے ساتھ مناسبت ہے اور جو محل اجابت ہے۔ اور **صراط الذین انعمت علیھم و لاالضالین** میں مطلوب ومراد یعنی انعام الٰہی حاصل ہونیکی گویا فال ہے اور اسکو قعدہ آخری کے ساتھ مناسبت ہے۔ کیونکہ بادشاہوں وسلاطین کی عادت ہے کہ جب انکے غلام وخدمتگار کمال تواضع اور آداب سے فارغ ہوتے ہیں، تو انکو اپنے روبرو بیٹھنے کا حکم کرتے ہیں۔ اپنے خاوند ومالک کے روبرو بیٹھنا کمال اکرام وانعام کا مرتبہ ہے، کیونکہ اس میں انعام واکرام سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مرتبہ حاصل ہونیکے بعد تحیّات الٰہی کا ذکر آتا ہے۔ اور ہادیان طریق پر سلام بھیجا جاتا ہے۔

نماز میں دوسجدے مقرر ہونے کی حکمت

۱۔ وجود کی ابتداء وحدت سے کثرت اور فردیت سے زوجیت کی طرف ہوتی ہے۔ پس وجود کی ابتداوَانتہا کے لئے یہی مناسب ہے کہ اس کے لئے دوسجدے مقرر ہوں۔

۲۔ ہر شئے کے واسطے دو گواہ ہوتے ہیں۔ یہ دوسجدے قیامت میں انسان کی بندگی اور عبودیت پر دو گواہان عادل ہیں۔

۳۔ سیدھا کھڑا ہونا انسان کی صفت ہے اور پشت خم کر کے کھڑا ہونا چار پایوں کی صفت ہے۔ اور پیشانی کے بل کھڑا ہونا حشرات وہوام کی صفت ہے۔ پس رکوع سے ایک مرتبہ کی شکستگی اور سجدہ سے دومرتبہ کی فروتنی وعاجزی حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا سجدہ مکرر کیا گیا، تا کہ نفس انسانی کو خوب عاجزی وشکستگی و کسر حاصل ہو اور اس کا کبر ٹوٹ جائے اور اپنی پستی اور خدا کی بلندی دکھائی دے۔

دانہء پرمغز را خاک وژم　　خلوتے و صحبتے کرد ازکرم
خویشتن در خاک کلی محو کرد　　تا نماندش رنگ و بوئے سرخ و زرد
از پس آں صحو قبض او نماند　　برکشاد و بسط شد مرکب براند
پیش اصلِ خویش چوں بیخولش شد　　رفت صورت جلوہء مغیش شد

۴۔ پہلاسجدہ مناسب ازل اور دوسرا مناسب ابد ہےاور دوسجدوں کے درمیان جلسہ مناسب صورت دینا ہے۔ پس خدا کی ازلیت میں اس بات کو جاننا چاہیئے کہ وہ اول ہےاس سے کوئی اول نہیں۔اس صورت کوخیال کر کے سجدہ کرنا چاہیئے اور خدا کی ابدیت میں اس بات کو جاننا چاہیئے کہ وہ آخر ہےاوراس کے واسطے دوسرا کوئی آخرنہیں۔اس صفت کالحاظ کر کے دوسراسجدہ کیا گیا۔

۵۔سجدہ اول فنائے دنیاوسجدہ دوم بقائے آخرت کی طرف اشارہ ہے۔

۶۔سجدہ اول نفس کواس بات پر تنبیّہ کرنے کے لئے ہے کہ میں اس خاک سے پیدا ہوا ہوں۔ اور دوسراسجدہ اس بات پر دال ہے کہ میں اسی خاک میں لوٹ جاؤں گا۔بحالت سجدہ ایسے خیالات دل میں لانے سے انسان مظہرِانوارالٰہی بن جاتا ہے۔

خاک شوتا گل بر دید رنگ رنگ　　در بہاراں کے شود سر سبز سنگ

۷۔سجدہ اول اس بات پر دال ہے کہ ہمارا خالق و مالک تو ہی ہے۔اورسجدہ دوم اس جانب ایما ہے کہ میں تیراابدا لآ باد فرمانبردار رہوں گا۔

سر چنیں کردند ہاں فرماں تراست　　تف براں سر کہ چنیں کردن نخواست

سمع اللہ کہنے کی حکمت

جھکنااس عالم شہادت میں تعبیر میلان ہےاوررکوع کے بعد **سمع الله لمن حمده** کہنااس پر شاہد ہے کہ سمع اللہ کہنا سوائے اس امر کے موزوں نہیں ہوسکتا کہ رکوع کوسوال حالی کہا جائے اورانتظار توجہءمحبوب،جس کواستماع سے تعبیر کیا جاتا ہے،اس کی مقتضیات میں سے قرار دیجئے۔

ہر رکعت میں رکوع ایک وسجود دو ہونے کی وجہ

ا۔ چونکہ میلان یعنی جھکنا فی حدّ ذاتہٖ ایک امر واحد ہےاورامتثال کی متعدد صورتیں ہیں،تو جیسا کہ حکم ہو، ویسا ہی اس کا امتثال ہوگا۔اس لئے رکوع میں وحدت اور سجود میں تعدد مطلوب ہوا۔ یا یوں کہئے اصل انقیادشوق ہے یا خوف ہےاور باعثِ شوق اگراسم نافع ہے،تو موجب خوف اسم ضارّ ہے۔ اس لئے دوسجدے مقرر ہوئے،تا اثنیّتِ انواعِ امتثال پر دلالت کرے۔ بہر حال سوالِ قالی کے ساتھ

سوالِ حالی بھی جمع کیا گیا تا کہ وہم نفاق پاس نہ آنے پائے۔ مگر چونکہ سوالِ حالی گو باعتبار تحقیق سوالِ قالی سے مقدم ہو لیکن ظہور میں اس سے متاخر بلکہ اس کا محتاج تھا۔ اس لئے وہ افعال جو بالطبع مظہر احوال مشار الیہ ہوں وضع میں سوالِ قالی سے مؤخر رہے۔

تمام عبادات سے افضلیت نماز کی وجہ

۱۔ اس صورت میں نماز کے تمام ارکان کا استدائے استماع کے لئے موضوع ہونا زیادہ تر روشن ہو گیا۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ افضلیت طول قنوت غلط نہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ جیسے ایمان بایں وجہ کہ وہ نیت ایک عام اور عزم انقیاد مطلق ہے تمام اعمال سے افضل ہے۔ حالانکہ ہر عمل میں نیت خاص کا ہونا ضرور ہے۔ ایسا ہی صلوٰۃ بایں وجہ کہ اس میں استدعائے ہدایت مطلقہ اور اظہار امتثال ہوتا ہے۔ جملہ عبادات سے افضل ہے۔

۲۔ جسمانی تعظیم کے اندر اصل تین باتیں ہیں۔ ایک تو سامنے کھڑا ہونا اور ایک سجدہ۔ اور عمدہ تعظیم وہ ہے، جو سب کی جامع ہو۔ اور خضوع کے لئے نفس کی تنبیہ مناسب طور پر اس طرح ہو سکتی ہے کہ تعظیم کی ادنیٰ حالت سے اعلیٰ حالت کی طرف بتدریج انتقال کیا جائے۔ اور اعلیٰ درجہ کی تعظیم سجدہ کرنا ہے، بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقصود بالذات سجدہ ہی ہے اور باقی قیام اور رکوع اس کیلئے واسطے و ذرائع ہیں۔ اس واسطے ضروری ہوا کہ اسکو کما حقہٗ ادا کیا جائے اور اسکی صورت یہی ہے کہ دو مرتبہ اسکو ادا کریں۔

رفع یدین جائز و ناجائز ہونے کی وجہ

نماز میں بعض محدثین رفع یدَین کرتے ہیں۔ انکے نزدیک اسمیں یہ راز ہے کہ رفع یدین ایک تعظیمی فعل ہے، جس سے نفس کو ان اشغال کے چھوڑنے پر، جو نماز کے منافی ہیں، اور مناجات میں داخل ہونے پر آگاہی ہو جاتی ہے۔ اس واسطے تعظیمات ثلاثہ میں سے ہر فعل کی ابتداء رفع یدین سے مقرر کی گئی، تا کہ از سرنو ہر دفعہ نفس کو اس فعل کے ثمرہ یعنی تعظیم پر تنبیہہ ہوتی رہے۔ نماز کے اندر جتنے امور ہیں، ان سب کے شروع میں بار بار نفس کو ماسوا کے ترک پر آگاہ کرنا مقصود ہے۔ رفع یدین ان امور میں سے ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی اس کو کیا اور کبھی ترک کیا ہے۔

الغرض یہ دونوں امر سنّت ہیں اور ہر ایک کو صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے اور بعض نے نہیں کیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، جبکہ رفع یدین کا کرنا اور ترک دونوں ثابت ہیں، تو

ایسی صورتوں میں مناسب نہیں ہے کہ تمام شہر کا فتنہ اور شور اپنے اوپر لیوے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا **لو لاحد ثان قومک بالکفر لنقضت الکعبہ۔** یعنی اگر تیری قوم نومسلم نہ ہوتی، تو میں کعبہ کو منہدم کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد کے موافق بناتا۔ اور کچھ بعید نہیں ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے خیال کیا ہو کہ اخیر سنت متقررہ پر رفع یدین کا ترک کرنا ہے۔ اس خیال سے کہ نماز کا مدار اعضاء کے سکون پر ہے۔

سورۃ فاتحہ نماز کی ہر رکعت میں پڑھنے کی حکمت

انسان کا خاصہ ہے کہ اس کے دل پر کسی واعظ کی نصیحت کا اثر ایک ہی بار کچھ نہیں پڑتا۔ انسان کے دل کا زنگ، جو اسے محسوسات میں لگائے رکھنے سے پیدا ہو جاتا ہے، ایک دفعہ کے تذکار سے دور نہیں ہوتا۔ قانون قدرت میں محسوسات میں زنگ زدہ اشیاء ایک دفعہ کے مصقلہ پھیرنے سے روشن اور چمکدار نہیں ہوتیں۔ سورۃ فاتحہ بھی بڑی بڑی روحانی بیماریوں کے زنگ کا مصقلہ تھی۔ اسی واسطے ایک نماز میں کئی بار پڑھی جاتی ہے۔

امام کے لئے تقرری محراب کی حکمت و وجہ تسمیہ محراب

۱۔ لفظ امام مقتضی اس امر کا ہے کہ اس عہدہ جلیلہ والے کا مقام سب سے آگے ممتاز و مشخص و مقدم ہونا چاہیئے۔ کیونکہ وہ اعظم ترین شائر اللہ نماز میں قوم کا پیشوا ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے کھڑے ہونے کی جگہ کو محراب کہتے ہیں۔ کیونکہ لغت میں محراب کے معنے صدر مجلس کے لکھے ہیں۔ چنانچہ "صراح" میں لکھا ہے کہ محاریب بمعنی پیشگاہ ہائے مجلس ومنہ محراب المسجد۔

۲۔ انسان چاہتا ہے کہ اپنی خواہشات نفسانی و شیطانی سے باز رہ کر اپنے جیسے ابنائے جنس میں سے ایک ہی شخص امام کے ہر اشارے پر خدا کے آگے جھکنا اور سجدے کرنا اور ہر فعل میں اس کا مطیع و فرمانبردار و تابعدار رہنا ان میں وحدت قائم کرنے کے لئے نفس و شیطان کے ساتھ ایک عظیم جنگ ہے۔ پس جو انسان اس امر کا سبق آموز ہو اس کے کھڑا ہونے کی جگہ کو محراب کہتے ہیں۔ کیونکہ لغت میں محراب کے معنے جائے حرب یعنی جنگ کے بھی ہیں۔

۳۔ ہر مومن کی خلوت گاہ شیطان سے لڑائی کرنیکا ذریعہ ہے۔ اسلئے اسے محراب کہتے ہیں۔

امام حیّ کی موجودگی میں بغیر اس کی اجازت کے کسی دوسرے شخص

اور نابینا کی امامت مکروہ ومقبوح ہونے کی وجہ

ا۔لفظ امام خود اس بات کی طرف راہنما ہے کہ یہ عظیم الشان منصب کسی ایسے شخص کو سزا وار ہے، جو اپنے مقام کے لوگوں میں از روئے حیثیت علمی ممتاز ،لباس ،تقویٰ و دیانت سے مزین ہو اور وہاں کے اکثر اہل تقویٰ اس کے اس منصب پر متفق الرّاے ہوں۔

تقرری ءامامت وحدت قائم کرنے کے لئے ہوتی ہے۔اور وحدت جب ہی قائم رہتی ہے کہ کسی قوم کا امام مستقل ہو۔ ورنہ معاملہ دگر گوں ہو گا۔یعنی قوم میں پھوٹ اور اختلاف پیدا ہو جائیگا۔ کیونکہ فیوض الٰہی کا نزول ایسی جماعتوں پر ہوتا ہے،جن میں جماعت کی وحدت ظاہری بھی قائم ہو۔ **و للہ علی الجماعۃ یدٌ۔**

تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ جیسا خدا تعالیٰ نے اپنے قانون قدرت شمسی کے تحت میں تمام اجرام علوی وسفلی کو دیکھ کر اس عالم کی زندگی وقیام کا باعث اتحاد ویگانگت کے نمونہ میں ظاہر فرمایا ہے، وہی رنگ عالم تشریع میں دکھایا ہے۔ یعنی جس طرح ہر بڑے ستارہ کے تحت بہت سے چھوٹے چھوٹے ستاروں کی حرکت ہوتی ہے، حتی کہ سب کا سلسلہ آفتاب تک اور آفتاب کا سلسلہ محرک ازلی وابدی خداوند کریم پر منتہی ہو جاتا ہے، وہی نمونہ عالم تشریع کے لئے مقرر ہوا حتی کہ امامتِ صغریٰ کا خاتمہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت کبریٰ تک جا پہنچتا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود خالق الکل خداوند کریم کی ہستی پر دلیل بیّن ہے۔

از پسِ ہر پردہ قومے را امام　　صف صف اندر پردہ شاہاں تا امام

جس طرح نظام شمسی کا کوئی ستارہ اپنے مافوق یا ماتحت کی جگہ پر نظام شمسی سے اِدھر اُدھر کھسک جائے، تو اس کے نظام ماتحت میں گڑ بڑ واقع ہونے کا خطرناک اندیشہ ہوتا ہے۔ وہی خطرہ عالم تشریع میں موجود ہے۔ کیونکہ منصب امامت وحدت قائم رکھنے اور برکات وفیوض الٰہی نازل ہونے کیلئے مقرر ہوتا ہے۔پس جب اسمیں خلل آجاوے، تو تمام افراد مومنین میں خلل وفساد دائر وسائر ہو جاتا ہے۔لہٰذا شریعت میں یہ انتظام ہوا کہ جب تک امام حیّ علم ولباسِ تقویٰ سے مزیّن زندہ موجود ہو، اس کی جگہ کوئی دوسرا شخص بغیر اسکی اجازت کے کھڑا نہ ہو، ورنہ عدم نزول برکات و پھوٹ کا اندیشہ ہے۔

۲۔حیّ کے معنے قبیلہ وقوم کے ہیں۔ پس امام حیّ کے معنے ہوئے کسی قوم یا قبیلہ کا امام معیّن و مقرر۔سو امام معیّن وہی ہوتا ہے، جس کی امامت پر کسی قوم کے اکثر افراد مومنین اہل تقویٰ واصحاب دیانت متفق الرائے ہوں۔ پس جو شخص کسی قوم کا امام بننا چاہے حالانکہ وہ اس کی امامت کو ناپسند کرتے

ہوں، اسکی امامت مکروہ بلکہ ناجائز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے اس بارے میں لکھا ہے کہ **یکرہ امامة القوم و ھم له کارھون**۔ یعنی کسی شخص کو ایسے لوگوں کی امامت کرنی مکروہ ہے، جو اسکو ناپسند کرتے ہوں۔ کراہت کے یہ معنیٰ ہیں کہ یہ بات خداتعالیٰ کے نزدیک ناپسند ہے۔ کیونکہ اگر امام اہل تقویٰ ہو، مگر مقتدی باوجود امام متقی کے اس سے نفرت رکھتے ہوں، تو ایسے لوگ خداتعالیٰ کے نزدیک فاسق ہیں۔ لہٰذا متقی کو حتی الامکان فاسقوں کی امامت سے مجتنب رہنا چاہیئے۔ کیونکہ خداتعالیٰ نے قرآن کریم میں مومنوں کو یہ دعا سکھائی ہے کہ **وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا**۔ یعنی اے خدا ہم کو پرہیزگاروں کا امام بنا۔

اس ظاہری امامت کی حفاظت کا اسقدر تقیّد وتاکید اسبات کا مؤید ہے کہ ہر زمانہ میں سب ائمہ کا افسر ایک باطنی امام اور روحانی معلم و امام حیّ موجود رہتا ہے، جو عالم روحانی میں علوم الٰہی کی وحدت قائم رکھنے کے لئے برپا ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر روح میں بگاڑ پیدا ہو، تو اس کا اثر جسم میں بھی سرایت کرجاتا ہے۔

پس بہر دورے ولیّے قائم است　　تا قیامت آزمائش دائم است
ہر کرا خوئے نکو باشد بر است　　ہر کسے کو شیشہ دل باشد بشست
پس امام حیّ قائم آں ولی است　　خواہ از نسل عمر خواہ ازعلی است
مہدی و ہادی ولیست اے راہ جو　　ہم نہان و ہم نشستہ پیش رو

۳۔ حیّ کے معنے زندہ کے ہیں۔ پس جس کے اعمال صالحہ ہوں، وہ زندہ اور بینا ہے اور وہی امام حیّ ہے۔ اور جس کے اعمال غیر صالحہ ہوں، وہ اگرچہ بظاہر زندہ اور بینا ہو، وہ مردہ اور کور ہے۔ پس ایسے مردہ دل و کور کی امامت مکروہ ہونے میں کسی اہل علم کو انکار نہیں، جس کی وجہ نظم ذیل سے واضح ہوگی۔

در شریعت ہست مکروہ اے کیا　　در امامت پیش کردن کور را
گرچہ حافظ باشد وچست و فقیہ　　چشم روشن بہ اگر باشد سفید
کور را پرہیز نبود از قذر　　چشم باشد اصل و پرہیز و حذر
او پلیدی را نہ بیند در عبور　　زانکہ اندر فعل و قولش نیست نور
کور ظاہر در نجاست ظاہر است　　کور باطن درنجاست باطن است

ادائے نماز کے بعد امام کا مصلّی سے دائیں طرف سے پھر کر بیٹھنے کی وجہ

ا۔ یہ فطرتی امر ہے کہ ہر چیز کی گردش دائیں طرف سے ہوتی ہے۔ چنانچہ اس جہان کی تمام گردش کنندہ اشیاء کو ملاحظہ کروگے، تو انکی گردش دائیں طرف سے واضح ہوگی۔ دیکھو گردش آسیا وگردش ملزہائے ایجاد فرنگ۔ وگردش چکرہائے مشین ہائے انواع واقسام وغیرہ وغیرہ۔ اسلئے امام کے مناسب

حال یہی ہے کہ اگر اس نے قوم کو وعظ ونصیحت کرنی ہو، تو دائیں طرف سے لوٹ کر انکی طرف متوجہ ہو۔

۲۔ اہل جنت کے بائیں جانب کے اعمال کا خفا اور دائیں جانب کے اعمال کا اظہار ہو گا۔ اسلئے دنیا میں بھی شریعت حقہ اسلامیہ نے دائیں جانب کو بائیں پر فضیلت دی ہے۔ اور تمام حسنات کے بجالانے میں دائیں جانب کو مقدم رکھا ہے۔

پنجگانہ جماعت و جمعہ وعیدین وحج کی عبادات میں اہل اسلام کے جمع ہونیکی حکمتیں

قرب و جوار کے لوگوں کا ہر روز پانچ مرتبہ ایک جگہ پر جمع ہونا اور پھر شانے سے شانہ جوڑ اور پاؤں سے پاؤں ملا کر ایک ہی سچے معبود کے حضور میں کھڑا ہونا قومی اتفاق کی کیسی بڑی تدبیر ہے۔ ساتویں دن جمعہ کو آس پاس کے چھوٹے قریوں اور بستیوں کے لوگ صاف منظف ہو کر ایک بڑی جامع مسجد میں اکٹھے ہوں۔ اور ایک عالم بلیغ تقریر (خطبہ) حمد ونعت کے بعد ضروریات قوم پر کرے۔

عیدین میں کسی قدر دور کے شہروں کے لوگ ایک فراخ میدان میں جمع ہوں اور اپنے ہادی کی شوکت مجسم کثیر جماعت بن کر دنیا کو آفتاب اسلام کی چمک دکھا دیں۔ اور بالآخر اس پاک سرزمین میں اس فاران میں جہاں سے اولاً نور توحید چمکا کل عالم کے خدا دوست حاضر ہوں۔ ساری بچھڑی ہوئی متفرق امتیں اسی دنگل میں اکٹھی ہوں۔ وہاں نہ اس مٹی اور پتھر کے گھر کی بلکہ اس رب الارباب معبود الکل کی، جس نے اس ارض مقدسہ سے توحید کا عظیم الشان واعظ بے نظیر ہادی نکالا، حمد وستائش کریں۔

اسی طرح ہر سال اس یادگار (بیت اللہ) کو دیکھ کر ایک نیا جوش اور تازہ ایمان دل میں پیدا کریں۔ جو بحسب تقاضائے فطرت ایسی یادگاروں اور نشانوں سے پیدا ہونا ممکن ہے۔ سخت جہالت ہے اگر کوئی اہل اسلام کی سی موحّد قوم کو مخلوق پرستی کا الزام لگا دے۔ ایسے شخص کو انسانی طبیعت کے عام میلان اور جذبات کو مدنظر رکھ کر ایک واجب القدر امر پر غور کرنا چاہیئے کہ اگر قرآن کے پورے اور خالص معتقدین کے طبائع میں بت پرستی ہوتی، تو ان کو اپنے ہادی منجی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مقدسہ سے بڑھ کر کونسا مرجع تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مکہ معظّمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرقد نہیں ہونے دیا، تاکہ توحید الٰہی کا سرچشمہ ہر قسم کے شائبوں اور ممکن خیالات کے گرد وغبار سے پاک و صاف رہے۔ اور مخلوق کی فوق العادہ تعظیم کا احتمال بھی اٹھ جائے۔

نماز میں سات اعضاء پر سجدہ کرنے کی وجہ

۱۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ **اذا سجد العبد سجد معه سبعة اراب الوجه و كفاه و ركبتاه و قدماه** ۔ترجمہ۔یعنی جب بندہ سجدہ کرتا ہے،تو اس کے ساتھ سات اندام سجدہ کرتے ہیں ۔منہ اور اس کی دونوں ہتھیلیاں اور اس کے گھٹنے اور اس کے دونوں قدم سجدہ کرتے ہیں۔ چونکہ انسان کے سارے جسم کی ساخت و بناوٹ انہیں اندام سبع سے تیار ہوتی ہے، لہٰذا ان کے سجدہ کرنے سے سارے جسم کا سجدہ ادا ہو جاتا ہے اور اسی غرض سے سات انداموں کا نام بہ تخصیص فرمایا۔

۲۔ دوزخ کے سات طبقات ہیں۔ اور ان سات انداموں کے سجدہ کرنے سے ساتوں انداموں یعنی سارے جسم کو دوزخ کے سات طبقات سے آزادی مل جاتی ہے۔

نماز میں قومہ مقرر ہونے کی وجہ

چونکہ جب آدمی سجدہ کرنا چاہتا ہے،تو سجدہ تک پہنچنے کے لئے اسکو جھکنا ضرور ہوتا ہے۔اور وہ جھکنا رکوع نہیں ہوتا، بلکہ صرف سجدہ میں پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔اسلئے ضرورت ہوئی کہ رکوع اور سجدے میں ایک تیسرا فعل جو ان دونوں سے جدا ہے انکے درمیان لایا جائے ،تا کہ رکوع سجدے سے اور سجدہ رکوع سے علیحدہ ہو کر ایک مستقل عبادت ٹھہرے۔اور ہر ایک کیلئے نفس کا ارادہ جدا ہو،تا کہ نفس کو ہر ایک کے اثر معلوم کرنے میں تنبیہہ و آگاہی بھی جداگانہ پائی جائے۔اور وہ تیسرا فعل قومہ ہے۔

نماز میں تعیین جلسہ کا راز

دو سجدے آپس میں اس وقت متمیز ہو سکتے ہیں کہ جب ایک تیسرا فعل ان کے درمیان میں حائل ہو جائے۔اس لئے دو سجدوں کے درمیان میں جلسہ مقرر کیا گیا۔اور چونکہ قومہ اور جلسہ بدوں اطمینان کے ایک طرح کا کھیل ہے اور آدمی کے ہلکا پنے پر دلالت کرتا ہے، جو شان عبادت کے بالکل خلاف ہے۔اور ان دونوں کو بھی اطمینان کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔

حکمت تکرار تکبیر بوقت رکوع و سجود

۱۔ ہر مرتبہ جھکنے اور سر اٹھانے کے وقت تکبیر کہنے میں یہ راز ہے کہ نفس کو ہر مرتبہ خدا کی عظمت اور اس کی کبریائی پر آگاہی اور تنبیہہ ہوتی رہے اور اس کو اپنی ذلّت اور مسکنت پر توجہ بڑھتی رہے۔

۲۔ دوسرے اس امر میں یہ حکمت ہے کہ جماعت کے لوگ تکبیر کو سن کر امام کا ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونا معلوم کرتے رہیں۔

سجدہ ورکوع میں قرآنی دعا نہ ہونے کا راز

واضح ہو کہ قرآن کریم ملک العلام اور حیّ وقیوم خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ شاہی کلام اور فرمان ہمیشہ کھڑے ہوکر پڑھا جاتا ہے، خصوصاً دربار شاہی میں۔ رکوع وسجود عبودیت اور ذلت کا مقام ہے۔ اس موقعہ پر کلام الٰہی کا پڑھنا مناسبت نہیں رکھتا، بلکہ اس موقعہ پر عبودیت کے رنگ میں دعا کرنی لازم ہے۔ اس امر کی یہی وجہ ہے، کیونکہ رکوع وسجدہ فروتنی کا وقت ہے اور خدا تعالیٰ کا کلام عظمت چاہتا ہے۔ حدیث میں کہیں ثابت نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع یا سجود میں کوئی قرآنی دعا پڑھی ہو۔ **عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال الا انی نعیت ان اقرء القرآن راکعا او ساجدا فاما الرکوع فعظموا فیه الرب و اما السجود فاجتهدوا فیه من الدعاء فقمنٌ ان یستجاب لکم** ۔ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگاہ رہو کہ مجھے رکوع اور سجدہ میں قرآن پڑھنا منع کیا گیا ہے۔ رکوع میں خدا کی بزرگی بیان کرو اور سجدہ میں دعا کرنے کی کوشش کرو۔ پس یہ امر لائق ہے کہ تمہاری دعا اس سے قبول ہو۔ (مسلم)

نماز میں جمائی آنے سے منہ پر ہاتھ رکھنے کی وجہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **اذا تثاؤب احدکم فی الصلوٰۃ فلیکظم ما استطاع فان الشیطان یدخل فیه** ۔ترجمہ۔ یعنی نماز کے اندر جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے، تو جہاں تک ممکن ہو ضبط کرے، اسلئے کہ شیطان اس کے منہ میں گھس جاتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جمائی لینے سے اکثر مکھی وغیرہ منہ میں پڑ جاتی ہے۔ اس وجہ سے نمازی کا دل بٹ جاتا ہے اور جس امر کے درپے ہے یہ امر اس سے مانع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر جمائی آئے تو منہ پر ہاتھ رکھنا مناسب ہے۔

ظہر وعصر کی نمازوں میں خفیہ اور مغرب وعشاء وفجر میں جہری قرات پڑھنے کی وجہ

ظہر وعصر کی نمازوں میں خفیہ اور مغرب وعشاء وفجر کی نمازوں میں بلند قرات پڑھنے کا تقرر نہایت مناسب اور حکمت الٰہی پر مبنی ہے، کیونکہ مغرب وعشاء وفجر میں لوگوں کے اکثر شواغل واقوال و آوازوں وحرکات میں خاموشی وسکون و آرام ہوتا ہے اور ان وقتوں میں ان کو دلی افکار وہموم بھی کم ہوتے ہیں۔ لہٰذا ایسے اوقات کی قرات دلوں میں مؤثر ہوتی ہے، کیونکہ دل افکار وہموم سے خالی وصاف

اور شواغل و حرکات و اصوات کے نہ ہونے سے کان سننے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ رات کی بات کہی ہوئی کانوں سے گذر کر سیدھی دل پر جا لگتی ہے۔ اور پکی و مؤثر ہوتی ہے۔ چنانچہ اس امر کی طرف خدا تعالیٰ قرآن کریم میں اشارہ فرماتا ہے۔ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِیْلاً۔ ترجمہ۔ یعنی رات کے اٹھنے سے نفس خوب پامال ہوتا ہے اور کچلا جاتا ہے۔ اور بات کہی ہوئی دل پر مؤثر اور پکی ہوتی ہے اور بیٹھ جاتی ہے۔ یہ امر مسلم ہے اور تجربہ بھی اسی امر کا گواہ ہے کہ خوش الحان آدمیوں اور پرندوں اور باجوں وغیرہ کی آواز رات کو دن کی بہ نسبت دلوں کو زیادہ مؤثر اور خوش لگتی ہے۔ لہٰذا جُہری قرات ان اوقات میں پڑھنی مقرر ہوئی، جن میں مؤثر ہو۔

ظہر و عصر کی نمازوں میں قرآن کے آہستہ پڑھنے میں یہ حکمت ہے کہ دن میں بازاروں اور گھروں کے اندر شور و شغب رہتا ہے اور ان دو وقتوں کے سوا اور وقتوں میں آوازوں کو سکون ہو جاتا ہے اور شور و غل نہیں ہوتا۔ لہٰذا ایسے اوقات میں جب کہ آوازوں اور شغلوں میں دلوں کو توجہ نہ ہو، تو نصیحت و تذکّر بالجہر پڑھنے میں زیادہ تر ممکن ہے اور دن کے اوقات ظہر و عصر میں کثرت شواغل و حرکات و اصوات کے ہونے سے اور متفرق امور و افکار سے دلوں کو فراغت کم ہوتی ہے اور بات پر خوب توجہ نہیں جمتی۔ چنانچہ قرآن کریم میں اسی امر کی طرف خدا تعالیٰ نے ایماء فرمایا ہے۔ اِنَّ لَکَ فِی النَّهَارِ سَبْحاً طَوِیْلاً۔ ترجمہ۔ یعنی دن میں تجھ کو دور و دراز شغل رہتا ہے اور اس وقت پوری توجہ نہیں ہوتی۔ اور رات میں دل کو زبان سے اور زبان کو کان سے پوری موافقت ہوتی ہے۔ اس لئے فجر کی نماز میں سب نمازوں سے زیادہ لمبی قرات کا پڑھنا سنت ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ و السلام فجر کی نماز میں ساٹھ سے سو آیت تک پڑھتے تھے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فجر کی نماز میں سورۃ بقر اور حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سورۃ نحل اور سورۃ ہود اور سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ یونس وغیرہ لمبی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ کیونکہ نیند سے جاگنے کے وقت دل کو فراغت ہوتی ہے اور پہلے پہلے جو آواز کان سے گزر کر دل پر پڑے وہ خدا تعالیٰ کا کلام ہو، جس میں انسان کے لئے سراسر بھلائی و برکت و خیر و خوبی بھری پڑی ہے۔ اور اس وقت وہ کلام دل میں بلا مزاحمت مؤثر ہوتا اور دل میں خوب جم جاتا ہے۔ دن کی نمازوں یعنی ظہر و عصر کے وقت لوگوں کو شغل ہوتے ہیں، اس لئے ان اوقات میں قرات جَہری نہیں رکھی گئی، کیونکہ ان اوقات میں شور و غل اور امور و مہمات سے فراغت کم ہوتی ہے۔ اس لئے دن کی نمازوں میں قرات خفیہ پڑھی جاتی ہے۔ (ابن قیم)

۲۔ چونکہ قرآن کریم کا سننا واجب و لازم ہے اور بعض لوگ جو امور مجبوریہ و شاغلہ کی وجہ سے

پس وپیش نماز ادا کرتے ہیں۔اور سب لوگ بباعث ایسے امورات کی حفاظت ونگہبانی کے ایک ہی بار جماعت نماز میں شامل نہیں ہو سکتے، وہ بوجہ امور شاغلہ ومصروفیت کے کلام الٰہی کے سننے وسمجھنے میں توجہ نہ کرتے تو سخت گناہگار ٹھہرتے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ قرآن کریم کے نہ سننے والوں کی طرف سے حکایۃً قرآن کریم میں ذکر فرماتا ہے کہ وہ دوزخ میں داخل ہوں گے اور کہیں گے **لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِىْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ** ۔ترجمہ۔یعنی اگر ہم خدا تعالیٰ کا کلام سنتے اور اس کو سوچتے، تو اہل دوزخ میں شمار نہ ہوتے۔الغرض دن کی مصلحت عامہ اس امر کی متقاضی تھی کہ دن کی نمازوں میں قرآن کریم کا پڑھنا خفیہ مقرر ہو، سو ایسا ہی ہوا۔کیونکہ خدا تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت ومصلحت سے خالی نہیں ہے۔

جمعہ وعیدین وغیرہ میں جہری قرات کی وجہ

جب دن کے وقت کوئی ایسی نماز پیش آجائے، جو نماز کے علاوہ تبلیغ اسلام وتعلیم ووعظ وترہیب وتلقین کے لئے مقرر کی گئی ہو، تو وہاں قرات دن میں جہر وآواز سے پڑھنی مقرر ہوئی۔مثلاً جمعہ وعیدین اور استسقاء اور کسوف کی نمازوں میں قرات جہری پڑھی جاتی ہے۔ کیونکہ ان وقتوں میں قرات کا جہر پڑھنا لوگوں کے جمع ہونے کے مقصود کو مفید ہوتا ہے۔یعنی لوگوں کے لئے تعلیم وتبلیغ احکام واسلام ووعظ غرض ہوتی ہے، جو ان کے لئے نہایت مفید ونافع ہے۔لہٰذا ایسے موقعوں پر جہری قرات کا پڑھنا ٹھہرایا گیا، کیونکہ ان موقعوں پر عام لوگوں کے بڑے بڑے گروہوں کو خدا تعالیٰ کا کلام سنایا جاتا ہے اور ان کو تبلیغ احکام کی جاتی ہے، کیونکہ ان کو ایسے اجتماع کا موقعہ دیر کے بعد ملتا ہے۔اور یہ امر رسالت کے اعظم مقاصد میں سے ہے۔ چنانچہ اس امر کے متعلق علامہ حضرت ابن قیم یوں ہی فرماتے ہیں۔ **الا اذا عارض فی ذالک معارض ارجح منہ کالمجامع العظام فی العیدین و الجمعة و الاستسقاء وا لکسوف فان الجهر حینئذ احسن و ابلغ فی تحصیل المقصود و انفع للجمع و فیہ من قراة کلام الله علیهم و تبلیغه فی المجامع العظام ماهو من اعظم مقاصد الرسالة** ۔ترجمہ۔یعنی جب کہ کوئی ایسی دینی تقریب پیش آجائے، تو وہاں قرات جہر پڑھنی مناسب تر ہے۔مثلاً بڑے بڑے اجتماع جو جمعہ وعیدین ونماز استسقاء وکسوف میں ہوتے ہیں۔ کیونکہ ایسے وقتوں میں جہری قرات کا پڑھنا تبلیغ اسلام کا مقصد حاصل کرنے کے لئے احسن ومناسب تر ہے اور امر اجتماع کے لئے نافع ہے اور کلام الٰہی کا لوگوں کے اجتماع عظیم کو سنانا رسالت کے بڑے بڑے مقاصد میں سے ہے۔الغرض ایسی نمازوں میں قرآن پاک کا جہر پڑھنا مقرر کیا گیا تاکہ لوگوں کو قرآن پر تدبر کا موقع ملے اور اس میں قرآن کی عظمت بھی پائی جاتی ہے۔

جمعہ وعیدین وغیرہ میں تقرری خطبہ کی وجہ

نماز جمعہ وعیدین وکسوف واستسقاء میں خطبہ بھی مقرر کیا گیا، تاکہ جولوگ ناواقف ہیں وہ واقف ہوجائیں اور تبلیغ اسلام وتلقین احکام الٰہی انکو کماحقہ ہوجاوے اور وہ واقف وعالم ہوجائیں۔ اور جولوگ باوجود واقف وعالم ہونے کے غافل ہیں، انکے لئے یاددہانی ہوجائے اور وہ ہوشیار وچوکنے ہوجائیں۔

نماز میں ہر دو رکعت کے درمیان تحیّہ مقرر ہونے کی وجہ

چونکہ اصل میں نماز دو دو ہی رکعت مقرر ہوئی تھی اور باقی رکعتیں انکی تکمیل کے واسطے ہیں۔ اس واسطے ہر دو رکعت کے بعد تشہد مقرر ہوئی، تاکہ اصل وفرع میں تمیز ہوجائے۔ اور اسی تمیز کیلئے پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ ضم سورۃ بھی واجب ہوا اور آخری دو رکعتوں کے ساتھ ضم سورۃ مقرر نہیں ہوا۔

نماز میں تقرری ءتحیّہ کی وجہ

ا۔ سلام پھیرنے سے پہلے صحابہ ءکرام پڑھا کرتے تھے۔ **اَلسَّلَامُ عَلٰی اللہِ قَبْلَ عِبَادِہٖ اَلسَّلَامُ عَلٰی جِبْرِیْلَ. اَلسَّلَامُ عَلٰی فُلَان** ۔ ترجمہ۔ یعنی بندوں سے پہلے خدا تعالیٰ پر سلام، جبرئیل پر سلام، فلاں فلاں شخص پر سلام۔ تو آنحضرت صَلّی اللہ علیہ وسلم نے التحیات کے ساتھ اس کو بدل دیا۔ اور اس بدلنے کی وجہ آپ نے بیان فرمائی۔ **لاتقولوا السلام علی اللہ فان اللہ ھو السلام** ۔ ترجمہ۔ یعنی مت کہو کہ خدا کے اوپر سلام، کیونکہ خدا تعالیٰ کا تو نام ہی سلام ہے۔ یعنی سلامتی کی دعا اس شخص کے لئے مناسب ہے کہ باعتبار ذات کے عدم اور اس کے لواحق سے وہ سالم نہ ہو۔

۲۔ جب حکمنامہ الٰہی کے پڑھنے سے فراغت ہوئی، تو حضور الٰہی میں بیٹھ جانے کی اجازت عطا ہوئی۔ اور اس سے پوچھا جاتا ہے کہ ہمارے حضور میں کیا تحفہ لائے ہو۔ تو اس وقت دوزانو بیٹھ کر اس امر کا اظہار کیا جاتا ہے کہ اے خدا تعظیمات قلبی اور عبادات بدنی اور مالی کا مستحق تو ہی ہے اور یہی تیرے حضور کے لائق ہے۔ لہٰذا میرا سارا مال وبدن اس امر کے لئے تیرے حضور میں حاضر ہے۔ پس جب حقیقت نماز واقعی یونہی ہے، تو پھر سخت نادانی وجہالت ہوگی کہ انسان اپنے جان ومال کو خدا تعالیٰ کی راہ میں ہر وقت فدا وقربان کرنے کے لئے تیار نہ رہے اور نفسانی خواہشات میں خدا تعالیٰ کے دیئے ہوئے اموال اور اس کے پیدا کردہ جسم وجاں کو صرف وخرچ کرنے کے درپے نہ رہے اور خدا تعالیٰ کے آگے روزمرہ اوقات خمسہ میں جھوٹ بولے اور اس سے وعدہ خلافیاں کرے۔

جلسہ میں دائیں پاؤں کو کھڑا رکھنے کی وجہ

جلسہ میں دائیں پاؤں کو کھڑا رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ نماز کی ہر ایک نشست و برخاست میں تمام اعضا کو قبلہ کی طرف متوجہ رکھنے کا حکم ہے۔ اسلئے دائیں پاؤں کو کھڑا رکھنے سے پاؤں کی انگلیاں سیدھی قبلہ کی طرف متوجہ رہتی ہیں اور بائیں کا حکم اسکے بیچ ہی میں آجاتا ہے، اسلئے بائیں پر بیٹھنے کا امر ہے۔

تحیّہ نماز میں آنخضرتؐ پر سلام مقرر ہونے کا راز

نماز میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطے بھی سلام مقرر کیا گیا، تاکہ نبی کی یاد دل سے نہ بھلائیں اور اس کی رسالت کا اقرار کرتے رہیں اور نعمت اسلام اور آپ کی تبلیغ رسالت کی قدردانی کریں اور اس کے شکریہ میں آپ پر سلام بھیجیں۔ **من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ** ۔یعنی جو لوگوں کا شکر گذار نہ ہو وہ خدا کا کب شکر کرسکتا ہے۔ اس طرح سے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ حق ادا ہو جائیگا۔ لہٰذا تحیّہ میں آنخضرتؐ پر سلام مقرر ہوا۔

تحیّہ نماز میں عام مومنین وصلحا پر سلام مقرر ہونیکی حکمت

نماز میں **اَلسَّلَامُ عَلَیۡنَا وَ عَلٰی عِبَادِ اللہِ الصَّالِحِیۡن** میں سلام کو عام کردیا گیا، یعنی ہم پر سلام اور خدا کے نیک بندوں پر سلام۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندے کی زبان سے یہ نکلا تو ہر ایک نیک بندے کو جو آسمان و زمین میں ہے سلام پہنچ جائے گا۔ اس میں تعمیم سلام کی وجہ حق ہمدردی بنی نوع کی بجا آوری کے لئے ہے۔

نماز میں تشہد کی وجہ

نماز میں تشہد کا حکم دیا گیا، کیونکہ وہ اعظم الاذکار میں سے ہے۔ اسلئے تشہد نماز کیلئے ایک رکن ٹھہر گیا۔ اگر نماز میں یہ امور نہ پائے جائیں، تو نماز سے آدمی ایسا فارغ ہو جائے، جس طرح کسی کام سے اعراض کرنے والا اور روگرداں اسکو تمام کردیتا ہے یا اسکے تمام کرنے سے اسکو ندامت ہوتی ہے۔

حکمت اشارہ بالسابہ عندالمحد ثین

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس میں یہ بھید ہے کہ انگلی کے اٹھانے میں توحید کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے قول و فعل میں مطابقت ہو جاتی ہے اور توحید کے معنے آنکھوں

کے سامنے متمثّل ہوجاتے ہیں۔

نماز میں حکمت منع اشکال مکروہہ

نماز میں ان امور کا عمل میں لانا حکم ہے، جو وقار اور عادات حسنہ پر دال ہوں اور ان کو عاقل پسند کریں۔ اور ایسی عادات نماز میں ظاہر نہ ہونی چاہیئں، جن کو غیر ذوی العقول کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مثلاً جیسے مرغ کی طرح ٹھونک مارنا۔ کتے کی طرح بیٹھنا، ۔لومڑی کی طرح زمین پر لیٹنا۔ اونٹ کی طرح بیٹھنا۔ درندوں کی طرح ہاتھ زمین پر بچھانا اور ایسے ہی وہ ہیئتیں، جو متحیر لوگوں کی ہوتی ہیں، جن پر عذاب نازل ہوتا ہے۔ ان سے بھی احتراز کرنا چاہیئے ۔مثلاً کمر پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہونا۔

نماز میں رکوع وسجود میں امام سے سبقت کرنیوالے کو گدھے سے تشبیہ دینے کی وجہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **اما یخشی الذی یرفع راسه قبل الامام ان یحول الله راسه راس الحمار** ۔ترجمہ۔یعنی امام سے پہلے جو شخص اپنا سر اٹھالیتا ہے۔ کیا اس کو اس بات کا خوف نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ اس کا سر گدھے کا سا کردے۔

گدھے کی تشبیہ میں نکتہ یہ ہے کہ یہ جانور اپنی حماقت اور اہانت میں ضرب المثل ہے۔ لہٰذا ایسے عاصی نافرمان نے جب امام سے پہلے سر اٹھانے میں سبقت کی، تو اس پر بہیمیت اور حماقت کا غلبہ ہے، جس کا حشر اپنی صفت یعنی گدھے کی شکل میں ہونا ٹھہرا لیا گیا۔ اور تخصیص سر کی اس لئے ہوئی کہ سر ہی نے تابعداری میں سوءادبی کی تھی۔ اس لئے جس عضو سے یہ قصور ہوا، اس عضو کو یہ سزا دی گئی، جس طرح منہ کے داغ دینے کی سزا۔ یا ظاہر میں اس نے آگے پیچھے ہوکر یہ اختلاف کیا۔ اسلئے اختلاف معنوی اور باہم مخالفت کی یہ سزا دی گئی۔

تشہّد کے بعد درود ودعا کی وجہ

تشہّد کے بعد دعا کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو دعاء نمازی کو پسند ہو وہ کرے۔ یہ اس واسطے کہ نماز سے فارغ ہونیکا وقت دعا کرنیکا وقت ہے، کیونکہ نماز پڑھنے کی وجہ سے رحمت الٰہی اس پر چھا جاتی ہے۔ اور ایسی حالت میں دعا مستجاب ہوا کرتی ہے۔ اور دعا کے آداب میں سے پہلے جناب باری کی حمد وثناء بیان کرنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا توسّل کرنا ضروری ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوات وسلام وبرکات کے تحفے بھیجے جائیں، تاکہ دعا مستجاب ہوجائے۔ پھر اس کے بعد اپنے لئے اور اپنے ماں باپ کے لئے اور تمام اہل اسلام کے لئے دعائے مغفرت و

ہدایت وغیرہ ضروریات دین کر کے نماز کو ختم کرنے لئے وہیں دائیں بائیں طرف منہ کر کے **السلام علیکم ورحمۃ اللہ** کہہ کر نماز سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ اور اگر نماز کو اور بھی طول دینا مقصود ہو، تو اس جلسہ میں دعاء و درود نہیں پڑھتے، بلکہ بعد بیان استحقاق عبادات وعرض سلام اللہ اکبر کہہ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور بدستور سابق ارکان مذکورہ ادا کر کے فارغ ہو جاتے ہیں۔

سلام کے ساتھ اختتام نماز کی وجہ

ا۔ دائیں بائیں سلام پھیرنے میں اشارہ ہے کہ وقت نماز گویا مَیں اس عالم سے باہر چلا گیا تھا۔ اور ماسویٰ اللہ سے فارغ ہو کر اس کی درگاہ میں پہنچ گیا تھا۔ اس کے بعد اب پھر آیا ہوں اور موافق رسم آیندگان ہر کسی کو سلام کرتا ہوں۔

جان سفر رفت و بدن اندر قیام　　　وقت رجعت زاں سبب گوید سلام

۲۔ چونکہ نماز سے طہارت کو زائل کر کے باہر آنا یا اور کوئی اس قسم کا فعل کر کے نماز سے باہر آنا، جو نماز کا فاسد اور باطل کرنیوالا ہو، ایک قبیح اور مکروہ اور تعظیم کے برخلاف تھا۔ اور ایسے فعل کا ہونا بھی ضرور تھا، جس پر نماز کا اختتام واتمام ہو جائے اور جو افعال نماز کے اندر حرام تھے وہ حلال ہو جائیں۔

۳۔ اگر نماز سے باہر آنے کے لئے کوئی خاص فعل نہ مقرر کیا جاتا، تو ہر شخص اپنی اپنی خواہش پر چلنے لگتا۔ لہٰذا ضرور ہوا کہ ایسے ہی کلام سے نماز سے باہر آیا کریں، جو لوگوں کے کلام میں بہترین کلام ہو، یعنے سلام۔ اور یہ بات واجب کر دی جائے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **تحریمھا التکبیر و تحلیلھا التسلیم.**

نماز سے باہر آنے کے لئے اول دائیں طرف سلام دینے کی حکمت

اول سلام دائیں طرف دینے کی حکمت یہ ہے کہ دائیں کو بائیں پر فضیلت و تقدم ہے۔ اور فضیلت و تقدم کا منصب از روئے عدالت اس امر کا متقاضی ہے کہ نماز سے باہر آنے کے وقت پہلے دائیں طرف سلام دیا جائے اور پھر بائیں کی نوبت آئے۔ اسرار وضو میں بھی ہم نے اس امر کی کسی قدر تشریح لکھی ہے۔ وہاں ملاحظہ کرو۔

وتر میں دعائے قنوت پڑھنے کی وجہ و وجہ تسمیہ قنوت

قنوت کے معنے تضرّع وزاری و دعا کے ہیں۔ "منتہی الارب" میں قنوت کے معنے استادن در نماز یعنے نماز میں کھڑا ہونے کے ہیں۔ اور "مصباح المنیر" میں لکھا ہے **القنوت الدعاء و یطلق**

علیٰ القیام فی الصلوۃ و دعاء .القنوت ای دعاء القنوت ۔ترجمہ۔یعنی قنوت کے معنے دعا کے ہیں اور نماز میں قیام کرنے پر بھی بولا جاتا ہے اور دعاء قنوت کے معنے میں قیام کی دعاء۔ چونکہ یہ دعا کھڑے ہو کر کی جاتی ہے، اس لئے اس دعا کا نام قنوت ہوا۔

قنوت کے معنے مؤدب و عاجز ہو کر کھڑا ہونے کے بھی ہیں۔ چنانچہ خداتعالیٰ فرماتا ہے وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْن ۔یعنی خداتعالیٰ کے آگے نماز میں مؤدب و عاجز بن کر کھڑے ہو۔

دعائے قنوت کا وتر کے ساتھ مخصوص ہونا اثر وتریۃ کی وجہ سے ہے۔یعنی خداوتر یعنی طاق ہے اور وتر کی خصوصیت دعا کی مقتضی ہے۔پس دعا وتر میں مخصوص ہوئی۔اوراس لئے خداتعالیٰ نے بندوں کو دعوت کی ہے۔چنانچہ فرمایا فَلْيَسْتَجِيْبُوْلِیْ اور فرمایاوَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلٰی الْجَنَّةِ وَ الْمَغْفِرَةِ اور فرمایا وَاللّٰهُ يَدْعُوْ اِلٰی دَارِ السَّلَامِ ۔خداتعالیٰ نے اپنے آپ کو دعا کے لئے موصوف کیا۔اوروہ وتر ہے۔ اور وتر دعا یعنی قنوت کو چاہتا ہے۔پس جب بندہ وتر پڑھے،،تو لازم ہے کہ اس میں قنوت پڑھے اور بالخصوص رمضان میں۔ کیونکہ رمضان خداتعالیٰ کے ناموں میں سے ہے۔ پس رمضان کی وتر میں دعائے قنوت کا پڑھنا بہت مؤکد ہے۔

دعا کا مخ العبادت ہونے کی وجہ

آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الدعاء مخ العبادة یعنی دعا عبادت کا مغز ہے۔ جیسا کہ مغز کے ساتھ اعضاء کو قوت حاصل ہوتی ہے۔ایسا ہی دعا کے ساتھ عابدوں کی عبادت کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔کیونکہ دعا عبادت کی روح ہے۔چنانچہ خداتعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْن ۔ترجمہ۔یعنی جولوگ میری عبادت یعنی دعا سے منہ پھیرتے ہیں، وہ عنقریب دوزخ میں داخل ہوں گے۔

نماز میں سہو کرنیوالے امام کو اسکا سہو جتلانے کیلئے مرد کی طرف سے سبحان اللہ کہنا اور عورت کی طرف سے اپنے ہاتھ کی تالی بجانے کی حکمت

امام کو سہو جتلانے کے لئے مرد کا سبحان اللہ کہنا اس جانب ایما کرتا ہے کہ خداتعالیٰ کی ذات اس غلطی سے پاک ہے، جو آپ کر رہے ہو۔ یہ کلام سن کر امام سمجھ جاتا ہے کہ میں غلطی کر رہا ہوں اور وہ سدھر جاتا ہے۔

اور عورت کی تصفیق میں یہ اشارہ ہے کہ خداتعالیٰ فرماتا ہے لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۔یعنی

مردوں کوعورتوں پر اونچا درجہ دیا گیا ہے۔ فاعل کا منفعل پر غلبہ ہوتا ہے۔ عورتوں اور مردوں میں فرق کیا گیا ہے۔ پس تسبیح مرد کے لئے اور تصفیق یعنی تالی عورت کے لئے مقرر ہوئی۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کا کلام بالطبع شہوت انگیز ہوتی ہے۔ بالخصوص جب کہ عورت کے کلام میں نرمی اور انکسار ہو۔ اور سامع ، جس کا دل آگے ہی شہوات نفسانیہ میں مبتلا ہے، وہ خیال کرے کہ یہ عورت کی آواز ہے، تو اس کے لئے یہ آواز مضر ہے۔ یعنی اس کے دل میں برے وساوس پیدا ہو جائیں گے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے عورت کو غیر محرم مردوں کے ساتھ نرم کلامی سے منع کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا **فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ** ۔ یعنی عورت کلام میں نرمی نہ کرے، ورنہ جس کے دل میں شہوات نفسانیہ کی مرض ہے وہ اس عورت کے نرم کلام کے لئے بری طمع رکھے گا۔

خدا نے اس آیت میں عورتوں کو مردوں کے ساتھ ایک خاص وصف پر کلام مباح فرمایا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ نمازی خدا تعالیٰ سے مناجات کرتا ہے۔ عورت زبان سے تسبیح کہے، تو مرد کا طبعی خیال اس کی طرف جھک جاتا ہے۔ پس جب کہ مرد باوجود تالی کے امن میں نہیں رہ سکتا، تو عورت کے کلام سے کیسے مامون رہ سکتا ہے۔

نماز میں لذت وعدم لذت کا باعث

دراصل نماز ایک خاص دعا ہے۔ مگر اکثر لوگ اس کی حقیقت سے ناواقف ہیں اور وہ اس کو بادشاہوں کا ٹیکس سمجھتے ہیں۔ نادان اتنا نہیں جانتے کہ بھلا خدا تعالیٰ کو ان باتوں کی کیا حاجت ہے۔ اس کے غناءِ ذاتی کو اس بات کی کیا پرواہ ہے کہ انسان دعاء و تسبیح اور تہلیل میں مصروف ہو۔ بلکہ اس میں انسان کا اپنا ہی فائدہ ہے کہ وہ اس طریق پر اپنے مطلب کو پہنچ جاتا ہے۔ آج کل یہ دیکھ کر بڑا افسوس ہوتا ہے کہ عبادت و تقویٰ و دینداری سے لوگوں کو محبت نہیں رہی۔ اس کی وجہ ایک عام زہریلا اثر رسم کا ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت لوگوں کے دلوں سے سرد ہو رہی ہے اور عبادت میں جس قسم کا مزہ آنا چاہیئے، وہ مزہ نہیں آتا۔ دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس میں لذت اور ایک خاص حظّ خدا تعالیٰ نے نہ رکھا ہو۔ جس طرح کہ ایک مریض عمدہ سے عمدہ خوش ذائقہ چیز کا مزہ نہیں اٹھا سکتا اور وہ اس کو تلخ یا بالکل پھیکا سمجھتا ہے، اسی طرح وہ لوگ، جو عبادت الٰہی میں حظّ اور لذت نہیں پاتے، ان کو اپنی بیماری کی فکر کرنا چاہیئے۔ کیونکہ دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے، جس میں خدا تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی لذت نہ رکھی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو عبادت کے لئے پیدا کیا، تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس عبادت میں اس کے لئے لذت اور سرور نہ ہو۔ لذت اور سرور تو ہے، مگر اس سے حظ اٹھانے والا بھی تو ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَ مَا خَلَقْتُ**

الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۔ترجمہ۔یعنی میں نے جنوں اورانسانوں کواپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ پس جب کہ انسان عبادت ہی کے لئے پیدا ہوا ہے،تو ضرور ہے کہ عبادت میں لذت وسرور بھی درجہء غایت کا رکھا گیا ہو۔اس بات کو ہم اپنے روزمرہ کے مشاہدہ اور تجربہ سے خوب سمجھ سکتے ہیں۔مثلاً دیکھو اناج اور تمام خوردنی اور نوشیدنی اشیاء خدا نے انسان کے لئے پیدا کی ہیں۔تو کیا انسان ان سے ایک لذت اور حظّ نہیں پاتا۔کیا اس ذائقہ،مزے اور احساس کے لئے اس کے منہ میں زبان موجود نہیں۔کیا وہ خوبصورت اشیاء دیکھ کر نباتات ہوں یا جمادات،حیوانات ہوں یا انسان حظّ نہیں پاتا۔کیا دل خوش کن اور سریلی آوازوں سے اس کے کان محظوظ نہیں ہوتے۔پھر کیا کوئی دلیل اور بھی اس امر کے اثبات کے لئے مطلوب ہے کہ عبادت میں لذت نہ ہو۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے عورت اور مرد کو جوڑا پیدا کیا اور مرد کو رغبت دی ہے۔اب اس میں زبردستی نہیں کی، بلکہ ایک لذت بھی دکھلائی ہے۔اگر محض توالد و تناسل ہی مقصود بالذات ہوتا،تو مطلب پورا نہ ہوتا۔عورت اور مرد کی برہنگی کی حالت میں ان کی غیرت قبول نہ کرتی کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ تعلق پیدا کریں۔مگر اس میں ان کے لئے ایک حظّ ہے اور ایک لذت ہے۔یہ حظّ اور لذّت اس درجہ تک پہنچتی ہے کہ بعض کوتہ اندیش انسان اولاد کی بھی پرواہ نہیں کرتے، بلکہ ان کو صرف حظّ سے ہی کام اور غرض ہے۔خدا تعالیٰ کی علت غائی بندوں کا پیدا کرنا تھا اور اس سبب کے لئے ایک تعلق عورت اور مرد میں قائم کیا اور ضمناً اس میں ایک حظّ رکھ دیا، جو اکثر نادانوں کے لئے مقصود بالذات ہو گیا۔اسی طرح سے خوب سمجھ لو کہ عبادت بھی کوئی بوجھ اور ٹیکس نہیں ہے۔اس میں بھی ایک لذت اور سرور ہے۔اور یہ لذت اور سرور دنیا کی تمام لذتوں اور تمام حظّوظ سے بالاتر ہے۔جیسے مرد اور عورت کے باہمی تعلقات میں ایک لذت ہے۔اور جو مرد صحیح وتندرست ہے،وہ اس حظ سے بہرہ مند ہو سکتا ہے۔مگر نامرد اور مخنث وہ حظ نہیں پا سکتا، جو صحیح القویٰ انسان حظ اٹھا سکتا ہے۔جیسے ایک مریض کسی عمدہ سے عمدہ خوش ذائقہ غذا کی لذت سے محروم ہے۔اسی طرح وہ کم بخت انسان ہے، جو عبادت الٰہی سے لذت نہیں پا سکتا۔عورت اور مرد کا جوڑ تو باطل اور عارضی جوڑا ہے۔اور حقیقی وابدی اور لذت مجسم جو جوڑا ہے،وہ انسان اور خدا تعالیٰ کا ہے۔

دیکھو ایک دن اگر کسی کو روٹی کھانے کا مزہ نہ آئے،تو وہ طبیب کے پاس جاتا اور کیسی کیسی منتیں اور خوشامدیں کرتا، روپیہ خرچ کرتا اور دکھ اٹھاتا ہے کہ وہ مزہ حاصل ہو۔وہ نامراد، جو اپنی بیوی سے لذت حاصل نہیں کر سکتا، بعض اوقات گھبرا کر خودکشی کے ارادہ تک پہنچ جاتا ہے اور اکثر موتیں اس قسم کی ہو جاتی ہیں۔مگر آہ وہ مریض دل، وہ نامراد کیوں کوشش نہیں کرتا، جس کو عبادت الٰہی میں لذت نہیں آتی۔اس کی

جان کیوں غم سے نڈھال نہیں ہو جاتی۔ دنیا اور اس کی خوشیوں کے لئے کیا کچھ کرتا ہے۔ مگر ابدی اور حقیقی راحتوں کی وہ پیاس اور تڑپ نہیں پاتا۔ کس قدر بے نصیب ہے، کیسا محروم ہے۔ عارضی اور فانی لذتوں کے علاج تلاش کرتا ہے اور پا لیتا ہے۔ کیا ہو سکتا ہے کہ مستقل اور ابدی لذت کے علاج نہ ہوں۔ ہیں اور ضرور ہیں، مگر تلاش حق میں مستقل اور پو یہ قدم درکار ہیں۔ قرآن کریم میں ایک موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے صالحین کی مثال عورتوں سے دی ہے۔ اس میں بھی سرّ اور بھید ہے۔ ایمان لانے والوں کو مریم اور آسیہ سے مثال دی ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ مشرکین میں سے مومنوں کو پیدا کرتا ہے۔

بہر حال عورتوں سے مثال دینے میں دراصل ایک لطیف راز کا اظہار ہے۔ یعنی جس طرح عورت اور مرد کا باہم تعلق ہوتا ہے، اسی طرح عبودیت اور ربوبیت کا رشتہ ہے۔ اگر عورت اور مرد کی باہم موافقت ہو اور ایک دوسرے پر فریفتہ ہوں، تو وہ جوڑا مفید اور مبارک ہوتا ہے، ورنہ نظام خانگی بگڑ جاتا ہے اور مقصود بالذات حاصل نہیں ہوتا۔ مرد اور جگہ خراب ہو کر صدہا قسم کی بیماریاں لے آتے ہیں، آتشک سے مجذوم ہو کر دنیا میں ہی محروم ہو جاتے ہیں۔ اور اگر اولاد ہو بھی جائے، تو کئی پشت تک یہ سلسلہ برابر چلا جاتا ہے۔ اور ادھر عورت بے حیائی کرتی پھرتی ہے اور عزت و آبرو کو ڈبو کر بھی سچی راحت حاصل نہیں کر سکتی۔ غرض اس جوڑے سے الگ ہو کر کس قدر بدنتائج اور فتنے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح پر انسان روحانی جوڑے سے الگ ہو کر مجذوم اور مخذول ہو جاتا ہے۔ دنیاوی جوڑے سے زیادہ رنج و مصائب کا نشانہ بنتا ہے۔ جبکہ عورت اور مرد کے جوڑے سے ایک قسم کی بقاء کے لئے حظّ موجود ہے۔

صوفی کہتے ہیں کہ جس کو یہ حظ نصیب ہو جائے، وہ دنیا اور مافیھا کے تمام حظوظ سے بڑھ کر اس کو ترجیح دیتا ہے۔ اگر ساری عمر میں ایک بار بھی اس کو معلوم ہو جائے، تو اس میں ہی فنا ہو جائے۔ لیکن مشکل تو یہ ہے کہ دنیا میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے، جنہوں نے اس راز کو نہیں سمجھا اور ان کی نمازیں صرف ٹکریں ہیں۔ اور اوپرے دل کے ساتھ ایک قسم کی قبض اور تنگی سے صرف نشست اور برخاست کے طور پر ہوتی ہیں۔

خدا تعالیٰ سے نہایت سوز اور ایک جوش کیساتھ یہ دعا مانگنی چاہیئے کہ جسطرح اور پھلوں اور اشیاء کی طرح طرح کی لذتیں عطا کی ہیں نماز اور عبادت کا بھی ایک بار مزہ چکھا دے۔ کھایا ہوا یاد رہتا ہے۔ دیکھو اگر کوئی شخص کسی خوبصورت کو ایک سرور کے ساتھ دیکھتا ہے، تو وہ اسے خوب یاد رکھتا ہے۔ اور اگر کسی بدشکل یا مکروہ ہیئت کو دیکھتا ہے، تو اسکی ساری حالت باعتبار مجسم ہو کر سامنے آ جاتی ہے۔ اسی طرح نماز بے نمازوں کے نزدیک ایک تاوان ہے کہ ناحق صبح اٹھ کر سردی میں وضو کر کے خواب راحت چھوڑ کر اور

کئی قسم کی آسائشوں کوکھونا پڑتا ہے۔اصل بات یہ ہے کہ انکونماز سے بیزاری ہے۔ وہ اس لذت اور راحت کوسمجھ نہیں سکتے جونماز میں ہے۔انکواطلاع نہیں ہے۔پھر نماز میں کیونکر لذت حاصل ہو۔

نماز میں حصول حضور ولذت کا طریق

ایک شرابی اور نشہ باز انسان کو جب سرور نہیں آتا، تو وہ پے در پے پیالے پیتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کوایک قسم کا نشہ آجاتا ہے۔دانشمند اور بزرگ انسان اس سے فائدہ اٹھاسکتا ہے۔اور وہ یہ ہے کہ نماز پر دوام کرے اور پڑھتا جائے، یہاں تک کہ اس کوسرور آجائے۔اور جیسے شرابی کے ذہن میں ایک لذت ہوتی ہے، جس کا حاصل کرنا اس کا مقصود بالذات ہوتا ہے، اسی طرح ذہن میں اور ساری طاقتوں کا رجحان نماز میں حاصل کرنا ہو اور ہر ایک خلوص اور جوش کے ساتھ کم از کم اس نشہ باز کے اضطراب اور قلق وکرب کی مانند ہی ایک دعا پیدا ہو کہ وہ لذت حاصل ہو۔یقیناً وہ لذت حاصل ہوجائے گی۔پھر نماز پڑھتے وقت ان مفاد کا حاصل کرنا بھی ملحوظ ہو، جو اس میں سے ہوتے ہیں۔اور احسان پیش نظر رہے۔ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ۔ترجمہ۔نیکیاں برائیوں کوزائل کردیتی ہیں۔

پس ان حسنات اور لذات کو دل میں رکھ کر دعا کرے کہ وہ نماز، جو کہ صدیقوں اور محسنوں کی ہے، وہ نصیب کرے۔ یہ جوفرمایا ہے کہ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ۔یعنی نماز، جوتمام نیکیوں کا مجموعہ ہے، بدیوں کو دور کردیتی ہے۔ یا دوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ نماز فواحش اور برائیوں سے بچاتی ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ باوجود نماز پڑھنے کے پھر بدیاں کرتے ہیں۔اس کا جواب یہ ہے کہ وہ نمازیں پڑھتے ہیں مگر نہ روح اور نہ راستی کے ساتھ۔ وہ صرف رسم اور عادت کے طور پر ٹکریں مارتے ہیں۔ان کی روح مردہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان کا نام حسنات نہیں رکھا۔اور یہاں جوحسنات کا لفظ رکھا، الصلوۃ کا لفظ نہیں رکھا، باوجودیکہ معنے وہی ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ تا نماز کی خوبی اور حسن و جمال کی طرف اشارہ کرے کہ وہ نماز بدیوں کو دور کرتی ہے، جو اپنے اندر ایک سچائی رکھتی ہے اور فیضان کی تاثیر اس میں موجود ہے۔

روح نماز

نماز نشست و برخاست کا نام نہیں ہے۔نماز کا مغز اور روح وہ دعا ہے، جو ایک لذت اور سرور اپنے اندر رکھتی ہے۔ارکان نماز دراصل روحانی نشست و برخاست کے لئے مقرر ہیں۔

نماز میں تعین دو تین چار رکعات کی وجہ

۱۔ چونکہ تھوڑی سی نماز کا کچھ معتد بھا فائدہ نہ ہوتا اور بہت سی نماز لوگوں پر بہت گراں ہوتی اور ان کو اس کا ادا کرنا دشوار ہو جاتا۔ اس واسطے حکمت الٰہی کا اقتضا ہوا کہ کم از کم دو رکعتیں مقرر کی جائیں۔ پس دو رکعت نماز کا کم درجہ قرار پایا۔ اس واسطے نبی علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں **فی کل رکعتین التحیۃ** یعنی ہر دو رکعت میں التحیات ہے۔

۲۔ یہاں ایک بڑا بھاری راز ہے۔ وہ یہ کہ تمام حیوانات اور نباتات کے پیدا کرنے میں خدا تعالیٰ کی یوں عادت جاری ہے کہ ہر فرد کے دو ٹکڑے ہوتے ہیں اور وہ دونوں ملا کر ایک شے کر دی جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ** ۔ یعنی قسم ہے جفت اور طاق کی۔ حیوان کی دو طرفیں معلوم ہوتی ہیں اور بسا اوقات ایک طرف کو کچھ مرض وغیرہ لاحق ہو جاتے ہیں اور دوسری طرف ان سے محفوظ رہتی ہے، جیسے فالج کے اندر۔

۳۔ نباتات کے اندر گٹھلی اور تخم کی دو طرفیں ہوتی ہیں۔ اور جب شروع شروع میں کوئی درخت اگتا ہے، تو پہلے دو ہی پتے نمودار ہوتے ہیں۔ یہ ہر ایک پتہ انہی دونوں، گٹھلی اور تخم، کی ایک ایک طرف کی میراث ہوتا ہے۔ پھر اسی طور سے اس کا نشو نما ہو جاتا ہے۔ جناب باری تعالیٰ کا یہی قانون قدرت عالم خلق سے عالم تشریع کی طرف خطیرۃ القدس کے اندر منتقل ہوا۔ کیونکہ تدبیر خلق کی فرع ہے اور پھر خطیرۃ القدس سے نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں اس کا انعکاس ہوا۔ اس لئے تمام نمازوں میں دو رکعت سے کم کوئی نماز مقرر نہیں کی گئی اور وہ دو رکعتیں باہم بمنزلہ ایک چیز کے کر دی گئی ہیں حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں **فرض اللہ الصلوۃ حین فرضھا رکعتین رکعتین فی الحضر و السفر فاقرت صلوۃ السفر و زید فی الحضر و فی روایۃ الا المغرب فانھا کانت ثلاثا** ۔ ترجمہ۔ یعنی خدا تعالیٰ نے جب نماز کو مقرر فرمایا ہے حضر و سفر میں دو دو رکعت مقرر فرمایا ہے۔ پھر سفر کی نماز بدستور رہی اور حضر کی نماز بڑھا دی گئی۔ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ بجز مغرب کی نماز کے کہ وہ تین ہی رکعتیں ہیں۔

۴۔ عدد رکعات کے اندر اصل یہ ہے کہ فرض جو کسی صورت میں ساقط نہ ہو سکے، وہ گیارہ رکعتیں ہیں۔ اور یہ اس واسطے کہ حکمت الٰہی اس بات کی مقتضی ہوئی کہ دن و رات میں کوئی عدد مبارک متوسط درجہ کا مقرر ہونا چاہیئے کہ نہ تو بہت ہو، جو تمام مکلفین پر اس کا ادا کرنا دشوار ہو جائے، اور نہ بہت کم ہو کہ جس کے سبب سے نماز کا فائدہ حاصل نہ ہو سکے۔ تمام اعداد میں سے گیارہ کا عدد وتر حقیقی کے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔

پھر جب نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے مکہ سے ہجرت فرمائی اور اسلام کو استحکام ہو چکا اور بہت سے لوگ اس کے خادم بن گئے اور عبادات کا شوق لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو گیا، تو دن رات کی نمازوں میں چھ رکعتیں فرض اور بڑھا دی گئیں۔اور سفر کی نماز بدستور باقی رہی۔اور اسکی وجہ یہ ہوئی کہ زیادتی اگر کسی چیز کی کی جائے، تو اصل شے کے برابر ہونا اس کا بالکل غیر مناسب ہے۔اس لئے یہ مناسب ہوا کہ اول عدد پر اس کا نصف بڑھا دیا جائے۔مگر گیارہ کا نصف پورا عدد نہیں ہوتا، اس لئے یا تو پانچ کی زیادتی کی جاتی یا چھ کی۔مگر گیارہ پر پانچ زیادہ کرنے سے پورا عدد طاق نہیں رہتا بلکہ جفت ہو جاتا ہے۔اس لئے چھ کی زیادتی لامحالہ کرنی ضرور ہوئی۔اب رہا باقی اوقات کے اوپر اس پورے عدد کا تقسیم کرنا، تو اس کا انبیائے سابقین کے آثار پر مدار رکھا گیا، جیسا کہ اخبار میں مذکور ہے اور نیز مغرب چونکہ سب نمازوں سے آخر کی نماز ہے، اس لئے کہ عرب کے لوگ راتوں کو دنوں سے پہلے شمار کیا کرتے ہیں۔اس واسطے مناسب ہوا کہ وہ ایک عدد جس نے پورے عدد کو طاق کر دیا، وہ اس میں پایا جائے اور مغرب کے وقت میں چونکہ گنجائش کم ہوتی ہے، اس واسطے مغرب کے اندر بڑھانا مناسب نہ تھا۔اور فجر کا وقت سونے کا اور کسل کا وقت ہے اس لئے عدد رکعات میں اس کے اندر زیادتی نہیں کی گئی۔بلکہ جس سے ہو سکے، اس کے لیے طول قرات مستحب کیا گیا۔چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے وَ قُـرْآنَ الْـفَـجْـرِ اِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْداً ۔ترجمہ۔یعنی اور فجر کو قرآن کا پڑھنا لازم ہے، کیونکہ فجر کو قرآن کا پڑھنا مؤثر ہوتا ہے اور اس میں حضور دل ہوتا ہے۔

فرضوں کے اول و بعد سنتیں مقرر ہونے کی وجہ

اصل بات یہ ہے کہ اشغال دنیاوی خدا کی یاد سے انسان کو غافل کر دیتے ہیں۔لہٰذا ایسی بات کی ضرورت ہوئی کہ اس کدورت کے صاف کرنے کی غرض سے قبل از فرائض اس کا استعمال کیا کریں، تا کہ فرائض کے اندر ایسے وقت میں شروع پایا جائے کہ تمام شغلوں سے دل خالی اور سب سے خاطر جمع ہو۔اور بسا اوقات آدمی اس طرح نماز پڑھ لیتا ہے کہ نماز کا فائدہ اس کو پوری طرح حاصل نہیں ہوتا۔لہٰذا ضروری ہوا کہ فرائض کے بعد بھی اس مقصود کے پورا کرنے کے لئے کچھ نماز اور مقرر کی جائے، تا کہ جو کمی و قصور فرائض میں ہو اس کی سنتوں کے ذریعہ تکمیل ہو اور جبر کسر ہو جاوے۔نبی علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں ان اول مایحاسب به العبد المسلم یوم القیٰمة الصلوۃ المکتوبة فان اکملها کتبت له نافلة فان لم یکن اکملها قال سبحانه لملائکة انظروا هل تجدون لعبدی من تطوع فاکملوا بها ما ضیع من فریضته ثم تؤخذ الاعمال علی حسب

ذالک۔ترجمہ۔یعنی قیامت کے دن مسلمان بندہ کی نماز کا پہلے حساب ہوگا۔اگر وہ نماز اس نے کامل کر کے ادا کی،تو اس کا ثواب اس کو ملے گا۔ورنہ خداوند تعالیٰ فرشتوں کو فرمائیگا کہ میرے بندہ کی عبادت نفلی دیکھو،اس کے ساتھ اس کے فرائض کو کامل کرو۔اس طرح سب اعمال کا حساب ہوگا۔

فجر کی نماز کے بعد سنتیں نہ مقرر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اشراق کی نماز تک بیٹھنے اور نماز اشراق وطولِ قرات سے وہ درجہ مل جاتا ہے اور نیز وہ اکثر عام لوگوں کی فرصت کا وقت کم ہوتا ہے۔اور عصر کی نماز کے اول و بعد سنتیں پڑھنے میں مجوس سے مشابہت ہوتی ہے،لہٰذا مقرر نہیں ہوئیں۔

الغرض حسب فرمودہء نبی علیہ الصلوۃ والسلام شب و روز کی نمازوں میں بارہ رکعات موکدّہ سنتیں مقرر ہیں۔چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **عن عائشة قالت قال رسول الله صلی اللہ علیه وسلم من ثابر علی مثنتی عشرة رکعة من السنة بنی له بیت فی الجنة اربع قبل الظهر و رکعتین بعد الظهر و رکعتین بعد المغرب و رکعتین بعد العشاء و رکعتین قبل الفجر** ۔ترجمہ۔یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس نے بارہ رکعات سنت ہمیشہ پڑھیں،اس کے لئے بہشت میں مکان بنایا جائے گا۔وہ چار رکعتین ظہر سے پہلے اور دو رکعتیں مغرب کے بعد اور دو رکعتیں عشاء کے بعد اور دو رکعتیں فجر کے پہلے ہیں۔

تقرری نماز وتر کی وجہ

نبی علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں **ان الله وتر یحب الوتر فاوتروا یا اهل القرآن**۔ ترجمہ۔یعنی خدا تعالیٰ طاق ہے،طاق کو پسند کرتا ہے۔اس لئے اے اہل قرآن تم نماز طاق پڑھا کرو۔ ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں کہ ابتداء میں خدا نے شب و روز میں گیارہ رکعتیں فرض مقرر کیں۔بعد ازاں گیارہ رکعات فرض اور شب و روز کے لئے ان کے ساتھ سفر کے اندر بڑھا دیں۔بعد ازاں جو لوگ محسنین کے درجہ میں ہیں،ان کے لئے تین رکعات نماز وتر بڑھائی گئی۔چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ جو لوگ احسان کا درجہ رکھتے ہیں،ان کے لئے مقدار سے زیادہ کی حاجت ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ شب کے اٹھنے میں مشقت ہوتی ہے۔اسلئے قیام اللیل کو تمام امت پر لازم نہیں کیا اور شروع شب میں وتر پڑھنے کی اجازت فرمادی۔اور اس کے ساتھ ہی تاخیر سے پڑھنے کی رغبت فرماتے رہے۔چنانچہ فرمایا **من خاف ان لا یقوم آخر الیل فلیوترا و له و من طمع ان یوتر آخره فان صلوة الیل مشهودة و ذالک افضل** ۔ترجمہ۔یعنی جس شخص کو آخر رات میں اٹھنے کا اندیشہ ہو کہ وہ نہ اٹھ سکے گا،تو اول رات میں ہی وتر پڑھ لے۔اور جس کو آخر رات میں پڑھنے کی

طمع ہو، وہ آخر رات میں وتر پڑھے، کیونکہ رات کی نماز میں حضور دل ہوتا ہے۔اور یہ بات افضل ہے۔

چارگانہ فرائض کی آخری دو رکعتوں میں سورت ضم نہ کرنے کی وجہ

دراصل ابتداء میں نماز کی دو رکعتیں ہی مقرر ہوئی تھیں۔ بعدازاں خدا تعالیٰ نے ان دو رکعتوں کی تکمیل واکمال کے لئے ظہر وعصر وعشاء کے فرائض کے ساتھ دو رکعتیں اور مغرب کی نماز میں حکمت وتر کو ضائع نہ کرنے کی وجہ سے ایک رکعت ملائی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب کسی چیز کا جبر کسر مطلوب ہوتا ہے، تو اس کے ساتھ اس کے نوع کی ایسی چیز ملائی جاتی ہے، جو حسب حیثیت و درجہ اس سے ادنیٰ ہو۔ اگر پہلی دو رکعت فرائض کے ساتھ دوسری دو رکعت کامل مع ضم سورت ملائی جاتیں، جو ہر وجہ و ہر پہلو سے پہلی دو رکعتوں کے برابر ہوتیں، تو جبر کسر واکمال وتشریع رکعتین کی حکمت ضائع ہو جاتی۔ پہلی دو رکعتوں کا جبر کسر اس لئے ہوا کہ بسا اوقات حضور وتوجہ یا فہم دل یا قرات ارکان میں سے کسی رکن میں نقص وکسر رہ جاتی ہے، جس کے عوض دوسری دو رکعتیں ملائی گئی ہیں۔

چھوٹے لڑکوں کو نماز کی جماعت میں سب سے پیچھے کھڑا کرنے کی وجہ

لڑکوں کو نماز جماعت میں سب سے پیچھے کھڑا ہونے کا حکم اس وجہ سے ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ کسی کی ہوا خارج ہونے پر یا کسی اور امر پر ہنس پڑیں اور دوسروں کی نماز خراب کریں۔ دیکھو یہ کیسی نیکی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے کہ کسی کی ہوا خارج ہوگئی اور بدبو کی وجہ سے اس کا پتہ لگ گیا۔ آپ نے اس خیال سے نماز توڑ دی کہ کہیں وہ شخص شرم سے وضو نہ کرے اور گناہ کا مرتکب ہو جائے اور کہا آؤ ہم سب دوبارہ وضو کریں۔ پہلا وضو اپنی جگہ پر رہے گا اور دوسری دفعہ کرنے سے نورٌ علی نور ہو جائیگا۔ اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ ہمیشہ اسی طرح کئے جاؤ۔ بلکہ یہ ایک موقعہ تھا، جس کو خوش اسلوبی سے نمٹ لیا گیا۔

جماعت نماز کی صفوں کو برابر کرنے کی وجہ

نماز میں جو جماعت رکھی ہے اور جماعت کا زیادہ ثواب لکھا ہے، اسمیں یہی غرض ہے کہ اس سے قوم میں وحدت پیدا ہوتی ہے اور پھر اس وحدت کو عملی رنگ میں لانے کی یہاں تک ہدایت اور تاکید ہے کہ باہم پاؤں بھی مساوی ہوں، ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں، اور صف سیدھی ہو۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ گویا ایک ہی انسان کا حکم رکھیں اور ایک کے انوار دوسرے میں سرایت کر سکیں۔ وہ تمیز، جسمیں خودی اور خودغرضی پیدا ہوتی ہے، نہ رہے۔ یہ خوب یاد رکھو کہ انسان میں یہ قوت موجود ہے۔

جماعت کی نماز میں کثرتِ ثواب کا راز

نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو کسی عمل کے فضائل یا کسی شے کے اجمالی حصے ظاہر کرنے ہوئے، تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فضاء کے منضبط کرنے کی وجہ قائم کرنے میں اجتہاد فرمایا۔ اور اس کے لئے ایسے عدد مقرر فرمائے جو کثیر الوقوع یا عظیم الشان وغیرہ ہوا کرتے ہیں۔ اسی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک کو قیاس کر لینا چاہیئے کہ تنہا نماز پڑھنے پر جماعت کو ستائیس درجہ فضیلت ہے۔ **صلوۃ الجماعة تفضل صلوة الفد بسبع و عشرين درجة**۔ ترجمہ۔ یعنی جماعت کی نماز تنہا سے ستائیس درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ اس لئے کہ ستائیس کا عدد تین کو تین میں ضرب دینے سے پھر مضروب فیہ کو تین میں ضرب دینے سے حاصل ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں جماعت کے فائدے تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن کا اثر خود نمازی کے جسم پر ہوتا ہے۔ (۱) اس میں تہذیب آ جاتی ہے۔ (۲) قوت ملکی کا ظہور ہوتا ہے۔ (۳) بہیمی حالت دب جاتی ہے۔ اور ایک حصہ کا اثر لوگوں کی جماعت پر ہوتا ہے کہ ایک (۱) مبارک روش ان میں پھیل جاتی ہے۔ (۲) لوگ اس میں ایک دوسرے سے زیادہ شوق ظاہر کرتے ہیں۔ اس سے ان میں تہذیب آ جاتی ہے۔ اور (۳) سب مل کر متفقانہ برتاؤ کرتے ہیں۔ اور ایک حصہ کا اثر ملت مصطفویہ پر پڑتا ہے کہ اس میں اصلی شادابی اور تروتازگی رہتی ہے۔ تحریف یا سستی اس میں نہیں مل سکتی۔ اور نیز پہلے حصہ میں تین منفعتیں ہیں۔ (۱) بارگاہ خداوندی اور نیز ملاء اعلیٰ سے نزدیکی (۲) ان کے لئے نیکیاں مندرج ہوتی ہیں۔ اور (۳) ان سے برائیاں دور کی جاتی ہیں۔ ایسے ہی دوسرے حصہ میں بھی تین منافعے ہیں۔ (۱) لوگوں کے خاندان اور شہر کا منتظم رہنا۔ (۲) دنیا میں ان پر برکتوں کا نازل ہونا۔ (۳) آخرت میں ایک دوسرے کے لئے شفاعت کرنا۔ اور تیسرے حصہ میں بھی تین امر پرُ منفعت ہیں۔ (۱) ملاء اعلیٰ کی اتفاقی کوشش کا جاری رہنا۔ (۲) خدا تعالیٰ کی دراز رسّی کو لوگوں کا پکڑنا۔ (۳) بعض لوگوں کے انوار کا بعض پر پرَتو پڑنا اور نو (۹) امور میں سے ہر ایک میں تین تین خوبیاں ہیں۔ (۱) خدا تعالیٰ کی لوگوں سے خوشنودی۔ (۲) فرشتوں کا ان پر رحمت بھیجنا۔ (۳) شیاطین کا لوگوں سے روپوش ہونا۔ اور ایک روایت میں بجائے ستائیں کے پچیس کا عدد آیا ہے۔ اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ جماعت میں پچیس خوبیاں ہیں۔ (اول) لوگوں کا استقلال۔ (دوسرے) لوگوں کی جماعت میں باہمی الفت۔ (تیسرے) ان کے مذہب کی پائیداری۔ (چوتھے) فرشتوں کا محظوظ ہونا۔ (پانچویں) لوگوں کا شیاطین سے روپوش ہونا۔ اور ان پانچ میں سے ہر ایک میں پانچ پانچ خوبیاں ہیں۔ (۱) خدا تعالیٰ کی خوشنودی (۲) دنیا میں لوگوں کا بابرکت

ہونا (۳) ان کے لئے نیکیوں کا لکھا جانا (۴) خطاؤں کی معافی (۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور فرشتوں کا ان کے لئے شفاعت کرنا۔

نماز کی جماعت کی عظمت وفضیلت بتانے کے لئے نبی علیہ السلام کا مختلف اشکال واعداد بیان فرمانے کی حکمت

عظمت وفضیلتِ جماعت بیان کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مختلف اعداد بیان فرمائے، یعنی ۲۷ و ۲۵ درجے بتائے ہیں۔ دراصل ان میں کوئی تفاوت واختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ کبھی کبھی کسی شے کی عظمت اور بڑائی ظاہر کرنے کو کوئی عدد مثال کے طور پر لایا کرتے ہیں۔ ایسے موقع پر عدد کا اظہار مثالی طور پر ہوا کرتا ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ لوگ کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص کی محبت میرے دل میں پہاڑ کے برابر ہے۔ یا فلاں شخص کا مرتبہ آسمان تک پہنچتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے یہ معنے ہیں کہ جب مسلمان قبر میں منکر ونکیر کو ٹھیک جواب دیتا ہے، تو وہ کہتے ہیں ہم پہلے ہی سے جانتے تھے کہ تو یہ جواب دے گا۔ اور اس وقت مسلمان کی قبر بصرہ تک یا ستر گز تک پھیل جاتی ہے۔ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے حوض کی وسعت اتنی ہے جتنی مکہ اور بیت المقدس میں وسعت ہے۔ یا آپ کا قول ہے کہ میرے حوض کی وسعت اس سے زیادہ ہے جتنی شہر ایلیا سے عدن تک ہے۔ ایسی صورتوں میں کبھی کوئی مقدار بیان کی جاتی ہے، کبھی کوئی اور مقدار۔ لیکن اصلی غرض کے لحاظ سے ان میں کوئی اختلاف نہیں ہوا کرتا۔

حکمت تعیین مدت سفر تین ایام

اگر سفر کے لئے کوئی مدت مقرر نہ ہوتی، تو جو شخص اپنے گھر یعنی ایک مقام سے دوسرے مقام کو مدامی قیام کی غرض سے نقل کرتا، وہ مدام قصرِ نماز وافطار روزہ کرتا رہتا۔ جو حکمت ومصلحتِ تکلیف وتشریع کے برخلاف ہے۔ لہٰذا سفر کے لئے ایک معین مدت مقرر ہوئی، تا کہ جب انسان ایک مقام سے جا کر دوسرے مقام میں تین دن سے زیادہ قیام پذیری کا ارادہ کرے، تو وہ مقیم سمجھا جائے۔ اور مقیم کی طرح پوری نماز روزہ کا پابند ہو۔ اور جو شخص کسی مقام میں تین دن یا اس سے کم ٹھہرنے کا ارادہ کرے، وہ قصر نماز وافطار روزہ کرے۔ اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ ہے۔

تین دن کی خصوصیت اس لئے ہے کہ یہ ایسا عدد ہے کہ انسان کو کسی جگہ اقامت کرنی ہو، تو اس میں اپنے آئندہ مایحتاج کی تیاری کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہمانی کے

ایام بھی تین دن مقرر کئے ہیں کہ ان میں انسان مسافر ہے اور اس کے بعد مقیم۔ اور اگر بعض امور مہمّہ کی وجہ سے رک جائے اور تعیین ایام نہ کرے، تو مسافر ہے۔

حقیقت تعلیم ارکان نماز قرآنی

جز و کا حکم اس کے کُل پر اور کُل کا حکم اس کے جز و پر وارد ہونا متعارف ومشہور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کے بعض مقامات میں نماز کے بعض اجزا سے کُل مراد لی گئی ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ ۔یعنی نماز قائم کرو۔ رکوع، سجود، قعدہ سب ارکان ادا کرو۔ اس جگہ قیام سے سارے ارکان نماز مراد ہیں۔ ایک اور جگہ فرماتا ہے۔ فَاِذَا سَجَدُوۡا فَلۡیَکُوۡنُوۡا مِنۡ وَرَائِکُمۡ ۔ترجمہ۔ جب وہ سجدہ کر چکیں، تو وہ تم سے پیچھے ہو جائیں۔ اس جگہ صرف سجدہ آیا ہے، حالانکہ اس جگہ سجدہ سے مراد کل ارکان نماز ہیں۔ ایک اور جگہ فرمایا۔ قُمِ الَّیۡلَ ۔رات کو کھڑے ہو۔ یعنی رات کو نماز پڑھ۔ اس جگہ خدا نے سارے ارکان نماز کو قیام کے لفظ میں ادا فرمایا۔ ورنہ خدا تعالیٰ کی یہ مراد نہیں ہے کہ رات کو یونہی کھڑے رہو۔ ایک اور جگہ پر فرمایا وَارۡکَعُوۡا مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ ۔ترجمہ۔ رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔ اس جگہ رکوع سے سارے ارکان نماز ادا کرنا مراد ہے۔ ایک اور جگہ فرمایا۔ وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُمُ ارۡکَعُوۡا لَا یَرۡکَعُوۡنَ ۔ترجمہ۔ اور جب ان کو کہا جاتا ہے رکوع کرو، تو وہ رکوع نہیں کرتے۔ اس جگہ رکوع سے مراد کل نماز ہے۔ یعنی وہ نماز نہیں پڑھتے۔ ایک اور جگہ پر فرمایا وَ اسۡجُدۡ وَ اقۡتَرِبۡ ۔ترجمہ۔ یعنی سجدہ کر اور میرے قریب ہو جا۔ یعنی نماز پڑھ اور میرے قریب ہو جاؤ۔ اس جگہ خدا نے ایک سجدہ میں سارے ارکان نماز کا ذکر فرما دیا۔

ارکان نماز کی ساری مرتبہ ہیئت مجموعی کو نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے عمل درآمد وسنت متواترہ نے ظاہر فرما دیا ہے۔ پس وہ لوگ جو سنت واحادیث نبویہ کو چھوڑ کر قرآنی نماز پڑھنے کا دعویٰ کرتے ہیں، وہ معلم القرآن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریق کے بغیر قرآنی نماز صحیح نہیں پڑھ سکتے۔ کیونکہ خدا کا کلام ورسول توام ہوتے ہیں۔

قد جاء قول اللہ بالرسل تواما و من دونہم فہم الہدیٰ متعسر

ترجمہ۔ یعنی خدا کا کلام رسولوں کے ساتھ توام آتا ہے۔ پس رسولوں کے بتانے کے بغیر طریق ہدایت کا پانا وکلام الٰہی کا عمل درآمد کرنا مشکل ہے۔ ہم قبل ازیں بھی بیان کر چکے ہیں کہ نماز کے اندر جتنی اشکال و ہیئات مقرر ہیں، وہ سب دعا کی صورتیں ہیں۔ پس جیسا کہ سلاطین عظام کے آگے ان کے خدام پہلے کھڑے ہو کر ان کی صفت وثناء کرتے، پھر جھک کر ان کے جلال اور اپنے انکسار اور ان کی ہیبت کے

ورود کو اپنے او پر ظاہر کرتے اور پھر زمین پر پیشانی کے بل گر کر اپنی انتہائی عاجزی اور ان کی بڑائی کو بیان کرتے ہیں ۔ ان سب حرکات میں طلب حاجات ہی مراد ہوتی ہیں۔ اسی روش پر نماز کے آداب و حرکات خدا کے آگے بجالانے کے لئے موضوع ہیں، جن کے ذریعے طلب حاجات کی جاتی ہیں۔

قرآن کریم میں نماز کے بعض اجزا کا جہاں ذکر آتا ہے، اس میں کل مجموع ارکان نماز مراد ہوتے ہیں، کیونکہ جز وکل میں شامل ہوتا ہے۔

حقیقت تحیّہ ءنماز

واضح ہو کہ تحیّہ عربی میں کسی کی تعریف، مدح، ستائش، بڑائی اور اس کی مہربانیوں اور انعامات اور اس کی شکر گذاری کے واسطے اس کے حسن اور احسان کو یاد کر کے اس کے گرویدہ ہونے کے بیان کرنے کو کہتے ہیں۔ اور بعض نے قولی عبادت بھی اس کا ترجمہ کیا ہے۔

عبادت فرمانبرداری اور تعظیم کا نام ہے۔ اس واسطے زبان سے جو کچھ فرمانبرداری اور عبادت کا اظہار کیا جاتا ہے، اس کا نام تحیّہ ہے۔ چونکہ کل انعامات اور فیوض کا سچا اور حقیقی سر چشمہ اللہ تعالیٰ ہی ہے اور بجز اسکے خاص فضل کے ہم دنیا و مافیھا کے کل سامان آرام و آسائش سے متمتع نہیں ہو سکتے۔ اس لئے صرف اسی کی حمد وستائش کے گیت گانے اور اس کی فرمانبرداری کو سب پر مقدم کرنا چاہیئے۔ دیکھو اگر کوئی محسن ہمیں ایک اعلیٰ درجہ کی عمدہ اور نفیس گرم پوشاک دے، مگر اللہ کا فضل شامل حال نہ ہو اور ہمیں سخت محرقہ تپ ہو، تو وہ لباس ہمارے کس کام آ سکتا ہے۔ اور اگر ہمارے سامنے اعلیٰ سے اعلیٰ مرغن کھانے قسم قسم کے رکھے جائیں، مگر ہم کو تے کا مرض لاحق ہو، تو ہم ان کھانوں کی لذت کیسے اٹھا سکتے ہیں۔

غرض غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آسائش و آرام کے کل سامانوں کے مادے پیدا کرنا بھی جس طرح اللہ ہی کا کام ہے، اسی طرح ان سے متمتع اور بارور ہونا بھی محض اللہ کے فضل پر موقوف ہے۔ اعمال نیک کی توفیق رفیق کرنا اور راہ ہدایت پر قائم و ثابت قدم رکھنا وصحت عطا کرنا، قوت ذائقہ بخشنا، قوت ہاضمہ کا بحال رکھنا، سب خدا کے فضل پر موقوف ہے۔ اس لئے حکم ہے کہ **وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ** ۔ تحدیث نعمت کرنا اور خدا تعالیٰ کے انعامات کا شکر ادا کرنا ازدیاد انعامات کا باعث ہوتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ** ۔ ترجمہ۔ یعنی اگر تم شکر گذار ہو گے، تو میں تم پر مزید انعامات کروں گا۔ پس اس طرح سے تحدیث نعماء اور عطایاء الٰہی اور شکر کا اظہار زبان سے کرنے کا نام تحیّہ ہے۔

اور صلوٰۃ اس تعظیم اور عبادت کا نام ہے، جو زبان، دل اور اعضاء کے اتفاق سے ادا کی جائے۔

کیونکہ ایک منافق کی نماز، جو ریاء اور دکھلاوے کی غرض سے ادا کی گئی ہو، نماز نہیں ہوسکتی۔ نماز بھی ایک تعظیم ہے، جس کا تعلق بدن سے ہے۔ بدن کا بڑا حصہ دل اور دماغ ہیں۔ چونکہ زبان نماز کے الفاظ ادا کرنے میں اور دل و دماغ اس کے مطالب و معانی میں غور کر کے توجہ الی اللہ کرنے میں اور ظاہری اعضاء ہاتھ پاؤں وغیرہ ظاہری حرکات تعظیم کے ادا کرنے میں شریک ہوتے ہیں اور ان سب کے مجموعہ کا نام بدن یا جسم ہے۔ اس لئے بدنی عبادت کا نام صلوٰۃ ٹھہرا۔

دل و دماغ خدا کی بزرگی اور حق سبحانہ کی عظمت کا جوش پیدا کرتے ہیں بذریعہ اس کے انعامات اور حسن و احسان میں غور کرنے کے۔ اور پھر اس جوش کا اثر جان پر یوں ظاہر ہوتا ہے کہ زبان کلمات تعریف و ستائش کہنے شروع کر دیتی ہے اور پھر اسکا اثر اعضاء اور ظاہری جوارح پر پڑتا ہے اور ادب و تعظیم کیلئے کمربستہ ہونا، رکوع کرنا، سجود کرنا وغیرہ ظاہری حرکات تعظیم بجالاتے ہیں۔ پھر یہ اثر اسی جگہ محدود نہیں رہتا، بلکہ انسان کے مال پر بھی پڑتا ہے۔ اور اس طرح سے انسان اپنے عزیز اور طیّب مالوں کو خدا کی رضا جوئی اور خوشنودی کے واسطے بے دریغ خرچ کرتا ہے اور اپنے مال کو بھی اپنے دل و دماغ، زبان اور ظاہری اعضاء کے ساتھ شامل و متفق کر کے عبادت الٰہی میں لگا دیتا ہے، تو اس کا نام **اَلطَّیِّبَات** ہے، جس کو بالفاظ دیگر یوں بیان کیا گیا ہے **مالی عبادت**۔ اور یہ بھی صرف اللہ جلشانہ کا حق ہے۔

غرض التحیات۔ الصلوٰت۔ الطیبات تینوں طرح کی عبادات فقط اللہ جلشانہ ہی کا حق ہے۔ کسی قسم کی عبادت میں اسکا کوئی شریک نہیں۔ اللہ تعالیٰ اسبات سے غنی ہے کہ کوئی اسکا شریک اور ساجھی ہو۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَ بَرَکَاتُہ‘ ۔ قاعدہ کی بات ہے کہ ہر محسن اور مربی کی محبت کا جوش انسان کے دل میں فطرتاً پیدا ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پر کیسے کیسے احسانات ہیں۔ وہی ہیں جن کے ذریعہ ہم نے خدا کو جانا، مانا، پہچانا۔ وہی ہیں جن کے ذریعہ سے ہمیں خدا کے اوامر و نواہی اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی راہیں بذریعہ قرآن شریف معلوم ہوئیں۔ وہی ہیں جنکے ذریعہ سے خدا کی عبادت کا اعلیٰ سے اعلیٰ طریقہ آذان اور نماز ہمیں میسر ہیں۔ اور وہی ہیں جن کے ذریعہ سے ہم اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج تک ترقی کر سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ خدا سے مکالمہ و مخاطبہ ہوسکتا ہے۔ وہی ہیں جن کے ذریعہ سے **لَا اِلٰـہَ اِلا اللہ** کی پوری حقیقت ہم پر منکشف ہوئی اور وہی ہیں جو خدا نمائی کا اعلیٰ ذریعہ ہیں۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پر اتنے احسانات اور انعامات ہیں کہ ممکن تھا کہ جس طرح سے اور قومیں اپنے محسنوں اور نبیوں کو بوجہ ان کے انعامات کثیرہ کے غلطی سے بجائے اس کے کہ ان کو خدا نمائی اور خدا شناسی کا ایک آلہ سمجھتے انہی کو خدا بنا لیا۔ اور توحید

سکھانے والے لوگوں کو واحد و یگانہ مان لیا۔ اور ان کی تعلیمات کو، جو نہایت ہی خاکساری اور عبودیت سے بھری ہوئی تھیں، بھول کر ترک کر دیا۔ اور انہی کو معبود یقین کر لیا۔ ہم مسلمان بھی ممکن تھا کہ ایسا کر بیٹھتے مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اور اس امت مرحومہ پر رحم کرنے اور اسے خطرناک ابتلا سے بچانے کی غرض سے مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ کا فقرہ ہمیشہ کے لئے توحید الٰہی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا جزو بنا کر مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے شرک سے بچا لیا۔ بلکہ اسی باریک حکمت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر بھی مدینہ منورہ میں بنوائی مکہ معظّمہ میں نہیں رکھی۔ کیونکہ اگر مکہ معظّمہ میں آپ کی قبر ہوتی تو ممکن تھا کہ کسی کے دل میں خیال پرستش آ جاتا۔ یا کم از کم دشمن اور مخالف ہی اس بات پر اعتراض کرتے۔ مگر اب مدینہ میں قبر ہونے سے جو لوگ مکہ معظّمہ میں جانب شمال سے جانب جنوب منہ کر کے نماز ادا کرتے ہیں تو ان کی پیٹھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی طرف ہوتی ہے۔ اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے یہ ایک راہ آپ کی قبر کے نہ پوجے جانے اور مسلمانوں کے شرک میں مبتلا نہ ہونے کے واسطے بنا دی۔ غرض اس طرح جن باتوں میں اس بات کا وہم و گمان بھی ہو سکتا تھا کہ کوئی شخص آپ کو خدا بنائے گا، آپ کے شریک فی الذات یا صفات ہونے کا گمان بھی جن باتوں سے ممکن تھا، ان کا خود خدا نے اسلام کی سچی اور پاک تعلیم میں بندوبست کر دیا کہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی مسلمان اس امر کا مرتکب ہو۔

مگر چونکہ محسن سے محبت کرنا اور گرویدہ ءاحسان ہونا انسانی فطرت کا تقاضا تھا، اس واسطے ایک راہ کھول دی کہ ہم آپ کے لئے دعا کیا کریں اور اس طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدارج میں ترقی ہوا کرے۔ چنانچہ ہر مسلمان نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ کا پاک تحیہ پیش کرتا ہے۔ اور درد دل سے گداز ہو کر گویا آپ کے احسانات اور مہربانیوں کے خیال سے آپ کی ایسی محبت پیدا کر لیتا ہے، جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سامنے موجود ہیں۔ آپ کے حسن و احسانات کے نقشہ اور مہربانیوں سے آپ کا وجود حاضر کی طرح سامنے لا کر مخاطب کے رنگ میں دعا کرتا ہے۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ۔ ترجمہ۔ یعنی اے نبیؐ تجھ پر خدا کی رحمت اور برکات نازل ہوں۔

بِرْکَۃٌ عربی زبان میں تالاب کو کہتے ہیں۔ اس نشیب کا نام ہے، جہاں ادھر ادھر کا پانی جمع ہو جاتا ہے۔ مبارک بھی اسی سے نکلا ہے۔ اور برکت بھی اسی سے ہے۔ مطلب یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہمیشہ کچھ ایسے پاک لوگ پیدا ہوتے رہیں گے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصلی

اور حقیقی مذہب اور تعلیم توحید کو قائم کرتے اور شرک و بدعات کو، جو کبھی امتداد زمانہ کی وجہ سے اسلام میں راہ پا جائیں، ان کا قلع قمع کرتے رہیں گے۔ اور یہ ضروری بات ہے کہ آپ کی سچی تعلیم و تربیت کا نمونہ ہمیشہ بعض ایسے لوگوں کے ذریعہ ظاہر ہوتا رہے، جو امت مرحومہ میں ہر زمانہ میں موجود ہوا کریں۔ چنانچہ قرآن شریف میں بھی بڑی صراحت سے اب بات کو الفاظ ذیل میں بیان کیا گیا ہے۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضىٰ لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوفِهِمْ اَمْناً يَعْبُدُوْنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْئاً وَّ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَالِكَ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْن ۔ ترجمہ۔ یعنی خدا تعالیٰ وعدہ کرتا ہے ان لوگوں سے، جو تم میں سے ایمان لائے اور عمل صالح کئے کہ ان کو خدا تعالیٰ زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ خلیفہ بنایا ان سے پہلوں کو۔ اور ان کو ان کا دین قائم کر دے گا، جو خدا نے ان کے لئے پسند کیا۔ اور خوف کے بعد ان کو امن اور پناہ دے گا۔ وہ میری عبادت کریں اور میرے ساتھ کسی شئے کو شریک نہ بنائیں۔ اور جو کوئی اس کے بعد انکار کرے گا، تو ایسے لوگ فاسق ہیں۔

اور حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا یزال اللہ یغرس فی ھذا الدین غرسا یستعملھم فی طاعتہ ۔ ترجمہ۔ یعنی خدا تعالیٰ ہمیشہ اس دین میں ایسے لوگوں کا درخت لگاتا رہے گا، جن کو اپنی اطاعت میں لگا دے گا۔

اور دوسری حدیث میں آیا ہے لاتقوم الساعۃ الا و طائفۃ من امتی ظاھرون علی الناس لا یبالون من خذلھم و لا من نصرھم ۔ ترجمہ۔ یعنی قیامت قائم ہونے تک ایک گروہ میری امت میں سے سچائی دین کے ساتھ لوگوں پر ظاہر و باہر غالب رہیگا۔ وہ کسی کی پرواہ نہ کریں گے، خواہ ان کا کوئی مددگار رہے یا ان کو چھوڑ کر ان سے الگ ہو جائے (کذا فی ابن ماجہ) یہ گروہ مجددین اسلام اور ان کے خلفاء کا ہے، جو قیامت تک اس امت میں رہیں گے۔ الغرض اس طرح سے اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَ عَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْن کہنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے دین کے سچے خادموں، جو صحابہ، اولیاء اللہ، اصفیاء، اتقیاء اور ابدال کے رنگ میں آئے اور قیامت تک آتے رہیں گے، ان کے واسطے بھی بوجہ ان کی حسن خدمات کے، جن کی وجہ سے انہوں نے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر بہت بھاری احسانات اور انعامات کئے، ان کے واسطے بھی دعا کرے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو کوئی اس گروہ پاک کی مخالفت کرے گا اور اس کو نگاہ عزت سے نہ دیکھے گا اور ان کے احکام اور فیصلوں کی پرواہ نہ کرے گا، تو وہ فاسق ہوگا۔ بلکہ وہاں تک جہاں تک تعظیم الٰہی اور تعظیم کتاب اللہ اور تعظیم رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیتی ہو، اس گروہ کا ادب اور عزت کرنی اور اس خیل پاک کے حق میں دعائیں کرنے کا حکم قرآن سے ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ آیت ذیل میں اس مضمون کو یوں ادا کیا گیا ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاؤُا مِنْ بَعْدِ هِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَؤُفُ الرَّحِيْم ۔ترجمہ۔یعنی وہ لوگ صالحین کا گروہ، جو ان کے بعد پیدا ہوئے، دعا کرتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار بخش ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو، جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ گذر گئے۔ اور ہمارے دلوں میں ان لوگوں کے لئے کینہ نہ رکھ، جو ایمان لائے۔ اے ہمارے پروردگار تو مہربان اور رحیم ہے۔

غرض پہلے بزرگوں اور خادمان اسلام وشریعت کے واسطے دعائیں کرنا اور ان کی طرف سے کوئی بغض وکینہ، غل وغش دل میں نہ رکھنا، یہ بھی ایمان اور ایمان کی سلامتی کا ایک نشان ہے۔ پس انسان کو مرنج اور مرنجاں ہونا چاہیئے اور خدا کی باریک در باریک حکمتوں اور قدرتوں پر ایمان لانا چاہیئے اور کسی سے بھی بغض و کینہ دل میں نہ رکھنا چاہیئے ۔ خدا کی شانِ ستاری سے ہمیشہ فائدہ اٹھاتے رہنا چاہیئے ۔کیونکہ ممکن ہے کہ جن کو تمہاری نظریں برا اور بدخیال کرتی ہیں، ان کو توبہ کی توفیق مل جاوے۔اَللّٰهُ اَفْرَحُ مِنْ تَوْبَةِ الْعَبْدِ ۔ترجمہ۔یعنی خدا اپنے بندے کی توبہ سے بہت خوش ہوتا ہے۔اس سے بھی بڑھ کر جس کا کسی ویران اور بھیانک وسیع جنگل میں سامان خوردونوش ختم ہوجائے اور اس لئے اسے ہلاکت کا اندیشہ ہو، مگر پھر اسے سامان میسر آ جائے، جس طرح وہ خوش ہوگا، اس سے بھی بڑھ کر خدا اپنے بندوں کی توبہ سے خوش ہوتا ہے۔ ممکن ہے جس کو تم حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو، اسے توبہ کی توفیق مل جائے اور دوسرا اپنے کبر کی وجہ سے راندہ ءدرگاہ اور ہلاک ہوجائے۔بعض بدیاں حبط اعمال کا موجب ہو جاتی ہیں۔ اور بعض اعمال جہنم میں لے جاتے ہیں۔ تمام صالحین کے واسطے دعائیں کرتے رہنا چاہیئے ۔ان کے احسانات اسلام اور مسلمانوں پر بہت کثرت سے ہیں۔غور کا مقام ہے کہ انہوں نے یہ دین اور یہ کتاب اور یہ سنت یہ نماز روزہ ہم تک پہنچانے کے واسطے کس طرح اپنی جانیں خرچ کردیں۔ خون پانی کی طرح بہا دیا۔ اپنے نفسوں پر آرام اور نیند حرام کر لی ۔ کتنے بڑے بڑے سفر پا پیادہ ان مشکلات کے زمانہ میں کئے ۔ایک ایک حدیث کی تحقیقات اور اس کے راوی کے منہ سے سننے کے واسطے سینکڑوں کوسوں کے ناقابل گذر اور دشوار گذار سفر انہوں نے کئے ۔پس ان کے احسانات، ان کی مساعی جمیلہ، کوششوں ۔محنتوں اور جانفشانیوں کو نظر کے سامنے رکھ کر ان کے واسطے دردمند دل سے تڑپ تڑپ کر دعائیں کرو۔ اگر ان کی محنتیں اور کوششیں نہ ہوتیں اور وہ بھی ہماری طرح سست اور کاہل ہوتے، تو

غور کرو کہ کیا اسلام موجودہ حالت میں ہوسکتا تھا اور ہم مسلمان کہلانے کے مستحق ہو سکتے تھے؟ ہرگز نہیں۔ پس ان کے واسطے دعائیں کرنا اور نماز میں ان کے حقوق ادا کرنے کا جزو ہونا بھی لازمی اور ضروری تھا۔ بلکہ از بس ضروری تھا، کیونکہ مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللهَ۔ یعنی جو شخص لوگوں کا شکرگذار نہ ہو وہ خدا کا شکرگذار نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کرنے والا اور اس کے مقابلہ میں کسی دوسرے کی پرواہ نہ کرنے والا ہونا اور پھر نبوت اور کتب پر ایمان لانے والا بننا چاہیئے۔

جلسہءتحیّہ کے بعد درود نبویؐ پڑھنے کی حکمت

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ. اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ ترجمہ۔ یعنی اے اللہ رحمت بھیج محمدؐ اور آل محمدؐ پر جیسا کہ تونے رحمت بھیجی ابراہیم اور آل ابراہیم پر، بیشک تو ستودہ صفات اور بزرگ ہے۔ اے اللہ برکت بھیج محمدؐ اور آل محمدؐ پر جیسا کہ تونے برکت بھیجی ابراہیم اور آل ابراہیم پر۔ بیشک تو ستودہ صفات اور بزرگ ہے۔

یہ الفاظ جو ہم نماز میں پڑھتے ہیں ان کا نام ہے درود۔ واقع میں اگر ہم اللہ کے پورے پورے بندے اور عابد اور تعظیم کرنے والے ہیں اور مخلوق پر شفقت اور رحم کرنے والے علوم اور عقائد سے خوشحال ہوں، تو یہ سب فیضان اور احسان حقیقت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ہے۔ آپ کے دل میں درد اور جوش نہ ہوتا، تو قرآن کریم جیسی پاک کتاب کا نزول کیسے ہوتا۔ آپ کی مہربانیاں اور توجہات اور محنتیں اور تکالیف شاقہ نہ ہوتیں، تو یہ پاک دین ہم تک کیسے پہنچ سکتا۔ آپ نے یہ دین ہم تک پہنچانے کی غرض سے خون کی ندیاں بہادیں اور ہمدردی خلق کے لئے اپنی جان کو جوکھوں میں ڈالا۔ تو پھر غور کا مقام ہے کہ جب ادنیٰ ادنیٰ محسنوں سے ہمیں محبت پیدا ہوجانا ہماری فطرت سلیم کا تقاضا ہے، تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا جوش کیوں مسلمان کے دل میں موجزن نہ ہوگا۔

درود بھی درد سے ہی نکلا ہوا ہے۔ یعنی خاص درد سوز گداز اور رقت سے خدا کے حضور التجا کرنی کہ اے مولیٰ تو ہی ہماری طرف سے خاص خاص انعامات اور مدارج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر۔ ہم خود کیا کر سکتے ہیں اور کس طرح سے آپ کے احسانات کا بدلہ دے سکتے ہیں، بجز اس کے کہ تیرے ہی حضور میں التجا کریں کہ تو ہی آپ کو ان سچی محنتوں اور جانفشانیوں کا سچا بدلہ، جو تونے آپ کے

واسطے مقرر فرما رکھا ہے وہ آپ کو عطا فرما۔ انسان جب خاص رقت اور حضور قلب اور تڑپ سے گداز ہو کر آپ کے واسطے دعائیں کرتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدارج میں ترقی ہوتی ہے اور خاص رحمت کا نزول ہوتا ہے اور پھر اس دعا کو درود خواں کے واسطے بھی ادھر سے رحمت کا نزول ہوتا ہے اور ایک درود کے بدلہ میں دس گنا اجر پاتا ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اس درود خوان اور آپ کی ترقی مدارج کے طالبوں سے خوش ہوتی ہے اور اسی خوشی کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اس کو دس گنا اجر عطا کیا جاتا ہے۔ انبیاء کسی کا احسان اپنے ذمہ نہیں رکھتے۔

اب ہم حقیقت تحیّہ بیان کرنے کے بعد یہ ظاہر کرتے ہیں کہ تحیّہ کے مذکورہ بالا وہی فقرات ہیں، جو مسلمان ہر دو رکعت کے بعد پڑھتا ہے۔ جو شخص دن رات میں چالیس رکعت نماز ادا کرتا ہے، وہ ان فقرات کو بیس مرتبہ پڑھتا ہے۔ تین رکعت والی نماز میں یہ کلمات دو مرتبہ پڑھے جاتے ہیں۔ فرائض، سنن اور نوافل سب میں ان کا پڑھا جانا ضروری ہے۔ قرآن شریف اور احادیث میں بھی نماز کو سنوار کر اور سمجھ کر پڑھنے کی سخت تاکید کی گئی ہے۔ حتیٰ کہ سمجھ سوچ کر نہ پڑھنے والوں کی نماز نماز ہی نہیں ہوتی۔ اور نہ اس کو قبولیت کا درجہ عطا کیا جاتا ہے۔ طوطے کی طرح الفاظ رٹتے رہنا اور حقیقت نماز سے بے خبر ہونا مفید نہیں ہے۔ اور نہ ہی یہ خدا اور اسکے رسولؐ کا منشا ہے۔ متوالوں کو جو حالت نشہ میں ہوں مسجد میں آنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ غرض قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل وقول میں غور کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ نمازی کے واسطے نماز کے مطالب خوب اچھی طرح سے ذہن نشین ہونے لازمی رکھے گئے ہیں۔ پس ہر انسان کو لازم ہے کہ نماز کے مطالب اور معانی کے سمجھنے کی کوشش کرے۔

درود شریف پر ایک آریہ کے اعتراض کا جواب

سوال۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ **اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ** ۔ترجمہ۔یعنی آج میں نے کامل کر دیا تمہارے لئے دین تمہارا۔ تو اس کے بعد تم لوگ درود شریف پڑھ کر محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے لئے کیا مانگتے ہو؟ جیسا کہ **کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِیْمَ** سے ظاہر ہوتا ہے۔

جواب۔ یاد رکھو ایک خدا کا فضل ہوتا ہے اور ایک تکمیل دین ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل محدود نہیں ہوتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خود محدود نہیں۔ پس ایسا ہی اس کے فضل محدود نہیں ہوتے۔ اس کے گھر کا دوالہ کبھی نہیں نکلتا۔ وہ جو کچھ کسی کو عنایت کرتا ہے، اس سے بدرجہا بڑھ کر دے سکتا ہے۔ اس واسطے مسلمانوں نے بہشت اور بہشت کی نعماء کو لا انقطاع وابدی مانا ہے، جیسے کہ خدا فرماتا ہے۔ **عَطَاءً غَیْرَ**

مَجْذُوْذٍ ۔ترجمہ۔یعنی بخشش بے انقطاع ولا انتہا ملے گی۔اور پھر فرمایا لَا مَقْطُوْعَةٍ وَ لَا مَمْنُوْعَةٍ ۔ یعنی خدا کی بخشش غیر منقطع وغیر ممنوع ہوگی۔غرض جب کہ خدا کے فضل بے انت ٹھیرے اور ہم جناب الٰہی سے اپنے محسن کے لئے درد دل سے خاص رحمتوں کا نزول طلب کریں گے،تو خدا تعالیٰ ہماری عرض داشت پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص رحمتوں کا بھیجنا منظور فرمائیگا۔اور چونکہ اس دعا کے لئے اس نے خود ہمیں حکم دیا ہے،اس واسطے یقیناً صلوٰۃ اور سلام کی دعا قبول ہوگی۔اور اس ذریعہ سے جب ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص انعامات حاصل ہوں گے،تو وہ خوش ہو کر ملاء اعلیٰ میں ہمارے لئے توجہ کریں گے۔پس درود شریف کے پڑھنے سے مومن کو چار فائدے حاصل ہو سکتے ہیں۔

۱۔خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجائیگا۔کیونکہ وہ ایک ایسی بلند شان والی قادر اور توانا ہستی ہے کہ سب کے سب انبیاء رسول اور دیگر الوالعزم ہر وقت اس کے محتاج ہیں۔

۲۔خدا تعالیٰ کا کمال غنا ظاہر ہوگا۔بلکہ سارا جہان اس سے سوال کرتا رہیگا،مگر اس کے خزانے ختم نہیں ہو سکتے۔اور جتنا دیتا ہے،اس سے بھی بدرجہا بڑھ کر دینے کے لئے اس کے پاس موجود ہے۔

۳۔اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ اعتقاد پختہ ہو جائیگا کہ وہ خدا کا محتاج ہے اور ہر آن میں محتاج ہے۔خدائی مرتبہ پر نہیں پہنچا اور نہ پہنچے گا۔بلکہ عبد کا عبد ہی ہے اور عبد ہی رہے گا۔اور خدا تعالیٰ کا فیضان ان پر ہمیشہ ہوتا رہتا ہے اور ہوتا رہے گا۔

۴۔درود شریف کا پڑھنے والا اس ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس ترقی میں شریک رہے گا۔باقی رہا عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ تو اس کا یہ جواب ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل ہی میں داخل ہیں اور صلوٰۃ بھیجنے والا چاہتا ہے کہ جس قدر برکات اور انعامات حضرت اور اس کی اولاد پر ہوئے ہیں ان سب کا مجموعہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہو۔اس سے تو یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کمتر درجہ پر ہیں۔بلکہ اس سے تو ان کے اعلیٰ مدارج کا پتہ لگتا ہے۔چونکہ درود شریف پڑھنا ایک نیک کام ہے اور یہ ایک حکم ہے کہ جو کوئی نیکی سکھاتا ہے،تو اس کو بھی اسی قدر ثواب پہنچتا ہے،جس قدر کہ سیکھ کر عمل کرنے والے کو۔اس لئے دنیا میں جس قدر لوگ نمازیں پڑھتے ہیں اور عبادات کرتے ہیں ان سب کا ثواب ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہنچتا ہے۔اور ہر وقت پہنچتا ہے۔کیونکہ زمین گول ہے۔اگر ایک جگہ فجر ہے تو دوسری جگہ عشا ہے۔ایک جگہ اگر عشا ہے تو دوسری جگہ شام ہے۔ایسے ہی اگر ایک جگہ ظہر کا وقت ہے تو دوسری جگہ عصر کا وقت ہوگا۔غرض ہر گھڑی اور ہر وقت ہمارے نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ثواب پہنچتا رہتا ہے۔ دنیا میں کروڑ در کروڑ رکوع اور سجود کرتے اور درود پڑھتے اور دوسری دعائیں مانگتے ہیں۔ اور پھر اس کے علاوہ دوسرے احکام پر چلتے، روزے رکھتے، زکوٰتیں ادا کرتے ہیں۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ ہر آن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان عبادات کا ثواب پہنچتا رہتا ہے۔ کیونکہ اسی نے تو یہ باتیں سکھائی ہیں کہ تم لوگ نمازیں پڑھو، زکوٰتیں دو۔ اور مجھ پر درود بھیجو۔ اور پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی روح جو دعائیں مانگتی ہوگی وہ ان کے علاوہ ہیں۔ اب تم سوچ سکتے ہو کہ جب سے مسلمان شروع ہوئے اور جبتک رہیں گے ان سب کی عبادتیں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہء اعمال میں بھی ہونی چاہئیں۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ وہ دنیا کی کل مخلوقات کا سردار ہے، کیونکہ اس کے اعمال تمام دنیا سے بڑھے ہوئے ہیں۔ وجہ یہ کہ جو کوئی مسلمان نیکی کرے گا، وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہء اعمال میں ضرور لکھی جائی گی۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمام رسولوں، نبیوں اور اولیاؤں کا بھی سردار ہے۔ کیونکہ دنیا میں جس قدر رسول گذرے ہیں ان کی امتیں ان کے لئے دعائیں نہیں کرتیں۔ مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ان کی امت دن رات دعائیں مانگتی رہتی ہے۔ اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام نبیوں اور تمام مخلوق سے بڑھ کر ہونے کا یہ ایک ثبوت ہے۔

امامت نماز و جماعت کی حکمت

ا۔ جب کسی امر کا اظہار بزور منظور ہوتا ہے تو اس کو عملی صورت میں لا کر دکھاتے ہیں۔ چونکہ خدا تعالیٰ کو اس عالم کی ہر چیز میں اعتدال منظور ہے اور اشیاء میں جب ہی اعتدال قائم رہتا ہے کہ ان میں اتحاد اور وحدت کا رابطہ قائم ہو۔ پس خدا نے وحدت و اتفاق کو عالم تشریعی کے اندر جماعت و امامت نماز کی صورت میں دکھایا۔ نظام شمسی کو دیکھو کہ خدا تعالیٰ نے سارے اجرام صغیرہ و کبیرہ پیدا کر کے ان سب کا امام اکبر و اعظم آفتاب کو بنایا اور سارے خورد و بزرگ اجسام و اجرام کو اس کے ماتحت ٹھیرایا۔ الغرض عالم اجسام کے تمام سلاسل خورد و بزرگ آفتاب تک بتدریج پہنچتے ہیں۔ پس جو شکل خدا نے عالم کون و قانون قدرت میں پیدا کی ہے، وہی صورت جماعت و نماز کی امامت یعنی عالم تشریعی میں ظاہر کر کے بنی آدم کو ظاہری و باطنی اتفاق کی طرف ایما فرمایا اور دکھا دیا کہ اتفاق و وحدت ہی کی برکت ہے، جس کے ساتھ دنیا کا قیام موجود ہے۔ پس جب کہ عالم اجسام میں ہر وقت ایک امام کی ضرورت رہتی ہے، تو پھر کیونکر گمان ہوسکتا ہے کہ خدا نے روحانی عالم کے قیام کے لئے کوئی روحانی امام مقرر نہ کیا ہو جس تک بتدریج یہ سلسلہ منتہی ہوتا ہو۔ سو وہ انبیاء و رسل اور ان کے خلفاء ہیں۔ نماز کی امامت میں اسی

روحانی رابطہ واتحاد کی طرف ایما ہے۔جس کا سلسلہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منتہی ہوتا ہے۔ پس جو شخص اس کے برخلاف عمل کرتا ہے وہ مرتبہ اعتدال کو چھوڑتا اور خدا تعالیٰ کے قانون قدرت اور عالم تشریعی سے خارج ہوکر باغی کہلاتا ہے۔

۲۔ظاہری گورنمنٹوں اور سلطنتوں کے انتظام وحدت پر نمبردار ومحاسب سے لیکر وائسرائے و بادشاہ تک کے درمیانی سلسلہء ماتحت ملازمین پر غور کرو کہ اگر وہ ایک دوسرے کے ماتحت ہوکر کام نہ کریں، تو ساری سلطنت ایک دم میں تباہ ہوجائے۔

۳۔نماز کی امامت و جماعت کے لئے قانون قدرت کے نظائر موجود ہیں۔خود انسانی جسم کی ساخت اور بناوٹ میں اس کے نمونے نظر آتے ہیں۔

۴۔قوموں کی عظمت و جبروت پر نظر کرو اور ان اسباب کی تحقیقات کرو جو انکی عظمت کا اصل باعث ہیں۔انجام کار تم کو اس نتیجہ پر پہنچنا پڑے گا کہ وہ کسی راستباز کی معیت اور صحبت کا نتیجہ ہیں۔یہ امر الگ ہے کہ بعد میں اور اسباب بھی اس کے ساتھ مل گئے۔

۵۔پہاڑوں کی طرف نگاہ کرو۔پہاڑ کا لفظ ہی انسان کے اندر ایک عظمت اور شوکت اس کے نام کی پیدا کرتا ہے۔مگر اصل کیا ہے ذرات کا مجموعہ ہے۔اب اگر ذرات پراگندہ اور منتشر حالت میں ہوتے، تو کیا ہم ان کا نام پہاڑ رکھ سکتے؟ ہرگز نہیں۔یہی ذرات حالت منتشرہ میں بے شمار تعداد میں تھلوں وریگستانوں میں موجود ہوتے ہیں۔کیا کوئی کہتا ہے کہ یہ پہاڑ ہیں؟ کبھی نہیں۔پس اگر یہ ذرات حالت منتشرہ میں ہوتے، تو تھلوں سے زیادہ ان کی شوکت اور وقعت نہ ہوتی۔اور وہ مفاد اور منافع جو اس ہیئت مجموعی میں، جو پہاڑ کی ہے، دنیا کو پہنچتے ہیں نہ پہنچ سکتے۔حالت اجتماعی میں پہاڑوں سے چشمے نکلتے ہیں، دریا بہتے ہیں۔ندیاں نالوں کا سلسلہ جاری ہوسکتا ہے۔عجیب عجیب قسم کی لکڑیاں اور دوائیوں کے سامان پہاڑوں سے حاصل ہوتے ہیں۔یہاں تک کہ بعض مقامات میں سے بڑی بڑی گرانقدر کانیں سونے اور چاندی وغیرہ کی نکلتی ہیں۔غرض ہر قسم کی راحت اور آسائش اور تمول کا سامان ایک طرح پر پہاڑوں سے حاصل ہوتا ہے۔اور بالمقابل انفرادی حالت تھلوں کی دیکھ لو کہ ریت اڑتی ہے نہ پیداوار ہوسکتی ہے نہ کوئی درخت ہی پیدا ہوسکتا ہے نہ کچھ اور۔یہ تو جمادات کا نظارہ ہے جو اوپر ظاہر کیا گیا۔اب نباتات کو لو۔درخت اور اس کی شاخوں کو دیکھو، جو اس کے ساتھ لگی ہوئی ہوتی ہیں کہ وہ کیسی سرسبز اور تر وتازہ وخوشنما رہتی ہیں۔ان کی ہر حالت اور ہر صورت خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔جو غذا ان کو درخت کی جڑ کے ذریعہ اور پھر اس کے بڑے تنے کے ذریعہ، جن کے ساتھ ان کا پیوند ہے، پہنچتی ہے وہ

بہر حال حصہ رسدی سے پہنچتی ہے۔لیکن باوجود اس کے بھی وہ شاداب اور سرسبز ہیں۔اب ان میں سے ایک شاخ کو کاٹ لو جب کہ خشک درخت بھی کوئی نہ کوئی پتا نکال لیتے ہیں اور بڑے تالاب میں اس شاخ کو رکھ دو اور نتیجہ کا انتظار کرو۔ کیا ہوگا۔ وہ شاخ مرجھا جائے گی۔خشک ہو جائیگی۔ آخر سڑ جائیگی اور تھوڑی دیر پہلے درخت کے ساتھ رہ کر انسانی زندگی کے لئے ایک نفع رساں اور راحت بخش ہوا کا ذریعہ تھی۔ وہی شاخ اس سے الگ ہو کر مضر صحت مواد اور اسباب پیدا کرنے کا ذریعہ ہوگئی۔ باوجودیکہ اسے پہلے سے زیادہ پانی میں رکھا گیا۔مگر وہ اس کے لئے آب حیات کی بجائے زہر کا کام دے رہا ہے۔اب اس کے ہرے بھرے رہنے اور مثمر ثمرات اور نفع رساں ہونے کی کیا توقع ہوسکتی ہے۔کوئی نہیں۔لیکن وہی شاخ جب درخت کے ساتھ اس کا پیوند ہوتا ہے کیسے ثمرات لاتی اور پھل پھول لا کر انسان کے لئے اور حیوانات کے لئے مفید اور نافع ہوتی ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بزرگ اور عظیم تنہ کے ساتھ اس کا پیوند ہے، جو اس کے لئے مفید اور مثمر ثمرات ہونے کا باعث تھا۔اور وہ الگ ہو کر کبھی کوئی مفید شئے نہیں ہوسکتی۔

۶۔اپنی نظر کو ذرا اور وسیع کرو اور ریل گاڑی کی طرف دیکھو۔ٹرین جس میں سٹیم انجن نہ لگا ہوا ہو اس میں خواہ کیسی ہی مصفا اور شاندار گاڑیاں لگی ہوئی ہوں، لیکن سٹیم انجن کے نہ ہونے کے سبب ان میں کوئی حس و حرکت پیدا نہیں ہوگی اور وہ منزل مقصود تک نہیں پہنچے گی۔

۷۔حیوانات پر غور کرو۔ مرغی کے بچے اگر متفرق کر دیئے جائیں،تو خواہ ان کو کیسی ہی غذا دو لیکن اگر وہ مرغی کے پروں کے نیچے آ کر اس کی حرارت سے حصہ نہیں لیتے،تو وہ زندہ نہیں رہ سکتے۔ان کو چیلیں اور دوسرے جانور کھا جائیں گے۔

۸۔غرض یہ تو سچ ہے کہ مادہ نشو ونما پاتا ہے لیکن تعلق کے ساتھ۔

۹۔اسی طرح جب دنیادار قومیں کوئی انجمن یا سوسائٹی بناتی ہیں اور مل کر کوئی کام کرتے ہیں، اس وقت باوجودیکہ کثرت رائے پر فیصلہ ہوتا ہے، لیکن اس پر بھی ان کو اپنا ایک میر مجلس یا پریذیڈنٹ منتخب کرنا پڑتا ہے اور اس کا فیصلہ قطعی اور آخری ہوتا ہے۔ جمہوری سلطنتوں کو بھی پریذیڈنٹ کی ماتحتی ضروری ہوتی ہے، باوجودیکہ وہ بڑے آزاد رائے اور آزاد پسند ہوتے ہیں۔ پھر جب عام نظارہء قدرت اور موجودات میں وحدت ارادی کے پیدا کرنے کی ضرورت ایک عام ضرورت سمجھی جاتی ہے اور انسان کی مادی ترقیات کی جڑ میں بھی وحدت ارادی کی روح کام کر رہی ہے۔ پھر کیسا نادان اور بیوقوف ہے وہ انسان جو علوی اور روحانی امور میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتا۔

۱۰۔ اس سے بھی آگے چلو تو معلوم کرو گے کہ واحد لاشریک خدا کے لئے وحدت کا نظارہ ضروری ہے۔ خدا تعالیٰ جو اسمائے حسنیٰ کا مرکز ہے اگر اس کی صفات پراگندہ ہوتیں، تو خدائی نہ چلتی۔ اسی طرح جمیع صفات کاملہ ہستی چاہتی ہے کہ اجزا متفرقہ کا جو مجموعی طور پر ہیں آپس میں اتحاد ہو۔

۱۱۔ یہی وجہ ہے کہ کشش اتصال کا وجود خدا نے رکھا ہے جو ذرات متفرقہ کو باہم ملاتی ہے۔ تنہائی وانفرادی حالت میں فیوض و برکات کا نزول نہیں ہوتا، بلکہ اس میں بھی توسط کی حاجت ہوتی ہے۔ یہ کشش قابل جوہروں کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور اس کو ان منافع اور برکات کا وارث ٹھیراتی ہے، جو اتحاد سے پیدا ہوتی ہیں۔ جس طرح پر امور مادی میں میں نے یہ ضرورت دکھائی ہے، آسمانی اور روحانی معاملات میں بھی ایک صاحب کشش امام کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ اپنی کشش سے پاک فطرت اور سعیدوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور پھر اس تعلق سے جو ان میں پیدا ہوتا ہے اس سے استطاعت اور طاقت کو نشو ونما ہوتا ہے، جو فیوضات الٰہی کے جذب کرنے کا ذریعہ ٹھیرتی ہے۔ یہانتک کہ اللہ تعالیٰ کے فیوض و برکات کا سلسلہ متواتر شروع ہو جاتا ہے۔ اور فیوض کا ظہور اور بروز نہیں ہوتا، جب تک خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندہ کی صحبت میں رہنے کا موقع حاصل نہ ہو اور اسکے ساتھ سچا پیوند اور رشتہ قائم نہ ہو۔

یہ مسئلہ چونکہ ایک باریک مسئلہ ہے اس لئے عام نظارہء قدرت کی مثالوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشس کی ہے کہ وحدت ارادی فیوض کا وارث بناتی ہے۔ لیکن یہ بیان کرنا کہ وہ برکات اور فیوض، جو خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں اور صادقوں کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے ملتے ہیں، وہ کس طرح نازل ہوتے ہیں، یہ ایک کیفیت ہے، جس کو بیان کرنا مشکل ہے۔

الغرض خدا تعالیٰ کے برگزیدہ وصادقوں کی معیت و رفاقت ضروری امر ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ۔ ترجمہ۔ یعنی اے ایمان والو تقوی اختیار کرو اور جو لوگ قولی، فعلی، عملی اور حالی رنگ میں سچائی پر راہ خدا میں کھڑے ہیں ان کے ساتھ رہو۔ اس جگہ خدا فرماتا ہے کہ پہلے تم میں ایمان ہو، پھر سنت کے طور پر بدی کی جگہ کو چھوڑ دو اور صادقوں کی صحبت میں رہو۔ صحبت کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے، جو اندر ہی اندر ہوتا چلا جاتا ہے۔ دیکھو جس طرح پر مرغی اپنے انڈوں کو پروں کے نیچے لے کر بیٹھتی ہے اور اپنی گرمی پہنچاتی ہے اور اس گرمی سے اس مادہ میں جو انڈوں کے اندر نشو ونما پانے کی قابلیت رکھتا ہے، ایک خاص قسم کی حرارت، جو زندگی کی روح رکھتی ہے، پیدا ہونے لگتی ہے۔ اور معلوم نہیں ہوسکتا کہ وہ روح کدھر سے آئی اور کس وقت۔ اسی طرح پر جب انسان ایک برگزیدہ الٰہی وصادق کے ساتھ سچا تعلق پیدا کرتا ہے، تو اندر ہی اندر اس کی پاک تاثیریں عقد

ہمت اور دعائیں اس تعلق پیدا کرنے والے انسان میں ایک نئی روح نفخ کرتی جاتی ہیں۔اور اس میں نئی زندگی کے آثار پیدا ہوتے ہیں۔

۱۲۔خدا تعالیٰ کے برگزیدہ انسانوں و آئمہ وقت اور روحانی نواب نبوی کی مثال ایسی ہے جیسے پانی کی ایک بڑی نالی ہوتی ہے اور خدا کا برگزیدہ بندہ اس نالی کی مانند ہوتا ہے۔اور سچے ارادتمندوں کا اس نالی کے ساتھ اس طرح پر تعلق ہوتا ہے جیسے چھوٹی چھوٹی نالیاں ایک بڑے لوہے کے نل کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہیں۔اور جب پانی کے چشمہ سے اس نل میں پانی آتا ہے، تو ان چھوٹی نالیوں میں بھی ان کے ظرف کے موافق اور استعدادوں کے مطابق وہ پانی گرتا جاتا ہے۔

۱۳۔الغرض واضح ہو کہ اسماء حسنیٰ کا مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور وہ تقاضا کرتی ہے کہ اجزائے متفرقہ کو جمع کرے۔اس لئے اجتماع لازمی ہے۔

۱۴۔ساری گاڑیاں اگرچہ اپنے پہیوں سے چلتی ہیں، مگر سٹیم انجن کے بغیر وہ پہیّے بیکار محض اور نکمے ہیں۔اسی طرح پر ہمارے اندر بھی جو قرب کی فطرتی قوتیں اور طاقتیں ہیں وہ سب کی سب بیکار اور نکمی ہیں اگر کسی سٹیم انجن کے ساتھ ہمارا تعلق نہ ہو۔کوئی شاخ مثمر ثمرات نہیں ہوسکتی، جب تک اصل درخت کے ساتھ اس کا تعلق نہ ہو۔

۱۵۔کوئی بچہ نشو نما نہیں پاسکتا، جب تک ماں کی گود میں نہ ہو۔

۱۶۔سورج، چاند اور چراغ وغیرہ میں بھی روشنی ہے اور آنکھوں میں بھی۔مگر نابینا کو صرف سورج، چاند وغیرہ کی روشنی سے کوئی فائدہ نہیں۔نہ بینا شخص کو اندھیرے میں صرف اپنی آنکھ مفید ہوسکتی ہے۔غرض دونوں روشنیاں جمع ہوں، تب ہی کاربرآری ہوسکتی ہے۔

الغرض ساری تقریر مذکور سے ہمیں اس بات کا اظہار مدنظر ہے کہ سنت اللہ یہ ہے کہ وہ انسانوں کو متفرق طور پر چھوڑنا نہیں چاہتا، بلکہ جیسا کہ اس نے نظام شمسی میں بہت سے ستاروں کو داخل کر کے سورج کو اس نظام کی بادشاہی بخشی ہے، ایسا ہی وہ عام مومنوں کو ستاروں کی طرح حسب مراتب روشنی بخش کر ہر زمانہ میں ایک ہی عظیم الشان انسان امام الزمان کو ان کا سورج قرار دیتا ہے۔اور یہ سنت الٰہی یہاں تک اس کی آفرینش میں پائی جاتی ہے کہ شہد کی مکھیوں میں بھی یہ نظام موجود ہے کہ ان میں بھی ایک امام ہوتا ہے، جو یعسوب کہلاتا ہے۔اور جسمانی سلطنت میں بھی یہی خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ ایک امیر اور بادشاہ ہو۔اور خدا کی لعنت ان لوگوں پر ہے، جو تفرقہ پسند کرتے ہیں اور ایک امیر کے تحت حکم پر نہیں چلتے۔قرآن شریف نے جیسا کہ جسمانی تمدن کے لئے یہ تاکید فرمائی ہے کہ انسان ایک بادشاہ

کے زیرِ حکم ہو کر چلیں، یہی تاکید روحانی تمدن کے لئے بھی ہے۔

جواب اس اعتراض کا کہ نماز کیوں ایک وقت مقرر نہ ہوئی

سوال۔ نماز کیوں ایک ہی وقت مقرر نہ ہوئی۔

جواب۔ جیسا کہ جسم کی تقویت کے لئے بار بار غذا کی ضرورت پڑتی ہے، ایسا ہی روح کی صحت وصفائی وتقویت کیلئے نماز یعنی روحانی غذا کی ضرورت انسان کو بالا ولیٰ ہے۔ تعجب ہے کہ سائل کہتا ہے نماز ایک ہی وقت کیوں مقرر نہ ہوئی۔ ہم کہتے ہیں کہ جب تم جسم کی تقویت کے لئے کئی بار دن میں غذا کھاتے ہو، تو روح، جو لطیف ترین و نازک ترین چیز ہے، اس کی صحت و صفائی وقوت قائم رکھنے کیلئے روحانی غذا یعنی نماز کی زیادہ تر ضرورت ہے۔ پس جبکہ اجسام فانیہ کو تر و تازہ رکھنے وتقویت کیلئے دن میں کئی بار غذا کھاتے ہیں، تو روحانی غذا کیلئے دن رات میں پانچ وقت مقرر ہوئے، تو کیا حرج ہے۔

حقیقت جماعت پنجگانہ۔ جمعہ۔ عیدین۔ حج

جناب الٰہی نے اطاعت اور طہارت کے ساتھ پانچ وقت جمع ہونے اور مل کر اس کی عظمت و جبروت کو بیان کرنا مسلمانوں کا فرض کر دیا۔ کوئی شہر اور قصبہ نہ دیکھو گے، جس کے ہر محلّہ میں اسلام کی پنجگانہ جماعت نماز نہ ہوتی ہو۔ لیکن اس روزانہ پانچ وقت کے اجتماع میں اگر تمام باشندگان شہر کو اکٹھا ہونے کا حکم دیا جاتا، تو یہ ایک تکلیف مالا یطاق ہوتی۔ اس لئے تمام شہر کے رہنے والے مسلمانوں کے اجتماع کے لئے ہفتہ میں ایک دن جمعہ کا مقرر ہوا۔ پھر اسی طرح قصبات اور دیہات کے لوگوں کے اجتماع کے لئے ایک عید کی نماز تجویز ہوئی۔ اور چونکہ یہ ایک بڑا اجتماع تھا اس لئے عید کا جلسہ شہر کے باہر میدان میں تجویز ہوا۔ لیکن اس سے پھر بھی کل دنیا کے مسلمان میل ملاپ سے محروم رہتے تھے۔ اس لئے کل اسلام کے اجتماع کے لئے ایک بڑے صدر مقام کی ضرورت تھی، تا کہ مختلف مقامات کے بھائی اسلامی رشتہ کے سلسلہ میں یکتا باہم مل جائیں۔ لیکن اس کے لئے چونکہ ہر فرد بشر مسلمان اور امیر وفقیر کا شامل ہونا محال تھا، اس لئے صرف صاحب استطاعت منتخب ہوئے، تا کہ تمام دنیا کے مسلمان ایک جگہ پر جمع ہو کر تبادلہء خیالات کریں۔ اور مختلف خیالات و دماغوں کا ایک اجتماع ہو اور سب کے سب مل کر خدا تعالیٰ کی عظمت و جبروت کو بیان کریں۔

جماعت نماز کی دائیں جانب کو بائیں پر فضیلت کی حکمت

ہم قبل ازیں مکرر لکھ چکے ہیں کہ تمام عبادات وحسنات واکل وشرب میں دائیں ہاتھ و دائیں

جانب کو بائیں پر فضیلت وتقدم ہے، لہٰذا جماعت نماز میں بھی یہی امر ملحوظ ہے۔ کیونکہ جو قوت و طاقت و اثر دائیں میں ہے، وہ بائیں میں نہیں ہے۔

ترک نماز سے کفر لازم ہونے کی وجہ

خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے **اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ لَا تَکُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡن**۔ ترجمہ۔ یعنی نماز قائم کرو اور مشرک نہ بنو۔ اور نبی علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں۔ **مَنۡ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّداً فَقَدۡ کَفَرَ**۔ ترجمہ۔ یعنی جس نے جان بوجھ کر عمداً نماز چھوڑ دی، وہ کافر ہو گیا۔ وجہ یہ ہے کہ نماز اسلام کا بہت بڑا اشعار ہے اور اسلام کی ایسی علامات میں سے ہے کہ جس کے جاتے رہنے سے اگر اسلام کے جانے رہنے کا حکم کر دیا جائے، تو بجا ہے۔ کیونکہ اسلام میں اور نماز میں بہت ملابست اور موانست ہے۔ لفظ اسلام کے معنے خدا تعالیٰ کے آگے سر جھکا دینے کا نام ہے اور ان معنوں کو نماز ہی خوب ادا کرتی ہے۔ پس جس کو نماز سے کچھ حصہ نہیں وہ اسلام سے محروم رہا۔ وہ اسلام سے کیا لے چلا۔ بجز اسلام کے نام کے، جس کا خدا تعالیٰ کے پاس کچھ اعتبار نہیں ہے۔

جوتے اتار کر اور پہن کر نماز پڑھنے کی حکمت

یہودی لوگ اپنے جوتوں اور موزوں میں نماز پڑھنے کو برا جانتے ہیں۔ اس لئے کہ اس میں ایک قسم کی ترک تعظیم ہے۔ کیونکہ بڑے لوگوں کے پاس جاتے وقت جوتوں کو اتار لیا کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فَاخۡلَعۡ نَعۡلَیۡکَ اِنَّکَ بِالۡوَادِ الۡمُقَدَّسِ طُوًی**۔ ترجمہ۔ یعنی اپنے جوتے اتار دے، کیونکہ تو پاکیزہ میدان طوٰی میں ہے۔

چمڑا دباغت سے حسب فرمودہ ءنبوی پاک ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جب تک پاپوش کو پلیدی نہ لاحق ہو، تو اس کے ساتھ بحسب عذر وضرورت نماز درست ہو سکتی ہے۔ موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کو پاپوش اتارنے کا حکم اس لئے ہوا کہ ان کی پاپوش نیچے کی جانب سے کسی قسم کی پلیدی سے آلودہ ہو گئی تھی۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو پاپوش اتارنے کے امر میں اس کا سبب بیان فرما دیا کہ تیری پاپوش پلیدی سے آلودہ ہے، اس لئے اتار دے کیونکہ یہ مقام طویٰ پاک ہے، پلیدی اس مقام کے لائق نہیں ہے۔ ورنہ اگر پاپوش پلیدی سے آلودہ نہ ہوتی، تو اتارنے کا امر نہ ہوتا۔ اور بالعموم پاپوشوں کو اتار کر جو نماز پڑھی جاتی ہے، اس کی وجہ ہے کہ اکثر چلنے پھرنے میں پاپوش پلیدی سے آلودہ ہو جاتے ہیں۔ ورنہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام پاپوش کے پاکیزہ ہونے کی حالت میں کبھی پاپوش پہن کر بھی نماز ادا فرماتے تھے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جوتے اور موزے کے ساتھ نماز پڑھنا اس وجہ سے تھا کہ لباس کی تکمیل جوتے اور موزے پہن کر ہوتی ہے۔ کیونکہ نماز کے اندر لباس کی تکمیل مستحب ہے۔ اس لئے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے یہود کی نا سمجھی سے ان کے قیاس کی مخالفت کر کے دوسرے قیاس کو ہمیشہ کے لئے جاری رکھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، **خالفوا الیھود فانھم لایصلون فینعالھم و حفافھم** ۔ترجمہ۔ یعنی یہود سے مخالفت کرو، کیونکہ وہ اپنے جوتوں اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے۔ پس صحیح یہ ہے کہ جوتہ پہن کر نماز پڑھنا اور ننگے پاؤں نماز پڑھنا برابر ہے۔

نبی علیہ السلام کے اجتہادی سہو کا راز

امام احمد بچند وسائط عبد اللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ نے کہا کہ میں جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتا تھا لکھ لیتا تھا، تا کہ میں اس کو حفظ کرلوں۔ بعض نے مجھ کو منع کیا کہ ایسا مت کر، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں۔ کبھی غضب سے بھی کلام کرتے ہیں۔ تو میں یہ بات سن کر لکھنے سے دستکش ہو گیا۔ اور اس بات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ذکر کیا، تو آپ نے فرمایا کہ اس ذات کی مجھ کو قسم ہے، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ جو کچھ مجھ سے صادر ہوتا ہے، خواہ قول ہو یا فعل، وہ سب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ احادیث کی کتابوں میں بعض امور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجتہادی غلطی کا بھی ذکر ہے۔ اگر کل قول و فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وحی ہے تھا، تو وہ وحی کیونکر ہوئی، گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر قائم نہیں رکھے گئے۔ تو اس کا یہ جواب ہے کہ وہ اجتہادی غلطی بھی وحی کی روشنی سے دور نہیں تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے قبضہ قدرت سے ایک دم جدا نہیں ہوتے تھے۔ پس اس اجتہادی غلطی کی ایسی مثال ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں چند دفعہ سہو واقع ہوا، تا اس سے دین کے مسائل پیدا ہوں۔ سو اسی طرح بعض اوقات اجتہادی غلطی ہوئی، تا اس سے بھی تکمیل دین ہو۔ اور بعض باریک مسائل اسکے ذریعہ سے پیدا ہوں۔ اور وہ سہو بشریت بھی تمام لوگوں کی طرح سہو نہ تھا، بلکہ دراصل ہمرنگ وحی تھا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص تصرف تھا، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود پر حاوی ہو کر اس کو کبھی ایسی طرف مائل کر دیتا، جس میں خدا تعالیٰ کے بہت مصالح تھے۔ ہم اس اجتہادی غلطی کو بھی وحی سے علیحدہ نہیں سمجھتے، کیونکہ وہ ایک معمولی بات نہ تھی، بلکہ خدا تعالیٰ اس وقت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے قبضہء قدرت میں لے کر مصالح عام کیلئے ایک نور کی صورت میں یا غلط اجتہاد کے پیرایہ میں ظاہر کر دیتا تھا۔ اور پھر ساتھ ہی وحی اپنے جوش میں آجاتی تھی، جیسے جاری نالی کا پانی کسی مصلحت کیلئے روک

دیں اور پھر چھوڑ دیں۔ پس اس جگہ کوئی عقلمند نہیں کہہ سکتا کہ نہر سے پانی خشک ہو گیا یا اس میں سے اٹھا لیا گیا۔ یہی حال انبیاء کی اجتہادی غلطی کا ہے۔ بعض اوقات خدا تعالیٰ بعض مصالح کیلئے انبیاء علیہم السلام کی فہم اور ادراک کو اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے۔ تب کوئی قول یا فعل سہو یا غلطی کی شکل پر ان سے صادر ہو جاتا ہے۔ اور وہ حکمت، جو ارادہ کی گئی ہے، ظاہر ہو جاتی ہے۔ گویا اسکا کبھی وجود نہیں تھا۔ ضرور تھا کہ بشریت کے تحقق کیلئے کبھی انبیاء علیہم السلام سے ایسا بھی ہوتا، تا لوگ شرک کی بلا میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

اگرچہ سہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر "اسرار شریعت" کی دوسری جلد سے تعلق رکھتا ہے، جسمیں اعتقادی امور کا ذکر ہے، مگر اس موقعہ پر سجدہ سہو نبویؐ کے ذکر سے عوام میں غلط فہمی واقع ہو کر موجب افراط وتفریط گمان کا ہونا ممکن تھا۔ اسلئے حقیقت سہو نبویؐ کا ذکر اسی تقریب پر لانا پڑا۔ (فضل)

حکمت سجدہ سہو نماز

جب انسان سے نماز میں کوئی قصور ہو جائے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے دو سجدے کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ اس کو قضاء کے ساتھ مناسبت ہے اور کفارہ کے ساتھ بھی۔ وہ مواضع، جن میں نص حدیث سے سجدہ کرنا ثابت ہے، وہ چار ہیں۔ ایک تو وہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِذَا شَکَّ اَحَدُکُمْ فِیْ صَلٰوتِہٖ وَ لَمْ یَدْرِ کَمْ صَلّٰی ثَلَاثاً اَوْ اَرْبَعاً فَلْیُصْرِحِ الشَّکَّ لِیُبْنِ عَلٰی مَا اسْتَیْقَنَ ثُمَّ یَسْجُدُ سَجْدَتَیْنِ۔ ترجمہ۔ یعنی تم میں سے جب کسی کو اپنی نماز میں شک ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں تین یا چار۔ پس جس میں شک ہوا ہے، اس کو الگ کرے اور جس قدر پر یقین ہے، اس پر نماز کی بنا کر کے سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کرے، کیونکہ اگر اس نے پانچ پڑھی ہیں، تب ان دو سجدوں سے اس کا شفع پورا ہو جائے گا۔ اور اگر پوری چار پڑھی ہیں، تو یہ دونوں سجدے شیطان کی سرزنش کے لئے زیادتی حسنات کا موجب ہوں گے۔ اور رکوع اور سجدے کے اندر شک کرنا بھی اسی قسم سے ہے۔

دوسرے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی پانچ رکعتیں پڑھیں اور سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے کئے۔ نماز کے اندر کسی رکن کا بڑھ جانا بھی ایسا ہی ہے جیسے رکعت کا بڑھنا۔ تیسرے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار چار کی جگہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ تو بعض صحابہ نے آپ سے عرض کی، تو جو رکعتیں رہ گئی تھیں، وہ بھی پڑھیں اور دو سجدے بھی کر لئے۔ چوتھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ دو رکعت کے بعد بجائے بیٹھنے کے کھڑے ہو گئے۔ پھر جب آپ نماز پوری کر چکے، تو سلام پھیرنے سے پہلے آپ نے دو سجدے کر لئے۔ قعدہ کے اندر تشہد کا نہ پڑھنا بھی اسی پر محمول ہے۔ اور آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ **اذا قام الامام فی الرکعتین فان ذکر قبل ان یستوی قائما فلیجلس و ان یستوی قائما فلا یجلس و یسجد سجدتی السهو** ۔ترجمہ۔اگر دو رکعتوں کے اندر کھڑا ہو جائے، تو اگر سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے اس کو یاد آ جائے، تب اس کو بیٹھ جانا چاہیئے۔ اور اگر سیدھا کھڑا ہو جائے، تو نہ بیٹھے اور سہو کے دو سجدے کرے۔

حکمت سجدہ ءتلاوت قرآن کریم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لئے، جو قرآن کی وہ آیت پڑھے، جس میں سجدہ کرنے کا حکم ہے یا سجدہ کرنے والے کے ثواب اور اس سے منکر کے عذاب کا بیان ہے، یہ حکم فرمایا ہے کہ اپنے پروردگار کے کلام کی تعظیم اور مسارعت الی الخیر کے قصد سے سجدہ ءتلاوت کرے۔ اور جن مواضع میں ملائکہ کو حضرت آدم علیہ السلام کے لئے سجدہ کرنے کا حکم ہے، وہ ان سے علیحدہ ہیں۔ کیونکہ کلام خدا تعالیٰ کے لئے سجدہ کرنے میں جن آیات میں نص سے سجدہ کرنا ثابت ہے، وہ چودہ یا پندرہ آیات ہیں۔ **عن ابی هریره قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا قرا ابن آدم السجدة فسجد اعتزل الشیطان یبکی یقول یا ویله امر ابن آدم بالسجود فسجد فله الجنة و امرت بالسجود فابیت فلی النار** ۔ترجمہ۔حضرت ابی ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں کہ جب آدمی سجدہ کی آیت پڑھ کر سجدہ کرتا ہے، تو شیطان اس سے ہٹ جاتا ہے اور روتا ہے اور کہتا ہے ہائے افسوس کہ آدمی کو سجدہ کا حکم ہوا تو اس نے سجدہ کیا اور اس کے لئے بہشت ہو گئی اور مجھے سجدہ کا حکم ہوا تو میں نے نافرمانی کی، پس میں دوزخ کا سزاوار ہوا۔

وجہ تقرری نماز تہجد

لوگوں میں قاعدہ ہے کہ جب وہ درندے جانوروں کو تابع کرنے اور شکاری بنانے کی خواہش کرتے ہیں، تو وہ ان کو بھوکا رکھنے اور شکار سے روکنے کے ذریعہ اس امر کو حاصل کر لیتے ہیں۔ کیونکہ رات کے جاگنے میں قوت بہیمیہ کے کمزور کرنے کے لئے ایسی عجیب خاصیت ہے کہ یہ بمنزلہ تریاق کے ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **ان هذا السهر جهد و ثقل** ۔ترجمہ۔یعنی اس جاگنے میں مشقت اور گرانی ہے۔ اس لئے تہجد کی نماز کے لئے شارح علیہ الصلوۃ والسلام کو بہت اہتمام تھا۔فرمایا۔ **تعقد الشیطان علی قافیة راس احدکم اذا هو نام ثلاث عقد** ۔ترجمہ۔جب تم میں سے کوئی سوتا ہے، تو شیطان اس کے سر کے قافیہ میں تین گرہ لگا دیتا ہے۔ یعنی شیطان اس کے دل

میں نیند کی لذت ڈال دیتا ہے اور یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ ابھی رات بہت ہے۔ اور اس کا یہ وسوسہ بہت مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے۔ جب تک کوئی ایسی تدبیر نہ کی جائے کہ جس سے نیند دفع ہو اور خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کا دروازہ انسان پر کھل جائے، وہ وسوسہ دل سے نہیں نکلتا۔ اس واسطے یہ بات مسنون کی گئی ہے کہ جس وقت آدمی کے سونے سے آنکھ کھلے اور اپنی آنکھیں ملتا ہوا اٹھے تو خدا تعالیٰ کا نام لے اور وضو اور مسواک کر کے دو رکعت پڑھے۔ بعد ازاں اذکار و قرآن کریم جتنا چاہے پڑھتا رہے۔ صوفیہ کرام میں سے کئی اصحاب نے اور خاکسار راقمِ حروف نے بھی بذات خود کئی بار شیطان کی ان تین عقود کا مشاہدہ کیا۔ اور بسا اوقات فرشتہ داعی الی الخیر نے مجھے متنبہ کیا کہ یہ شیطان کی عقود ہیں۔ چنانچہ پرسوں مورخہ ۱۳۔ جولائی ۱۹۰۹ء کو بوقت سحر میری آنکھ بیدار ہوئی اور دل میں خیال آیا کہ نماز تہجد اٹھ کر پڑھوں۔ پھر دل میں وسوسہ پیدا ہوا کہ ابھی رات بہت ہے۔ اسی وقت داعی الی الخیر نے مجھے ایسی آواز دی جیسے دل میں میخ گڑ جاتی ہے اور اس آواز کی تاثیر میری رگ رگ میں دھس گئی کہ یہ جو تم کو کہتا ہے کہ ابھی رات بہت ہے یہ شیطان کی صدا ہے اس کی پیروی مت کرو۔ لہٰذا میں اٹھ کھڑا ہوا اور تہجد کی نماز ادا کی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

بخاری میں لکھا ہے۔ **عن ابی هريره ان رسول الله صلی الله عليه وسلم قال يعقد الشيطان علی قافية راس احدكم اذا هو نام ثلاث عقد يضرب عند كل عقدة عليک ليل طويل فارقد فان استيقظ فذكر الله انحلت عقدة فان توضاء انحلت عقدة فان صلی انحلت عقدة فاصبح نشيطا طيب النفس والا اصبح خبيث النفس كسلان ۔**
ترجمہ۔ حضرت ابی ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی سوتا ہے، تو شیطان اس کے سر کی گدی کے پاس تین گرہیں لگا دیتا ہے۔ ہر گرہ ڈالنے کے وقت کہتا ہے کہ سو جا رات لمبی ہے۔ پس اگر وہ جاگ پڑے اور خدا کو یاد کرے، تو ایک گرہ کھل جاتی ہے اور اگر وضو کرے، تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے اور اگر نماز پڑھے، تو تیسری گرہ کھل جاتی ہے اور وہ صبح کو پاک و مسرور ہوتا ہے۔ ورنہ اگر سویا رہے، تو وہ ناپاک اور کاہل ہوتا ہے۔

رات کا آخری وقت بڑی برکات کے نزول کا ہوتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **ينزل ربنا تبارک و تعالیٰ الی سماء الدنيا حين يبقی ثلث اليل الآخر ۔**
ترجمہ۔ یعنی جب رات کا آخیر تہائی حصہ باقی رہتا ہے، تو ہمارا رب تبارک و تعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ آوازوں کے سکون کی وجہ سے جو حضور دل کے مانع ہوتی ہیں اور اشغال مشوشہ سے دل کے صاف ہونے اور ریاء کا احتمال نہ ہونے کے سبب سے نفس کو رحمت الٰہیہ کے نزول کی جو قابلیت ہوتی ہے۔ اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے۔ اور ایک حدیث میں مذکور ہے۔ **ما ذا نزل الیلة من الخزائن**۔ یعنی آج کی رات آسمان سے کیا کیا خزانے اتارے گئے۔ اس حدیث میں بھی اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ معانی صورتوں میں متمثّل ہوتے ہیں اور اپنے وجود حسّی سے پیشتر ان کا زمین پر نزول ہوتا رہتا ہے۔ الغرض یہ ایک بڑا بابرکت وقت ہوتا ہے، جس میں بیدار ہو کر یاد الٰہی میں مصروف ہونا انسان کے لئے بڑا مفید ہے۔ اور یہ نماز فرض نہیں کی گئی۔ کیونکہ اس کی فرضیت سے امت پر محنت و مشقت بہت بڑھ جاتی اور اس کی عدم ادائیگی سے وہ گناہگار ٹھہرتے۔

وجہ تقرری ءنماز تراویح

نبی علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں۔ **من قام رمضان ایمانا و احتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه**۔ ترجمہ۔ جس شخص نے ایمان کے ساتھ بہ طلب قصد ثواب کے رمضان کے اندر قیام کیا، اس کے سب پہلے گناہ بخشے گئے۔ اور اسکی وجہ یہ بیان کی کہ اس درجہ کے حاصل کرنے سے اس نے اپنی جان کو برکات الٰہیہ کا، جو ظہور ملکیّت اور گناہوں کے محو ہو جانے کے باعث ہیں، مورد بنالیا۔ قیام رمضان یعنے نماز تراویح کے مشروع ہونے سے یہ مقصود ہے کہ امت محمدؐیہ کو بہ سبب ان اوصاف حمیدہ کے ملائک کے ساتھ مناسبت ہو جائے اور انکے ساتھ اسکو تشبیہ ہو جائے۔ اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے مسلمانوں کے دو درجے کئے۔ ایک درجہ عوام کا کہ ان میں فقط یہی کافی ہے کہ رمضان کے روزے رکھیں اور فرائض پر اکتفا کریں۔ اور دوسرا درجہ محسنین کا۔ اور اس درجہ سے یہ مراد ہے کہ روزہ رمضان کے ساتھ اسکی راتوں میں قیام کرنا اور اعتکاف بھی عشرہ اخیرہ میں بجالانا۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ تمام امت اس درجہ عالی کے حاصل کرنیکی طاقت نہیں رکھتی اور یہ بھی ضرورت ہے کہ ہر شخص بقدر اپنی طاقت کے اعمال حسنہ بجالائے۔ اس واسطے آپ نے اس پر امت کو مداومت کر کے نہیں دکھائی اور نہ اس امر کیلئے تاکید فرمائی۔ ورنہ قیام رمضان امت پر فرض ہو جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ فرماتے ہیں۔ **مازال بکم الذی رایت من صنیعکم حتی خشیت ان یکتب علیکم و لو کتب علیکم ما قمتم**۔ ترجمہ۔ یعنی یہ جس چیز کو تم ہمیشہ کرتے ہو، میں اسکو دیکھتا رہتا ہوں۔ اور تمہارے ہمیشہ کرنیکی وجہ سے مجھے خوف ہے کہ تم پر فرض نہ ہو جائے۔ اور اگر فرض ہو جائے، تو قائم نہ رہو گے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خوف ہوا کہ ایسا نہ ہو یہ لوگ ان عبادات کے عادی ہو جائیں۔

اوران سے ان کا دل مطمئن ہو جائے اور جس وقت ان امور میں ان سے کسی قسم کی کوتاہی ہو جائے ،تو بوجہ اس کوتاہی کے احکام کے اندر اس کو کوتاہی جانیں یا وہ عبادت شعار دین میں سے ہو کر ان پر فرض ہو جائے اور اس کے متعلق قرآن کریم میں فرضیت کا حکم نازل ہو جائے اور پھر پچھلے لوگ اس کی برداشت نہ کر سکیں۔صحابہ اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے قیام رمضان میں تین باتیں اور زیادہ کی ہیں۔ایک تو مسجدوں میں اس کے لئے جمع ہونا۔کیونکہ اس میں خاص اور عام کے لئے آسانی ہے۔دوسرے اول رات میں اس کو ادا کرنا۔اور ساتھ ہی یہ کہتے رہے کہ اخیر شب میں یہ نماز پڑھنے سے حضور دل ہوتا ہے اور وہ افضل ہے۔تیسرا بیس رکعت تک اس کی تعداد مقرر کی اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے اس بات کا خیال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام سال کے اندر ان لوگوں کے لئے ،جو محسنین کے زمرہ میں ہیں، گیارہ رکعت مقرر کی ہیں، یہ فیصلہ کیا کہ رمضان کے اندر جب مسلمان تشبیہہ بالملائکہ کے دریا میں اپنی جان کے ڈالنے کا قصد کرتا ہے،تو اس کا حصہ گیارہ رکعت کے دو چند سے بہر صورت کم نہ ہونا چاہیئے۔الغرض صحابہ کرام میں تین طریقے قیام رمضان کے رائج تھے۔بعض تو بیس رکعت باجماعت پڑھتے تھے۔بعض آٹھ۔اور بعض صرف تہجد ہی گھر پر پڑھ لیتے تھے۔اس امر کے متعلق ہمارے ایک محسن ومربی پر ایک شخص نے سوال کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو نماز تراویح کا پڑھنا تین چار روز سے زیادہ ثابت نہیں ہوتا۔اس لئے بعض لوگ اسے بدعت عمری کہتے ہیں۔انہوں نے جواب فرمایا کہ خواہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک دن ہی نماز تراویح پڑھی ہو،سنت تو ہوگئی۔دوم نہ کرنے سے سنت تو نہیں ٹوٹتی۔ہاں فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔مگر سنت پر بھی تو عمل کرنا چاہیئے۔اور یہ جو آپ نے بدعت عمری کہی ہے،اس میں حرج کیا ہے۔چلو بدعت عمری ہی سہی۔خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ۔ترجمہ۔سبقت کرنے والے اسلام لانے میں پہلے مہاجرین میں سے اور انصار لوگ ہیں،جنھوں نے مہاجرین کی اچھی طرح سے پیروی کی۔خدا تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ خدا تعالیٰ سے راضی ہیں۔

نماز ختم کرنے کے بعد دعائیں پڑھنے کا راز

احادیث نبویہ میں کچھ کلمات وادعیہ مسنونہ وارد ہیں،جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز ختم کرنے کے بعد پڑھا کرتے تھے۔یہ ایسا ہے جیسا کہ کسی عالیشان دربار سے رخصت ہونے کے وقت آداب وسلام بجالاتے ہیں اور یونہی چپ چاپ رخصت نہیں ہوتے۔بلکہ دربار سے رخصت ہونے کے وقت بھی آداب و نیاز وعرض حال کرتے ہوئے رخصت ہوتے ہیں۔چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم ادائے فرض کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْکَ السَّلَامُ وَ اِلَیْکَ یَرْجِعُ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَ تَعَالَیْتَ یَا ذَالْجَلَالِ وَا لْاِکْرَامِ ۔ترجمہ۔اے اللہ تو سلام ہے اور سلامتی تیری طرف سے مل سکتی ہے۔اور سلامتی کا مرجع تو ہی ہے۔تو بڑی برکت والا ہے۔ اے جلال اور عزت والے۔

علیٰ ہذا القیاس اور بھی بہت سی ادعیہ ہیں، جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز ختم کرنے کے بعد پڑھا کرتے تھے۔منجملہ ازاں کلمات ذیل بھی آپ ختم نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے۔رَبِّ اغْفِرْ وَ ارْحَمْ وَ اَنْتَ خَیْرُ الرَّاحِمِیْنَ اَسْتَغْفِرُ اللہَ اَسْتَغْفِرُ اللہَ اَسْتَغْفِرُ اللہَ الْعَظِیْمَ اَلَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَ لَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَ لَا رَادَّ لِمَا قَضَیْتَ وَ لَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ ۔ترجمہ۔اے میرے رب پہلے قصوروں کے بدنتائج سے اور آئندہ کمزوریوں سے بچا اور رحم کر اور تو بہت رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔ میں اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں، میں اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں، میں اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں، جس کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے بھیجے ہوئے ہیں۔اے اللہ اس شے کو کوئی روکنے والا نہیں، جو کہ تو دے اور نہ کوئی اس کو دینے والے ہے، جس کو تو روک دے۔اور نہ کوئی اس کو رد کر سکتا ہے، جس کا تو حکم دے۔اور مال والے کو اس کا مال و کوشش تیرے عذاب سے بچا نہیں سکتے۔

علاوہ ازیں نماز ختم کرنے کے بعد احادیث میں ۳۳ بار سبحان اللہ اور ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۳ بار اللہ اکبر اور ایک بار لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَ لَہُ الْحَمْدُ وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ بھی پڑھنے کا ذکر آیا ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اوراد پڑھنا۔اپنی امت کی تعلیم بھی آنحضرتؐ کو ملحوظ تھی۔میرے پیارے عَلَیْکَ اُلُوْفُ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ۔(فضل)

نماز میں سترہ کا راز

ا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لَوْ یَعْلَمُ الْمَارُّ بَیْنَ یَدَیِ الْمُصَلِّیْ مَاذَا عَلَیْہِ لَکَانَ اَنْ یَقِفَ اَرْبَعِیْنَ خَیْراً لَہٗ مِنْ اَنْ یَمُرَّ بَیْنَ یَدَیْہِ ۔ترجمہ۔یعنی نماز پڑھتے ہوئے کے سامنے سے ہو کر جو شخص گذرتا ہے، اگر اس کو یہ معلوم ہو کہ اس پر کیا وبال لازم آتا ہے، تو چالیس سال تک اس کو کھڑا رہنا اس کے سامنے سے ہو کر گذرنے سے بہتر معلوم ہوتا۔اس میں بھید یہ ہے کہ نماز شعار الٰہی میں

سے ہے اوراس کی تعظیم واجب ہے۔ اور چونکہ نماز سے اس حالت کے ساتھ تشبیہ مراد ہے، جو غلام کو اپنے مولا کے سامنے سکون اور خاموشی کے ساتھ خدمت کے لئے کھڑے ہوتے وقت ہوا کرتی ہے، اس واسطے نماز کی ایک تعظیم یہ بھی مقرر کی گئی کہ کوئی گذرنے والا نمازی کے سامنے سے ہوکر نہ گذرے۔ کیونکہ آقا اوراس کے غلاموں کے درمیان سے، جواس کے سامنے کھڑے ہوئے ہیں، گذرنا سخت بے ادبی ہے۔ چنانچہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **ان احدکم اذ قام فی الصلوٰۃ فانما یناجی ربّه بینه و بین القبلة** ۔ترجمہ۔ یعنی جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے، تو وہ اپنے رب سے عرض معروض کرتا ہے اوراس کا رب اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے۔

۲۔اس کے ساتھ ایک یہ بات بھی ہے کہ نمازی کے سامنے سے گذرنے کے سبب اس کا دل اکثر بٹ جاتا ہے۔ اس واسطے نمازی کا استحقاق ہے کہ آگے سے گذرنے والے کو ہٹا دے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **اذا وضع احدکم بین یدیه مثل مؤخرة الرحل فلیصل و لا یبال بمن وراء ذالک** ۔ترجمہ۔ تم میں سے جب کوئی اپنے سامنے کجاوے کے پشتے کے برابر کوئی چیز رکھ لے، پھر نماز پڑھے اوراس سے پرے جو کوئی گذرے اس کی کچھ پرواہ نہ کرے۔ اس میں یہ بھید ہے کہ چونکہ مطلق گذرنے سے ممانعت کرنے میں حرج عظیم تھا، اس واسطے آپ نے سترہ کے کھڑا کرنے کا حکم دیا، تاکہ ظاہر میں نماز کی زمین اور زمین سے علیحدہ ہو جائے اور پاس سے گذرنا بھی ایسا ہی سمجھا جائے، جیسے دور سے گذرنا۔

مقبرہ میں نماز پڑھنے سے ممانعت کی وجہ

مقبرہ کے اندر نماز سے ممانعت کی یہ وجہ ہے کہ لوگ وہاں نماز پڑھتے پڑھتے اولیاء اور علماء کی قبروں کی بتوں کی طرح پرستش شروع نہ کردیں اور یہ شرک جلی کی صورت ہے۔ یا ان مواضع میں نماز پڑھنے کو زیادہ قربت الٰہی کا سبب سمجھنے لگیں اور یہ شرک خفی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد اس فرمانے سے یہی ہے **لعن اللہ الیهود و النصاریٰ اتخذوا قبور انبیائهم مساجد** ۔ترجمہ۔ یعنی یہود اور نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو۔ انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

غروب وطلوع واستوائے آفتاب کے وقت منع نماز کی وجہ

اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین ان اوقات میں آفتاب کی پرستش کرتے اوراس کو سجدہ کرتے ہیں۔ اس لئے خدا نے ان کے ساتھ تشبیہ پکڑنے سے منع فرمایا۔ اور ضروری ہوا کہ اس عبادت کے اندر، جو

سب عبادتوں میں بڑی ہے، وقت کے اعتبار سے بھی ملت اسلام اور کفر میں تمیز اور فرق کیا جائے۔

حمام میں منع نماز کی وجہ

حمام میں نماز کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ وہاں لوگوں کے ستر کھلتے ہیں اور لوگ آتے جاتے ہیں۔ان باتوں سے نمازی کا دل بٹ جاتا ہے اور حضور دل سے انسان وہاں اپنے پروردگار کے آگے التجا نہیں کرسکتا۔

اونٹوں کے مقام میں منع نماز کی وجہ

جہاں اونٹ باندھے ہوں، ان مواضع میں نماز کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اونٹ ایک عظیم الجثہ جانور ہے اور جس کو پکڑ لیتا ہے پھر چھوڑتا نہیں۔اور اس کی عادت بھی یہ ہوتی ہے کہ خواہ مخواہ لوگوں کو ستاتا ہے۔سرکشی اس جانور کا خاصہ ہے۔یہ باتیں ایسی ہیں کہ وہاں کھڑے ہو کر نمازی کا دل نہیں لگے گا۔لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم فرماتے ہیں۔ **صلوا فی مراح الغنم و لا تصلوا فی معاطن الابل فانها خلقت من الشیاطین** ۔ترجمہ۔یعنی بکریوں کے چھپر میں نماز پڑھو اور اونٹوں کے مقام میں نماز نہ پڑھو۔کیونکہ اونٹ کی سرشت میں شیطانی مادہ زیادہ ہے۔

مذبح میں ممانعت نماز کی وجہ

مذبح میں ممانعت نماز کی وجہ یہ ہے کہ وہ نجاست کا مقام ہے۔ایسی جگہ پر جانوروں کے ذبح کرنیکے سبب خون اور گوبر وغیرہ پڑنے سے تعفن ہوتا ہے اور نماز کیلئے نظافت اور طہارت مناسب ہے۔

راستہ میں منع نماز کی وجہ

سڑک کے بیچ میں نماز کی اس واسطے ممانعت کی گئی ہے کہ اول تو راہ چلنے والوں سے نمازی کا دل بٹے گا اور راستہ بھی لوگوں پر تنگ ہوگا، یا وہ آگے سے گذریں گے۔دوسرے درندے وغیرہ ادھر سے ہو کر نکلتے ہیں۔جیسا کہ وہاں اترنے کی نہی صریح ہے، ایسا ہی وہاں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔بلکہ راستہ سے ایک طرف ہو کر نماز پڑھنا لازم ہے۔ **عن عمر بن الخطاب ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال سبع مواطن لا تجوز فیها الصلوة ظهر بیت اللهو المقبرة والمزبلة و المجزرة والحمام و عطن الابل و محجة الطریق** ۔ترجمہ۔یعنی حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ ولیہ سلم فرماتے ہیں۔سات مقاموں میں نماز جائز نہیں ہے۔کعبہ کی پیٹھ پر بلحاظ عظمت کے

اور قبرستان میں بلحاظ وہم شرک کے اور بیت الخلاء کے ارد گرد اور جانوروں کے ذبح ہونے کے مقام میں بلحاظ نجاست و تعفن کے اور حمام میں بلحاظ پراگندہ ہونے دل کے اور اونٹوں کے مقام میں اور راستہ کے بیچ میں بلحاظ خلل ہونے حضور دل کے۔

اعمال کے لئے قضاء و رخصتیں مقرر ہونے کی حکمت

یُرِیْدُ اللہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ ۔ترجمہ۔یعنی خدا تعالیٰ تمہارے لئے آسانی کا قصد کرتا ہے دِقت اور دشواری تمہارے لئے نہیں چاہتا۔اگر کسی عذر کے وقت احکام کی تعمیل بالکل ترک کرادی جائے،تو اس وقت نفس ان کے ترک کا عادی ہو جائے گا اور مہمل چھوڑ دیا جائے گا۔نفس کی مشاقی ایسے ہی کرائی جاتی ہے، جیسے کسی تند چارپایہ کو مشق کراتے ہیں۔اس میں امر مطلوبہ کی رغبت اور الفت غنیمت سمجھی جایا کرتی ہے۔جو لوگ اپنے نفس کی ریاضت کرتے ہیں یا لڑکوں کو تعلیم دیتے ہیں یا چارپاؤں کو مشق کراتے ہیں، وہ خوب جانتے ہیں کہ ہمیشگی سے الفت کیسی پیدا ہوتی ہے۔اور کام کرنے میں اس سے کیسی آسانی حاصل ہوسکتی ہے۔اور کام کے چھوڑ دینے سے کیسی الفت جاتی رہتی ہے۔اور اس کام کا کرنا نفس کو کیسا گراں معلوم ہوتا ہے۔اور جب قصد ہوتا ہے کہ دوبارہ ان میں کام کرنے کی تحریک پیدا ہو،تو ازسرنو ان میں الفت اور میلان پیدا کرنا پڑتا ہے۔اس واسطے ضرور ہے کہ جب کسی کام کے کرنے کا وقت ہاتھ سے نکل جائے،تو اس کے لئے قضا مشروع ہو۔اور افعال کے لئے رخصتیں بھی مقرر کی جائیں۔اسی قاعدہ کے موافق تاریکی وغیرہ کی حالت میں استقبال قبلہ کی جگہ صرف تحری پر کفایت کی جاسکتی ہے۔اور جس کو کپڑا میسر نہ ہو، وہ ستر عورت کو ترک کرسکتا ہے۔اور جس کو پانی نہ ملے، وہ وضو کو ترک کر کے تیمّم کرسکتا ہے۔اور جس کو سورۃ فاتحہ پڑھنے کی قدرت نہ ہو، وہ کسی ذکر پر اکتفا کرسکتا ہے۔جس کو قیام پر قدرت نہ ہو، وہ بیٹھے بیٹھے یا لیٹے لیٹے نماز پڑھ سکتا ہے۔جو رکوع یا سجدہ نہ کرسکتا ہو، اس کی نماز صرف سر جھکانے سے ہوسکتی ہے۔قاعدہ یہ ہے کہ بدل میں کوئی ایسی شئے باقی رکھنی چاہیئے، جس سے اصل یاد آجائے۔اور معلوم ہو جائے کہ یہ اس کا نائب اور بدل ہے۔

مسافر کا چار رکعت کو دو کر کے پڑھنا۔اور دو اور تین رکعت کو کم نہ کرنے کا سرّ

مسافر کا چار گانہ نماز میں سے کم کرنا اور دو تین کو کم نہ کرنا نہایت حکمت و مصلحتِ الٰہی پر مبنی ہے۔ کیونکہ چار رکعت حذف و کمی کی متحمل ہوسکتی ہے۔بخلاف دو کے کہ دو میں سے ایک کو گھٹانا وتر کی مصلحت کے برخلاف ہے۔وجہ یہ ہے کہ اگر دو میں سے ایک رکعت کم کی جاتی ،تو وتر کی مصلحت زائل ہو جاتی ہے،

جو کہ دن کے اختتام عمل کے لئے مشروع ہوئے ہیں اور وہ اختتام کو ہونا ہے۔ اگر یہ حذف فجر کی دوگانہ نماز میں ہوتا، تو شام کے سہ گانہ فرض، جو بمنزلہ وتروں کے ہیں، ان کے برخلاف تھا۔

وجہ یہ ہے کہ وتر طاق کو کہتے ہیں، جو جفت کے برخلاف ہو۔ اور مصلحت وحکمتِ الٰہی نے وتروں کی تعداد دن کی نماز شام میں تین رکعت فرض اور رات کی نماز عشاء میں تین رکعت ٹھیرائے ہیں۔ اور حکمت الٰہی کا تقاضا ہوا کہ دن ورات کی نمازوں میں سے انہی دو نمازوں میں تین تین وتر محدود ہوں۔ پس اگر صبح کی دو رکعت میں سے ایک رکعت کم کی جاتی، تو ایک رکعت باقی طاق رہ جاتی اور وہ بھی وتر ہوتے۔ اور وہ شام کے وتر کی حکمت و مصلحت کے منافی ہوتی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی مصلحت مکرر وتر کے برخلاف ہے۔

الغرض شام کی تین رکعت میں کمی کرنے سے شام کے سہ گانہ فرض، جو بمنزلہ وتر کے ہیں، اصل حکمت وتر سے خارج ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ تین ہی مشروع ہوئے ہیں۔ چنانچہ حکمت رکعات میں ہم نے اس امر کو مفصل لکھا ہے اور فجر کی دو رکعت میں کمی کرنا شام کے وتروں کے برخلاف ہے۔ کیونکہ دو رکعت میں حذف کرنا وتر کی حکمت کے منافی ہے۔ وجہ یہ کہ نماز شام کے وتر تین ہی مشروع ہوئے ہیں، تا کہ وہ دن کے وتر ہوں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **المغرب وتر النھار فاوتر وا صلوٰۃ اللیل** ۔ترجمہ۔ یعنی شام کی نماز کے تین فرض دن کے وتر ہیں۔ پس رات کی نماز کے وتر بھی پڑھا کرو۔

مسافر بآرام کے لئے رخصت افطار روزہ اور قصر نماز کی وجہ

مسافر بآرام کو رخصت افطار روزہ وقصرِ نماز کی اجازت دینی اور مقیم با مشقت اور محنتی کو اجازت قصرِ نماز وافطارِ روزہ نہ دینی الٰہی حکمت پر مبنی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ افطار روزہ وقصر نماز مسافر کے لئے مخصوص ہے اور مقیم نہ افطار روزہ اور نہ قصر نماز کرے۔ مگر عذر مرض کے لئے مقیم روزہ افطار کر سکتا ہے۔ یہ امر شارع علیہ السلام کی کمال حکمت پر مبنی ہے، کیونکہ سفر بذات خود عذاب کا ایک ٹکڑا اور شدائد و مصائب اور محنت ومشقت وتکلیف ہے۔ مسافر اگرچہ زیادہ آسودہ حال لوگوں میں سے ہی ہو، مگر پھر بھی وہ بحسب حیثیت خود ایک محنت ومشقت میں ہوتا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی محض رحمت و مصلحت ہے کہ اس نے اس سے ایک حصہ نماز کا کم کر دیا ہے اور ایک ہی حصہ پر اکتفا فرمایا اور فرض روزہ کو سفر میں افطار سے تخفیف فرمایا اور اقامت میں اس کے ادا کرنے کا حکم فرمایا، جیسا کہ بیمار و حائض کے متعلق ایسا ہی حکم ہے، تا کہ ان سے عبادت الٰہی کی مصلحت سفر میں ساقط کرنے سے بالکل فوت نہ ہو جائے۔ یہی وجہ ہے

کہ سفر میں ان پر عبادت کا ایسا حکم نہیں فرمایا۔ پس اقامت میں بعض ضروری عبادت کا تاخیر و ساقط کرنے کا سبب نہیں پایا جاتا اور اقامت میں جو مشقت و تکلیف اور شغل پیش آتے ہیں، وہ ایسے ہیں، جن کا کوئی انحصار و شمار نہیں ہے۔ پس اس طرح اگر ہر محنتی و مزدور و مشقت والے آدمی کے لئے رخصت و اجازت افطار روزہ و قصر نماز کی ہوتی، تو بہت ہی ضروری و لازمی عبادات ضائع ہو جاتیں اور اگر بعض کے لئے اجازت ہوتی اور بعض کے لئے نہ ہوتی، تو بھی انحصار نہ ہوتا اور نہ کوئی ایسا وصف ہے، جس کا انضباط ہو، جس کے لئے رخصت و عدم رخصت و اجازت ہوتی بخلاف سفر کے کیونکہ مشقت و محنت سفر کے ساتھ معلق کی گئی ہے۔ اور اس میں تخفیف عبادت کی مناسبت ہے۔ اور اگر عذر مرض و درد ہو، تو اس کے لئے افطار روزہ کی اجازت ہوئی اور نماز بیٹھ کر یا پہلو پر لیٹ کر ادا کرنی جائز رکھی گئی اور یہ قصر کے عدد کی نظیر ہے۔ اور اگر تکان کی مشقت و تکلیف ہو، تو دنیا و آخرت کی تمام مصلحتیں تکان و محنت پر منحصر و موقوف ہیں۔ اور جو محنت و تکلیف نہ اٹھائے، اس کو کوئی راحت و آرام نہیں ملتا۔ بلکہ محنت و تکلیف کے قدر پر آرام و راحت ملتی ہے۔ پس شریعت اسلامیہ نے احکام اور مصلحتوں میں مناسبت رکھی ہے۔ مشقت کے پیشوں مثلاً کاشتکاری اور آہنگری وغیرہ میں محنت و مشقت و حرج بالضرور ہوتا ہے۔ بلکہ دنیا کا کوئی کسب و کام محنت و مشقت سے خالی نہیں ہے۔ اور ان میں قصر نماز و افطار روزہ کی اجازت نہیں دی گئی۔ کیونکہ پیشہ ور اور محنتی لوگ مدام ان میں مصروف و مشغول رہتے ہیں۔ ان کی معاش انہی پیشوں پر موقوف ہوا کرتی ہے۔ ان کو اگر اجازت عام ہوتی، تو اطاعت الٰہی کے انتظامات میں ابتری پھیل جاتی۔ اس لئے مصلحت و حکمت الٰہی نے عام محنتوں و مشقتوں میں رخصت تجویز نہیں فرمائی۔ بلکہ خاص محنتوں و مشقتوں کے لئے رخصت ہوئی۔ قاعدہ یہ ہے کہ ہر ایک حرج کی صورت میں رخصت تجویز نہ کرنی چاہیئے۔ اسلئے کہ حرج کے طریقے بکثرت ہیں اور اگر سب میں رخصت تجویز کی جائے، تو اطاعت الٰہی بالکل متروک ہو جائے۔ اور زیادہ اہتمام رخصتوں سے محنت اور سختی کی برداشت کرنا بالکل جاتا رہے۔

حائضہ پر ادائے روزہ اور عدم ادائے نماز کی وجہ

حضرت ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں و اما ایجاب الصوم علیٰ الحائض دون الصلوٰۃ فمن تمام محاسن الشریعۃ و حکمتها و رعایتها لمصالح المکلفین فان الحیض لما کان منافیا للعبادۃ لم یشرع فیه فعلها و کان فی صلاتها ایام التطهیر ما یغنیها عن صلوٰۃ ایام الحیض فیحصل لها مصلحۃ الصلوٰۃ فی زمن الطهر لتکررها کل یوم بخلاف الصوم فانه لا یتکرر و هو شهر واحد فی العام فلو سقط عنها فعله ایام

الحیض لم یکن لھا سبیل الی تدارک نظیرہ و فاتت علیہ مصلحتہ و وجب علیھا ان تصوم فی طھر لتحصل مصلحۃ الصوم التی ھی من تمام رحمۃ اللہ بعبدہ و احسانہ الیہ بشرعہ و باللہ التوفیق ۔ترجمہ۔یعنی حائض پر وجوب روزہ وعدم ادائے نماز کا سبب شریعت حقہ کی خوبیوں و بلحاظ رعایت مصالح مکلفین کے ہے۔ کیونکہ جب حیض منافی عبادت ہے،تو اس میں عبادت کا فعل مشروع نہیں ہوا۔ اور ایام طہر اس کی نماز میں داخل ہوتے ہیں جو کہ اس کے ایام حیض کی فوت شدہ نماز کے اعادہ کی اس کو فراغت نہیں دیتے۔ پس زمانہ طہر میں اس کو نماز کی مصلحت حاصل ہوتی ہے، کیونکہ وہ بار بار روزمرہ آتی ہے۔ مگر روزہ روزمرہ نہیں آتا۔ بلکہ سال میں صرف ایک مہینہ روزوں کا ہے۔ اگر ایام حیض کے روزے بھی اس سے ساقط کردیئے جائیں،تو ان کی نظیر کا تدارک نہیں ہوسکتا۔ اور روزہ کی مصلحت اس سے فوت ہوجاتی ہے۔ اس پر واجب ہوا کہ ایام طہر میں روزے رکھ لے، تا کہ اس کو روزہ کی مصلحت حاصل ہوجائے۔ جو کہ خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں پر محض اپنی رحمت اور احسان سے ان کے فائدہ کے لئے مشروع فرمائے ہیں۔

چاند وسورج گرہن کے وقت نماز مشروع ہونے کی وجہ

ا۔ چاند وسورج کا اسی صورت میں گرہن ہوتا ہے کہ جب کوئی آفت نازل ہونے والی ہو اور کسی مصیبت کا زمانہ قریب ہو۔ اور آسمان پر ایسے اسباب شر کے جمع ہو گئے ہوں، جو لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہوں اور صرف ان کو خدا تعالیٰ ہی جاتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ کی رحمت اور اس کی پر لطف حکمت تقاضا کرتی ہے جو کسی کسوف کے وقت لوگوں کو وہ طریقے سکھلائے جو کسوف کے موجبات کو دور کریں۔ اور اس کی بدیوں کو ہٹا دیں۔ پس اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ تمام طریقے سکھلا دیئے۔ یہ خدا تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ دعا کے ساتھ بلا کو رد کرتا ہے اور دعا اور بلا دونوں کبھی جمع نہیں ہوتی ہیں۔ مگر دعا باذن الٰہی بلا پر غالب آجاتی ہے، جب کہ دعا ایسی لبوں سے نکلتی ہے، جو خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والی ہیں۔ سو دعا کرنے والوں کو خوشخبری ہو۔

صحیح مسلم و بخاری سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنوں کے سمجھانے کے لئے فرمایا کہ شمس وقمر خدا تعالیٰ کے نشانوں میں سے دو نشان ہیں اور کسی کے مرنے یا جینے کے لئے ان کو گرہن نہیں لگتا۔ بلکہ وہ تو خدا تعالیٰ کے نشان ہیں۔ خدا تعالیٰ ان دونوں کے ساتھ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ پس جب تم ان کو دیکھو،تو جلدی سے نماز میں مشغول ہو جاؤ۔ حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ دونوں گنہگاروں کو ڈرانے کے لئے ہیں اور اس وقت ظاہر ہوتے ہیں، جب دنیا میں گناہ بہت

ہوں اور خلقت میں بدکاریاں پھیل جائیں اور پلید بہت ہو جائیں۔ اس غرض سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گرہن کے وقت فرمایا کہ نیکیاں کرو اور نیک کاموں کی طرف جلدی کرو۔ اور خالص نیت کے ساتھ نماز، روزہ اور دعا کرنا اور رونا اور خدا تعالیٰ کی تعریف کرنا اور ذکر و تضرّع، قیام، رکوع، سجود، توبہ و انابت اور استغفار اور خشوع و ابتہال اور جناب الٰہی میں تذلل کرنا مقرر فرمایا تا کہ اس آنے والے عذاب سے ان اعمال صالح کا بجالانا عامل کے لئے سپر ہو۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان دو چیزوں، جسم اور روح، کا مجموعہ ہے۔ پہلی حالت کو دیکھو کہ دل سے بات اٹھتی ہے، تو اس پر ہاتھ عمل کرتے ہیں، جس سے روح و جسم کا تعلق معلوم ہوتا ہے۔ غمی و خوشی ایک روحانی کیفیت کا نام ہے، مگر اس کا اثر چہرے پر بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کسی سے محبت ہو، تو حرکات و سکنات سے اس کا اثر معلوم ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام نے بھی اس نکتہ کو کئی پیرایوں میں بیان کیا۔ مثلاً حدیبیہ کے مقام پر جب سہیل آیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **سهل الامر** یعنی اب معاملہ آسانی سے فیصل ہو جائے گا۔ دیکھو بات جسمانی تھی، نتیجہ روحانی نکلا۔ اسی طرح نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی تعلیم کی طرف خیال کرو کہ پاخانہ جاتے وقت ایک دعا سکھلادی۔ **اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَاعِثِ** ۔ یعنی جیسے ظاہر پلیدی نکالی، اسی طرح نجاست روحانی کو بھی نکالنے کی توفیق دے۔ پھر جب مومن فارغ ہو، تو پڑھے **غُفْرَانَکَ** ۔ اس میں یہ اشارہ تھا کہ گناہ کی خباثت سے جب انسان بچتا ہے، تو اس طرح روحانی چین پاتا ہے۔ اصل بات فیصلہ کن یہ ہے کہ جسمانی رنگ میں مرکز دماغ ہے، کیونکہ تمام حواس کا تعلق دماغ سے ہے۔ اور روحانی رنگ میں مرکز قلب ہے۔ انبیاء علیہم السلام چونکہ روحانیت کی طرف توجہ رکھتے ہیں، اس لئے وہ ظاہری نظارہ سے روحانی نظارہ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ قرآن کریم میں **سِرَاجاً مُنِیْراً** یعنی روشن چراغ فرمایا ہے۔ جب اس حقیقی سورج حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ سورج کو گرہن لگ گیا، یعنی کچھ ایسے اسباب پیش آ گئے کہ سورج کی روشنی سے اہل زمین مستفید نہیں ہو سکتے، تو اس نظارہ سے آپ کا دل بھڑک اٹھا کہ کہیں میرے فیضان پہنچنے میں بھی کوئی آسمانی روک نہ آ جائے، اس لئے آپ نے اس وقت صدقہ، دعا، استغفار، نماز کو نہ چھوڑا، جب تک سورج کی روشنی باقاعدہ طور سے زمین پر پہنچنی شروع نہ ہو گئی۔ اب چونکہ مومن شخص بھی بقدر اتباع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نور رکھتا ہے، جیسے باپ کا اثر۔ چنانچہ اس لئے فرمایا **مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِنْ رِجَالِکُمْ وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖن** ۔ ترجمہ۔ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جسمانی بیٹا تو نہیں، مگر روحانی بیٹے بیشمار ہیں۔ اس لئے

ہر مومن ایسے نظارہ پر گھبراتا ہے اور گھبرانا چاہیئے کہ کہیں ایسے اسباب پیش نہ آ جائیں، جن سے ہمارا نور دوسروں تک پہنچنے میں روک ہو جائے۔ اسلئے وہ ان ذرائع سے کام لیتا ہے، جو مصیبت کے انکشاف و رفع کیلئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ یعنی صدقہ خیرات دیتا۔ دعا و استغفار کرتا و نماز پڑھتا ہے۔

۳۔ حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ "فتوحات مکیہ" میں کسوف و خسوف شمس و قمر کے متعلق لکھتے ہیں۔

و ان حل خسف النیرین فانه حجاب وجود النفس دونک یا فتی

ترجمہ۔ یعنی جب چاند اور سورج کو گرہن لگ جائے، تو اس سے سمجھ لو کہ ایسا ہی تیرے نفس کا وجود تیری ذات کے آگے اے جوان حجاب اور پردہ ہے، جو تجھ تک نور حقیقت کو پہنچنے سے مانع ہے۔

۴۔ جب آیات الٰہی میں سے کسی آیت کا ظہور ہوتا ہے اور لوگوں کے نفوس اس کے سبب سے خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ اور ملتجی ہو جاتے ہیں۔ تو اس وقت ان کو دنیا سے ایک قسم کی علیحدگی ہو جاتی ہے۔ اس واسطے ایمان والے کے لئے یہ وقت بہت غنیمت ہے۔ اس کو ایسے وقت میں دعا اور نماز اور تمام اعمال صالحہ میں کوشش کرنی چاہیئے۔

۵۔ یہ ایسا وقت ہے کہ عالم مثال میں حوادث کے پیدا کرنیکی طرف حکم الٰہی متوجہ ہو جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اہل معرفت کو خود بخود انکے دلوں میں ایسے اوقات میں گھبراہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔

۶۔ ایسے اوقات میں زمین پر روحانیت کا نزول ہوتا ہے۔ اسلئے صاحب احسان کو ان اوقات میں خدا تعالیٰ کیساتھ قربت حاصل کرنا بہت مناسب ہے۔ چنانچہ نعمان ابن بشر کی حدیث میں کسوف کی بابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آیا ہے۔ **فاذا تجلی اللہ لشئی من خلقه خشع له**۔ ترجمہ۔ یعنی جب خدا تعالیٰ اپنی مخلوقات میں سے کسی چیز پر تجلی فرماتا ہے، تو وہ چیز اسکے سامنے جھک جاتی ہے۔

۷۔ کفار لوگ چاند و سورج کو سجدہ کرتے ہیں، لہٰذا مومن مسلمان کو لازم ہے کہ جب کوئی ایسی دلیل ظاہر ہو کہ جس سے ان چیزوں کی عبادت کا استحقاق ثابت نہ ہو، تو خدا تعالیٰ کے آگے نیاز مندی سے التجا کرے اور خدا تعالیٰ کو سجدہ کرے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ وَ اسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ**۔ ترجمہ آفتاب کو سجدہ نہ کرو اور نہ چاند کو بلکہ اس خدا کو سجدہ کرو، جس نے انکو پیدا کیا ہے۔ یہ سجدہ کرنا دین کیلئے شعار اور منکرین کیلئے جواب ساکت کرنے والا ہے۔

خسوف وکسوف کی نماز میں قیام و رکوع دو دو مقرر ہونے کی وجہ

چونکہ یہ نشانات بنی آدم کو خدا تعالیٰ کی طرف سے خوف و دہشت و ہیبت یاد دلانے کے لئے

نمودار ہوتے ہیں، اس لئے ان نشانات کے ظہور میں بظاہر بھی انسان کو ایسے افعال و حرکات بجالانے کا امر ہوا، جن میں خدا تعالیٰ کی دہشت و خوف و جلال و رعب کا نقشہ انسان پر نمودار ہو، جیسا کہ کوئی جابر و قاہر بادشاہ کی سطوت و جلال سے اس کے سامنے بار بار جھکتا ہے اور کبھی اس کی امید بخشش و رحم سے سیدھا اس کے سامنے کھڑا ہوتا، کبھی خوف سے جھک جاتا ہے۔ اور اس کے آگے اپنا سر نیاز زمین پر رگڑتا ہے۔ وہی نقشہ یہاں پر اختیار کرنا پڑا۔ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قیام اور دو رکوع اس نماز میں کئے ہیں اور دونوں کو دو سجدوں پر قیاس کیا ہے، کیونکہ ایسے وقت میں رکوع اور قیام بھی خضوع کے لئے مثل سجدہ کے ہیں۔

سوال۔ ممکن ہے کہ کوئی کہے کہ خسوف و کسوف نجوم کی مقررہ منازل پر پہنچنے سے واقع ہوتا ہے اور اس کو انسانوں کے عذاب و ثواب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

جواب۔ خدا تعالیٰ جو ازل سے ابد تک جملہ واقعات و حوادث آئندہ سے واقف و دانا و بینا ہے، وہ جانتا ہے کہ فلاں فلاں اوقات میں لوگوں سے گناہ اور بدیاں سرزد ہوں گی اور وہ قابل مواخذہ ہوں گے۔ لہٰذا ان کی تنبیہ و آگاہی کے لئے نجوم کے منازل ابتدا ہی سے ایسے مقرر کئے، جن کے اقران سے خوف و کسوف واقع ہو۔ اور لوگ متنبہ ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور ان سے عذاب رفع ہو۔ اور اگر وہ متنبہ نہ ہوں، تو اس پر عذاب کا تازیانہ اترے۔ دراصل خسوف و کسوف مخلوق کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے عام طور پر اعلان و اعلام کے نشانات و آیات ہیں۔

نماز استسقا میں چادر الٹانے کی حکمت

۱۔ نماز استسقا میں چادر کا الٹنا اس حال کے الٹانے کی طرف ایما ہے، جس میں لوگوں کو خشک سالی سے فراخ حالی و تنگی عیش سے فراخی عیش کی تحویل مطلوب ہوتی ہے۔

۲۔ نماز استسقا میں لوگ کبر و فخر و بڑائی و گھمنڈ و ناشکری نعمت سے حالت توبہ استغفار و عجز و اظہار فاقہ و مسکنت کی طرف پھرنے کا اظہار اور ایک تحویل کے بدلے دوسری تحویل یعنی ایک گردش کے بدلے دوسری گردش طلب کرتے ہیں۔ پس چادر کا الٹنا تصویری زبان کی دعا ہے۔ اور زبان افعال کی دعا زبان اقوال سے زیادہ فصیح ہوتی ہے۔

۳۔ اس میں یہ امر بھی مرموز ہے کہ تصویری زبان میں افعال و اخلاق سیئہ سے افعال و اخلاق حسنہ کی توفیق کے لئے دعا کی جاتی ہے۔ حضرت ابن عربی فرماتے ہیں۔

و من کان یستسقی یحول ردائه　　تحول عن الافعال علک ترتضی

ترجمہ۔یعنی قحط سالی میں جونماز استسقا پڑھتا ہےاور چادر الٹاتا ہے۔اس کو اس میں یہ ایما ہے کہ اپنے افعال بدکوالٹ دےاور نیک افعال اختیار کر،تاکہ تو خوش ہوجائے۔

۴۔چادر کا الٹانا لوگوں کے احوال متغیر ہونے کی نقل اور نیک فال ہے،جس طرح مستغیث آدمی بادشاہوں کے حضور تصویری رنگ میں استغاثہ کرتے ہیں،وہی صورت یہاں سکھائی گئی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت سے دورکعت نماز استسقا بالجہر پڑھی اور بعدازاں خطبہ پڑھا اور خطبہ میں قبلہ کی طرف رخ کر کے ہاتھ اٹھا کے دعا مانگی۔اوراپنی چادر کو پھیرا،جس کی کیفیت یہ ہے کہ چادر کے باہر کو اندر کی طرف اور اندر کی طرف کو باہر کی طرف اور اس کے اوپر کو نیچے اور نیچے کی طرف کو اوپر کرے۔اور یہ سب کچھ اس حالت کی تحویل وگردش پر موکد اشارہ ہے،جس پر لوگ موجود ہوں۔

چادر کی باہر کی طرف کو اندر کرنے سے یہ مراد ہے کہ اس کے ظاہری اعمال حسنہ کا اثر اس کے باطن یعنی دل میں مؤثر ہو،جس سے اعمال حسنہ کا نتیجہ ظاہر اور نیک اعمال باطنی کا اثر اس کے باہر پر ظاہر ہو۔مثلاً یہ نیت ہو کہ وہ صدقہ دے گا۔پس صدقہ دے یا کسی نیکی کا ارادہ کرے،تو اس کو بجالائے۔پس جو کچھ اس کے باطن میں ہو، وہ اس کے فعل کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔جس نے کوئی بات پوشیدہ رکھی،خدا تعالیٰ اس کو اس کی چادر پہنا دیتا ہے۔اور جو کوئی نیک عمل کرے،اس کا اثر اس کے دل میں ہو جاتا ہے۔اور محبت وجستجو اس کو دوسرا عمل شروع کرنے کے لئے بھر دیتی ہے۔اور بالخصوص اگر اس کا یہ عمل دنیا میں علمی رنگ لے کر ظاہر ہو،جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔**من عمل بما علم اورثہ اللہ علم مالم تکن یعلم** ۔یعنی جو شخص اپنے علم کے مطابق عمل کرے،خدا اس کو علم سکھا دیتا ہے،جس کو وہ نہیں جانتا۔اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے **اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجْعَلْ لَکُمْ مَخْرَجاً** ۔ترجمہ۔اگر تم خدا سے ڈرو گے،تو خدا تعالیٰ تمہارے لئے امتیاز پیدا کرے گا۔

اور چادر کے اوپر کی طرف کو نیچے اور نیچے کی طرف کو اوپر کرنے کی یہ حکمت ہے کہ عالم بالا کو عالم اسفل کے ساتھ مسخر کرنا اور عالم اسفل کو عالم بالا کے ساتھ طہارت و پاکیزگی میں ملانا مراد ہے۔پس عالم بالا سے رحمت الٰہی نیچے کو اترے۔اور عالم اسفل کا مرتبہ خدا تعالیٰ کے آگے عجز وافتقار واحتیاج کے اظہار سے بعنایت الٰہی بلند ہو جائے۔

دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں کو چادر پھیرنے میں یہ مراد ہے کہ نیک لوگوں کی صفات دعا میں خشوع اور ذلت ہے اور وہ دنیا میں اہل یمین ہیں۔پس ان کی یہ صفت اہل شمال پر آخرت میں ہو۔گویا کہ نیک لوگوں نے یہ صفت ان سے دنیا میں ہی لے لی ہے۔چنانچہ خدا تعالیٰ نیکوں کے حق میں

فرماتا ہے۔ اَلَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلٰوتِہِمْ خَاشِعُوْن ۔یعنی نیک وسعید لوگ وہ ہیں، جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں۔اور فرمایا۔خَاشِعِیْنَ لِلّٰہِ ۔یعنی خدا کے لئے خشوع کرتے ہیں۔اوران کی برعکس صفت میں فرمایا۔یَخَافُوْنَ یَوْماً تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَار ۔ترجمہ۔ڈرتے ہیں اس دن سے،جس میں منقلب ہوں گے دل اور آنکھیں۔

اور بدوں کے حق میں آخرت کے متعلق فرمایا۔خَاشِعِیْنَ مِنَ الذُلِّ یَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِیٍّ ۔ترجمہ۔یعنی ان کی آنکھیں نیچے ہورہی ہیں۔اور وہ ذلت سے چھپی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔اور فرمایا وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ خَاشِعَۃٌ عَامِلَۃٌ نَاصِبَۃٌ تَصْلیٰ نَاراً حَامِیَۃً ۔ترجمہ۔کتنے منہ اس دن نِوے ہیں محنت کرتے تھکتے بیٹھیں گے دھکتی آگ میں۔

اورتحویل چادر کی دوسری وجہ ہے کہ نیک بندہ آخرت میں اس صفت سے موصوف ہو،جس کے ساتھ بد بندہ دنیا میں دولت وثروت وملک میں متصف ہو۔پس مومن کی وہ صفت آخرت میں ہوجائے اوراس کی طرف پھیرا جائے۔اور کافر کو اس صفت سے آخرت میں پھیرا جائے۔اور مومن آخرت میں کافرشقی کی نعمتوں کے ساتھ ظاہر ہو اور کافر آخرت میں بدبختی کی اس صفت کے ساتھ ظاہر ہو،جس میں مومن دنیا میں تھا۔پس دائیں اور بائیں اطراف کو چادر پھیرنے کی یہی حکمت ہے۔

نماز استسقا کی دو رکعت مقرر ہونے کی وجہ

خداتعالیٰ فرماتا ہے اَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعْمَہ' ظَاھِرَۃً وَ بَاطِنَہ'۔ترجمہ۔یعنی خداتعالیٰ نے تم پر ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کی ہیں۔پس پہلی رکعت ظاہری نعمتوں کے مقابلہ میں ہے،جس کے وسیلہ جمیلہ سے خلل ظاہری بند ہوتے اور نعمائے ظاہری طلب کی جاتی ہیں۔دوسری رکعت باطنی نعمتوں کے مقابلہ میں ہے۔جس میں ارواح وقلوب کی اغذیہ علوم حقہ ومعارف دقیقہ الٰہیہ کا سوال کیا جاتا ہے۔

نماز استسقا میں قرات جہر پڑھنے کی وجہ

ا۔نماز استسقا میں قرات کا جہر پڑھنا اس لئے مقرر ہوا کہ قرآن کریم کو جہر پڑھنے سے لوگوں کے وساوس رفع ہوں اور قرآن کریم سن کر اس میں تدبر وتفکر کا موقع ملے،جس سے ان کے دل نرم ہوں۔اور یہ امر باران رحمت الٰہی کے نزول کا موجب ہوگا۔

۲۔قرآن کریم کا سننا باعث نزول رحمت الٰہی ہے۔چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ اِذَا قُرِیَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہ' وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْن ۔ترجمہ۔یعنی جب قرآن کریم پڑھا

جائے، تو اس کو سنو اور چپ رہو، تا کہ تم پر رحمت الٰہی نازل ہو۔

بارش کو خدا تعالیٰ نے رحمت الٰہی سے تعبیر فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے **يُرۡسِلُ الرِّيَاحَ بُشۡرًا بَيۡنَ يَدَىۡ رَحۡمَتِهٖ** ۔ ترجمہ۔ یعنی خدا تعالیٰ بارش برسنے سے پہلے ہواؤں کو بطور بارش آگے بھیجتا ہے۔ اس آیت میں رحمت سے مراد بارش ہے اور آیت اول الذکر میں خدا تعالیٰ قرآن کریم سننے والوں پر رحمت الٰہی نازل کرنے کا وعدہ فرماتا ہے۔ لہٰذا نماز استسقا میں قرات قرآن جہری مقرر ہوئی۔ تا کہ اس کے سننے سے باراں رحمت الٰہی نازل ہو۔

نماز استسقا میں چادر الٹانے کا وقت دعا مقرر ہونے کی وجہ

استسقا میں چادر کا الٹانا دعا کے وقت سے مناسبت رکھتا ہے، کیونکہ یہ حالی سوال و دعا تحویل حالت کے لئے موضوع ہے۔ اور دعائے قال کے ساتھ ہی تصویری و حالی دعا کا ہونا لازم ہے۔

نماز عیدین کے لئے اذان واقامت مشروع نہ ہونے کی وجہ

چونکہ روز عید میں لوگوں کو نماز عید پڑھنے کے لئے اعلام واعلان وداعی بکثرت موجود ہوتے ہیں اور تکبیر و تحمید و تہلیل جو یوم عید میں مشروع ہیں، وہ بھی اس غرض کے لئے ہیں کہ غافل آگاہ ہو جائیں۔ لہٰذا حکم اذان واقامت ساقط ہوا۔ کیونکہ اذان واقامت اعلان واطلاع کے لئے ہوتے ہیں، تا کہ غافل ہوشیار ہو جائیں اور یہ بات روز عید میں پہلے ہی سے موجود ہے۔ (فتوحات مکیہ)

نماز عیدین میں زیادہ تکبیرات کہنے کی وجہ

چونکہ یوم عید میں لوگوں کو حظوظ نفوس یعنی کھانے، پینے، پہننے اور لہو و لعب میں مشغول ہو کر خدا تعالیٰ کی بزرگی و جلال و عظمت کو بھول جانے کا قوی مظنہ تھا، لہٰذا ان کے لئے نماز عیدین میں زیادہ تکبیرات شامل کی گئی ہیں۔ جن سے یہ مراد ہوتی ہے کہ اے خدا تمام کبر و عظمت تیرا ہی حق ہے۔ ہم سب ہیچ ہیں۔ اسی واسطے تین یوم تک ہر نماز کے بعد تکبیر و تحمید و تہلیل الٰہی لازم ٹھرائی گئی، تا کہ انسان کو خدا تعالیٰ کی بزرگی و بلندی مدنظر رہے۔ جو لوگ تین تکبیرات کے قائل ہیں، وہ عالم ثلاثہ جمادات، نباتات، حیوانات کی نفی کرنے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اور جو سات تکبیرات کے قائل ہیں، وہ خدا تعالیٰ کی صفات سبع کی اثبات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ (فتوحات مکیہ)

نماز عیدین کی تکبیروں میں کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی حکمت

تکبیرات عیدین کی نماز میں ہاتھوں کا اٹھانا اس بات کی طرف ایما ہے کہ اے خدا ہم نے تیری کبریائی وعظمت وجلال کے سامنے اپنی بڑائی وعظمت کو چھوڑ دیا۔سب بزرگیوں وبلندیوں کا تو ہی مالک ہے۔اور سب کا تیری طرف رجوع ہے۔

قرآن کریم کا شعائر الٰہی میں سے ہونے کی حکمت

قرآن کریم کا شعائر الٰہی ہونا اس طرح سے ہے کہ لوگوں میں سلاطین کی طرف سے فرامین کا رعایا کی طرف بھیجنا رائج ہے۔سلاطین کے تابع فرامین شاہی کی بھی تعظیم ہوتی ہے۔

انبیاء کے صحیفے اور لوگوں کی تصانیف بھی شائع اور رائج ہوگئی ہیں۔لوگوں کا مذہب کی پیروی کرنے کے ساتھ ہی ان کتابوں کی تعظیم کرنا ان کا پڑھنا پڑھانا بھی تھا۔ان کے علوم کو ہمیشہ کے لئے قبول اور حاصل کرنا بغیر ایسی کتاب کے بادی الرای میں محال تھا۔جس کو وہ پڑھیں یا اسکی روایت کریں۔ اس واسطے لوگوں کا منشا ہوا کہ ایک کتاب کی صورت میں رحمت الٰہی کا ظہور ہو، جو رب العالمین کی طرف سے نازل ہو۔اور اس کی تعظیم واجب ہو۔تعظیم کی یہ صورت ہو کہ جب تک وہ کتاب پڑھی جائے، تو سب لوگ خاموش ہو کر اس کو غور سے سنیں، اس کے فرامین کی فوراً تعمیل کریں۔سجدہء تلاوت کریں۔ جہاں تسبیح کرنے کا حکم ہو، وہاں تسبیح پڑھیں۔

پیغمبر خدا کا شعائر الٰہی میں سے ہونے کی وجہ

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا شعائر الٰہی میں سے ہونا اس واسطے ہے کہ ان کا نام مرسل رکھا گیا ہے۔کہ ان کو بادشاہوں کے ایلچیوں سے مشابہت دی گئی ہے، جو رعایا کی طرف بھیجے جاتے ہیں اور سلاطین کے امر ونواہی کی ان کو اطلاع کرتے ہیں۔ایلچیوں کی تعظیم اس واسطے قرار دی گئی کہ اس سے بھیجنے والے کی تعظیم کا اظہار ہو۔پیغمبر کی تعظیم یہی ہے کہ ان کے احکام کی بجا آوری کی جائے۔ان پر درود بھیجا جاوے۔گفتگو کرتے وقت آواز بلند نہ کی جائے۔

نماز سے مغفرت گناہوں کا راز

نماز میں دونوں باتیں جمع ہیں۔تزکیہ نفس اور اخبات نفس۔اسکی وجہ سے نفس کو پاک ہو کر عالم ملکوت تک رسائی ہو جاتی ہے۔اور نفس کی خاصیت میں یہ بات داخل ہے کہ جب وہ ایک صفت کے ساتھ متصف ہوتا ہے، تو دوسری، جو اس صفت کی ضد ہوتی ہے، اس سے جدا ہو جاتی ہے اور وہ اس سے ہٹ جاتی ہے۔وہ صفت اس سے ایسی دور ومعدوم ہو جاتی ہے کہ گویا کبھی اسکا نام بھی اس میں نہ تھا۔

اب جس شخص نے نماز کو پورے پورے طور پر ادا کیا۔ اور عمدہ طور پر وضو کیا اور وقت پر اسکو پڑھا۔ اور رکوع و سجود اور خشوع اور اسکے اذکار اور اشغال کو کامل طور پر ادا کیا۔ اور ان صورتوں سے معانی اور ان اشباح سے ارواح کا اس نے ارادہ کیا۔ تو بیشک وہ شخص رحمت الٰہی کے عظیم الشان دریا میں پہنچ جاتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ اسکے گناہ محو فرما دیتا ہے۔ چنانچہ اس امر کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لو ان نهرا بباب احدکم يغتسل فيه کل يوم خمسا هل يبقى من درنه شئى قالوا لا قال فذالک مثل الصلوات الخمس يمحو الله بها الخطايا ۔ ترجمہ۔ یعنی اگر تم میں سے کسی شخص کے دروازے پر نہر جاری ہو اور وہ اسمیں روزانہ پانچ بار نہایا کرے، تو کیا اسکے بدن پر میل باقی رہ سکتی ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ پنجگانہ نمازوں کی مثال ہے۔ ایسے ہی خدا تعالیٰ پنجگانہ نمازوں سے خطاؤں و گناہوں کو بالکل محو و نابود کر دیتا ہے۔

آج مورخہ ۲۳ مئی ۱۹۰۹ء کو بعد از نماز فجر اس حدیث نبوی کی حقیقت کچھ قدر مجھ پر منکشف ہوئی کہ نماز سے گناہ واقعی انسان کے وجود سے ایسے خارج ہوتے ہیں، جیسے غسل کرنے سے میل و پلیدی جسم سے اتر جاتی ہے۔ اور اس امر کی تکمیل ظہر کی نماز سے لے کر فجر کی نماز تک ہوتی رہتی ہے۔ اور یہ بھی اسی وقت محسوس و مشہود ہوا کہ پانچ نمازوں میں کوئی نماز عمداً چھوڑنے والے کے وجود میں گناہوں کی کدورت بڑھ جاتی ہے۔ اور عالم کشف میں ایسے شخص کا وجود سیاہی مائل نظر آتا ہے۔ یہ معلوم نہیں ہوا کہ آیا یہ پہلے گناہ عود کر آتے ہیں یا نافرمانی الٰہی کے ہوتے ہیں، مگر میرا ذہن فراستاً اس طرف متبادر ہوتا ہے کہ یہ گناہ ترک نماز کے ہوتے ہیں۔

ہر خطبہ میں امام کا جلسہ استراحت کرنے کی وجہ

نبی علیہ السلام نے جمعہ کے اندر دو خطبوں اور ان کے اندر جلسہ کرنے کو اس لئے مسنون فرمایا کہ امر مطلوب پورا پورا حاصل ہو جائے اور خطیب کو بھی آرام مل جائے اور نیز سامعین کا نشاط از سر نو تازہ ہو جائے۔

ہر خطبہ میں تقرری تشہد کی وجہ

خطبہ کا پڑھنا اس طرح پر مسنون ہے کہ پہلے خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے اور توحید و رسالت کی شہادت ادا کی جائے اور بیچ میں کلمہ فصل اما بعد لا کر لوگوں کو پند و نصیحت و تقویٰ کا حکم کرے۔ اور ان کو دنیا و آخرت کے عذاب الٰہی سے ڈرائے اور کسی

قدر قرآن کریم پڑھے اور کچھ مسلمانوں کے حق میں دعائے خیر کرے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس طریق نصیحت میں خدا تعالیٰ و رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وقرآن عظیم کی عظمت پائی جاتی ہے۔ کیونکہ خطبہ دین کا شعار ہے۔ اذان کی طرح یہ چیزیں اس میں بھی ضروری ہونی چاہئیں۔ اور حدیث میں آیا ہے **کل خطبة لیس فیھا تشھد فھی کالید الجزماء** ۔ ترجمہ۔ یعنی جس خطبہ میں کلمہء شہادت نہ ہو، وہ مثل دست بریدہ کے ہے۔ خطبہ وعظ ونصیحت کے لئے مقرر ہے۔

اسماء الٰہی کا ننانوے میں محدود ہونے کی وجہ

سوال۔ اگر کوئی کہے کہ خدا تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ ننانوے سے زیادہ ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر زیادہ ہو سکتے ہیں، تو ننانوے کی تخصیص وحصر کی کیا وجہ ہے۔ کیونکہ جسکے پاس ہزار روپیہ ہو، تو عاقل کو لازم نہیں ہے کہ کہے کہ اسکے پاس ننانوے روپیہ ہے۔ کیونکہ اگرچہ ننانوے بھی ہزار کے اندر ہی آ جاتے ہیں۔ لیکن ننانوے کے عدد کی تخصیص باقی عددوں کی نفی کرتی ہے۔ اور اگر ننانوے سے زیادہ نہیں ہیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک کے کیا معنی ہیں، جو آپ فرماتے ہیں کہ اے خدا میں تجھ سے ہر اسم کے ساتھ سوال کرتا ہوں، جسکے ساتھ تو نے اپنے آپ کو مسمّٰی فرمایا ہے یا تو نے اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے یا تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے۔ یا جو تیرے علم غیب میں ہے۔ علیٰ ھذا القیاس اور بھی بہت سے دلائل ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے اسما ننانوے سے زیادہ ہیں۔

جواب۔ (۱) واضح ہو کہ بے شک خدا تعالیٰ کے اسم ننانوے سے زیادہ ہیں اور جس حدیث میں ننانوے کی حصر وتخصیص آئی ہے، وہ ایک امر مخصوص کے متعلق ہے۔ مثلاً جس بادشاہ کے ہزار غلام ہوں اور کوئی کہے کہ بادشاہ کے ننانوے غلام ایسے ہیں کہ جو شخص ان کے ساتھ اپنی مدد و پشتی چاہے، اس کے دشمن اس کی تاب مقابلہ نہ لاسکیں گے۔ پس ایسی تخصیص ان کے ساتھ امداد وقوت حاصل کرنے کے لئے ہے۔ یعنی ایسی خصوصیت یا تو ان کے زیادہ قوی ہونے کے لئے یا اس لئے کہ اتنی تعداد دشمنوں کے رفع دفع کرنے کے لئے کافی ہے اور باقی کی حاجت نہیں ہے۔ ایسا ہی اسمائے الٰہی کی خصوصیت وحصر ہے۔ اور اس قسم کی خصوصیت باقی عددوں کی نفی نہیں کر سکتی۔ (ترجمہ از "اربعین" امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ)

۲۔ اس تعداد مخصوص کا ایک سبب یہ ہے کہ یہ اسماء خدا تعالیٰ کے صفات ثبوتیہ اور سلبیہ کی معرفت کے لئے کافی مقدار ہیں۔ اور خطیرۃ القدس میں ان اسماء کے لئے نہایت برکت اور کامل درجہ پایا جاتا ہے۔ اور نامہء اعمال میں ان اسماء کی صورت جب مندرج ہوتی ہے، تو بالضرور اس صورت کی وسعت ایک عظیم الشان رحمت کی طرف ہوتی ہے۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **ان للہ تسع**

و تسعین اسما من احصاها دخل الجنة ۔ترجمہ۔یعنی خداتعالیٰ کے لئے ننانوے اسم ہیں۔جو شخص ان کو یاد کرے گا، وہ جنت میں داخل ہوگا۔

باب الجمعہ

وجہ تقرری نماز جمعہ

ا۔جب شریعت کا خطاب ہی عقل پر مانا گیا ہے اور ہر حکم شریعت کی بنا وجوہات اور حکمتوں پر ہے، تو پھر بالضرور ماننا پڑے گا کہ نماز جمعہ بھی منجملہ ان احکام الٰہی کے ہے، جس کی تقرری حکمت الٰہی اور اس کی مصلحت ورحمت ورافت پر مبنی ہے۔نماز کے روزانہ اوقات خمسہ کی تقرری کی فلاسفی پہلے بیان ہو چکی ہے۔پس جس طرح پانچوں اوقات نماز کا گذر ومرور ہر فرد بنی آدم پر ہوکر نتائج مختلفہ کا باعث ہے، ایسا ہی یوم جمعہ کا گذر بھی انسان کے جسم وروح پر تاثیرات مناسبہ کا باعث ہوتا ہے۔یعنی اگر انسان اس دن میں نیکی میں شاغل ہوگا، تو اس کے لئے بہتری وخوبی ہوگی۔اور اگر بدی میں شاغل ہوگا، تو سخت بداثر ہوگا۔اس لئے نماز کا تقرر خداتعالیٰ نے بنی آدم کی مصلحت وبہتری وبہبودی وترقی حال کیلئے کیا ہے۔

۲۔تقرری جمعہ سے مراد عام تبلیغ وتلقین اسلام ہے اور اس امر کے لئے جمعہ مقرر کیا گیا ہے۔لہٰذا ہر روز کی نماز میں تمام شہر کے لوگ ایک جگہ روزمرہ اکٹھے نہیں ہو سکتے تھے، کیونکہ اس میں ان کا حرج عظیم اور ان کے لئے مالا یطاق امر تھا، اس لئے حکمت الٰہی کا مقتضیٰ ہوا کہ عام تبلیغ اسلام کے لئے ایک حد مقرر کی جائے کہ اس حد کا دوران نہ تو بہت ہو، جس کی وجہ سے لوگوں پر دشواری ہو اور نہ بہت مدت میں ہو کہ جس کے سبب مقصود ہاتھ سے نکل جائے۔اور ہفتہ ایسی مقدار ہے کہ تمام عرب وعجم اور اکثر ملتوں میں اس کا ستعمال کیا جاتا ہے۔اور اس میں اس امر کی قابلیت ہے کہ اس کو حد بنایا جائے۔اس لئے اس کو نماز کا وقت معین کیا گیا۔اب رہا یہ امر کہ ان دنوں میں سے کونسا دن ایسی عبادت کے لئے مخصوص کیا جائے، تو یہود نے ہفتہ کے روز کو اور نصاریٰ نے اتوار کے روز کو اپنی اپنی رائے کے موافق ان دنوں کو اور دنوں پر ترجیح دی۔اور اس امت کو اللہ پاک نے علم عظیم کے ساتھ خاص کیا کہ شروع میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے سے پیشتر خود بخود جمعہ کے دن کو پسند کیا۔بعد ازاں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا انکشاف اس طرح اس امر کا فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس ایک آئینہ لے کر، جس کے اندر سیاہ نقطہ تھا، تشریف لائے اور اس مثال سے جو مراد تھی وہ آپ کو سمجھائی۔آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو معلوم کر لیا اور اس علم کا حاصل یہ ہے کہ ادائے طاعت کے لئے بہترین

اوقات میں سے وہ وقت ہے کہ جس وقت خدا تعالیٰ کو بندوں کے ساتھ قربت ہوتی ہے اور اس وقت میں ان کی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں۔ کیونکہ ایسے وقت میں طاعت کے قبول ہونے میں بہت جلدی ہوتی ہے۔ اور خاص دن کے اندر اس کا اثر ہوتا ہے اور ایک عبادت بہت سی عبادتوں کا نفع دیتی ہے۔

۳۔ خدا تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ تقرب کا ایک وقت مقرر ہے، جو ہفتوں کی گردشوں سے اس کی بھی گردش ہوتی رہتی ہے۔ اس وقت خدا تعالیٰ جنت الکشف میں اپنے بندوں کو تجلی فرماتا ہے اور وہ وقت جمعہ ہی کا دن ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں اور بھی بہت سے امور عظیمہ واقع ہوتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **خیر یوم طلعت علیه الشمس یوم الجمعة** ۔ترجمہ۔ یعنی بہترین دنوں میں سے، جس میں آفتاب طلوع ہوتا ہے، وہ جمعہ کا دن ہے۔ اس دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن جنت میں داخل ہوئے اور اسی روز اس سے باہر ہوئے اور اسی روز قیامت قائم ہوگی۔ تمام بہائم جمعہ کے دن گھبرائے ہوئے پریشان اور خائف ہوتے ہیں۔ گویا وہ کسی سخت مہیب آواز سے ڈرتے ہیں اور اس امر کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس دن ملائکہ سافل سے ان کے دلوں پر اس گھبراہٹ کا اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ملائکہ کے اس اثر کی تشریح بالفاظ ذیل بیان فرماتے ہیں۔ **کسلسلة علی صفوان حتی اذا فزّع عن قلوبهم** ۔ترجمہ۔ یعنی جس طرح سخت پتھر پر لوہے کی زنجیر ماری جاتی ہے، تو اس سے آواز پیدا ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے۔

۴۔ جبکہ یوم جمعہ تمام ایام ہفتہ سے افضل مانا گیا ہے، تو بالضرور اس کی فضیلت اس امر کی مقتضی ہے کہ اس کی نماز بھی دیگر ایام سے افضل وممتاز ومنتخب ہو۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں فرماتے ہیں۔ **ان افضل ایامکم یوم الجمعة فیه خلق آدم و فیه النفخة و فیه الصعقة فاکثروا علی الصلوة فان صلوتکم معروضة علی** ۔ترجمہ۔ یعنی ہفتہ کے سب ایام سے افضل دن جمعہ کا ہے۔ اسی دن میں آدمؑ پیدا ہوا۔ اسی دن نفخہء صور ہوگا۔ اور اسی دن قیامت ہوگی۔ پس مجھ پر درود بکثرت پڑھا کرو۔ کیونکہ تمہارا درود پڑھنا میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

جب کہ یہ دن تمام ایام ہفتہ سے اعلیٰ و افضل ہے، تو اس دن کی عبادت کا ثواب تمام ایام ہفتہ سے زیادہ تر ہونے سے مناسبت رکھتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے گناہ نماز جمعہ پڑھنے سے زائل ہو جاتے ہیں۔

اس روز کی فضیلت اس امر کی مقتضی ہے کہ اس روز کے اعمال زیادہ تر صفائی بدن وستھرائی لباس

سے بجالائے جائیں۔لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **ان ھذا یوم عید للمسلمین فمن جاء الی الجمعة فلیغتسل و ان کان طیب فلیمس منه و علیکم بالسواک ۔** ترجمہ۔یعنی یہ جمع کا دن مسلمانوں کی عید کا دن ہے۔پس جو نماز جمعہ کو آئے،وہ نہا لے اور اگر اس کو خوشبو ملے،تو خوشبو مل لے اور اس روز مسواک بھی ضرور کیا کرو۔

۵۔مذہب کی عام تبلیغ و تعلیم کے لئے ہفتہ بھر میں ایک روز مقرر ہونا ضروری تھا۔لہٰذا اس امر مہم کے لئے یوم جمعہ مقرر ہوا۔کیونکہ تبلیغ اسلام کے لئے قدیم سے ایک یوم ہفتہ کا تمام انبیاء سابقین میں بھی چلا آتا ہے۔چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **عن ابی هریره رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اضل الله عن الجمعة من کان قبلنا کان للیهود یوم السبت و الاحد للنصاریٰ فهم لنا تبع الی یوم القیامة نحن الآخرون من اهل الدنیا و الاولون المقضیٰ لهم قبل الخلائق۔** ترجمہ۔یعنی حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے راوی ہیں کہ خدا نے یہود و نصاریٰ پر،جو تم سے پہلے تھے،روز جمعہ کی فضیلت و بزرگی پوشیدہ رکھی۔اس لئے وہ بھٹک گئے۔یہود کے لئے ہفتہ کا دن تھا اور نصاریٰ کے لئے اتوار کا دن تھا۔پس وہ قیامت تک ہم سے پیچھے ہیں۔ہم اہل دنیا سے اخیر پر آئے ہیں اور سب لوگوں سے پہلے قیامت کے دن ہمارا فیصلہ ہوگا۔یعنی دربار الٰہی میں حاضر ہوں گے۔وجہ اس امر کی یہ ہے کہ دنیا کی ابتداء اتوار سے شروع اور اس کی تکمیل یوم جمعہ بوقت عصر ہوئی۔پس جمعہ کے دن میں جس کی پیدائش ہو،وہ جامع فضائل اولین و الآخرین ہے۔لہٰذا اس کی فضیلت اس امر کی مقتضی ہے کہ اس کو دربار الٰہی میں باریابی سب سے پہلے ہو۔کیونکہ وہ تمام نیکیوں کا مجموعہ ہے اور سب کا سردار ہے۔

خصوصیت یوم جمعہ۔ہفتہ۔اتوار

جس قوم کی عبادت کا خاص یومِ ہفتہ جمعہ کا دن مقرر ہو،اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ اس قوم میں دین تمام نیکیوں کا مجموعہ ہے۔اور وہی دین کامل و اکمل و مکمل ہے اور بالآخر دنیا میں وہی قوم کامیاب و مظفر و منصور ہوگی۔اور اس قوم کا ابتداء میں عروج ہوگا۔پھر درمیانی زمانہ میں اس کا نزول ہوگا۔پھر دوبارہ اس کا عروج ہوگا۔اور وہ جمعہ کا چھٹا گھنٹہ وقت استواء ہوگا۔یعنی آدم علیہ السلام سے لے کر دنیا کے چھٹے ہزار سال کے قریب نصف کے بعد شروع ہوگا۔

کیونکہ جس طرح دین کی تکمیل چھٹے دن کو ہوئی ہے،اسی طرح انسان کے روحانی فضائل و جسمانی تکمیل کا دائرہ چھ طور پر پہنچ کر ختم ہوتا ہے۔وجہ یہ ہے کہ خدا نے انسان کی پیدائش میں چھ اطوار

رکھے ہیں۔اور چھ اطوار کے اختتام تک تکمیل ہوتی ہے۔لہٰذا یوم الاحد سے لے کر جمعہ کو پورے چھ یوم ہوتے ہیں۔سو یہ یوم جامع نبی کی امت کا ہے۔اس میں کسی دوسرے کی شراکت نہیں ہے۔

جس قوم کا دینی ہفتہ یک شنبہ یعنی اتوار ہے،اس کی اس بات پر دلالت ہے کہ اس قوم کی حالت دین بہت کمزور نطفہ کے رنگ پر ہے۔وہ قوم نصاریٰ ہے۔اور پھر اس کی اس امر پر دلیل ہے کہ اس قوم کے اکثر افراد دنیا کے چھٹے یوم یعنی چھ ہزار سال کے اختتام تک اور اس کے بعد اس قوم اور اس نبی کا دین اختیار کریں گے،جن کا دینی ہفتہ یوم جمعہ مقرر رہا ہے۔وہ اہل اسلام ہیں۔کیونکہ اکثر نطفے اپنے کمال کو پہنچ کر تولّد ہوتے ہیں۔اور پھر اس امر پر دلالت ہے کہ جس قوم کا دینی ہفتہ یک شنبہ ہے،اس کا نبی جمالی رنگ میں ان پر مبعوث ہوگا۔وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔اور پھر اس امر پر دلیل ہے کہ اس نبی کی زندگی میں تھوڑے لوگ اس کے مطیع ہوں گے اور اس کی وفات کے بعد اس کو ماننے والے بہت ہوں گے،کیونکہ اکثر نطفے بعد تولد جمالی کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔اور وہ روحانی پرورش میں بہت کمزور وضعیف اور صنعت وحرفت وحکومت میں برسرکمال ہوں گے۔کیونکہ یوم الاحد ان کی ولادت کا دن ہے۔چونکہ انکی روحانی پرورش بہت کمزور ہوگی،اسلئے انکی تربیت روحانی کا تقاضا اس امر کا مقتضی ہوگا کہ وہ جامع نبی کے دین میں مل کر روحانی پرورش پائیں گے۔اور انکی تعداد کئی کروڑوں بلکہ اربوں تک ہوگی۔

جس قوم کا دینی ہفتہ یوم سبت یعنی شنبہ مقرر ہے،اس کی اس بات پر دلیل ہے کہ وہ قوم بالآخر متروک ومخذول ومردود ہو جائے گی اور وہ تعدی وسرکشی میں تمام اقوام سے بڑھے ہوئے ہوں گے اور سستی وکسالت وعیاشی وتعدی کے باعث دنیا ہی میں ان پر عذاب آ جائے گا۔اور ان کے اکثر افراد کا خاتمہ عذاب کے ساتھ ہوگا۔کیونکہ شنبہ کے دن کو ان ہی امور سے مناسبت ہے۔اور اس قوم کے بعض لوگ جامع نبی کے دین کو قبول کرلیں گے۔مگر جس نبی کی قوم کا دینی ہفتہ اتوار ہے،اس نبی کو تھوڑے مانیں گے اور اس کو ایذا دیں گے۔اور اسی طرح سے دونوں قوموں میں سخت عداوت نمودار ہو جائے گی۔اور پھر اس بات پر دلیل ہے کہ جس قوم کا دینی ہفتہ سبت ہے،اس قوم کا نبی ان پر جلالی رنگ میں مبعوث ہوگا۔اور اس قوم کے اکثر افراد اس نبی کی نافرمانی کریں گے۔وہ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

جس قوم کا دینی ہفتہ یوم جمعہ ہے،اس کی اس بات پر دلیل ہے کہ اس قوم کا دین تمام ادیان سابقہ سے اکمل ہوگا اور تمام ادیان واقوام کی نیکیاں اس دین میں جمع ہوں گی۔اور اس قوم کا نبی جامع جلال وجمال اور خاتم الانبیاء وجامع جمیع کمالات نبوت ہوگا۔اور پھر اس بات پر دلیل ہے کہ بالآخر دنیا کی تمام قومیں اپنے ادیان ومذاہب کو چھوڑ کر جامع نبی کے دین میں آ کر مل جائیں گی۔وہ حضرت محمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ترک جمعہ سے دل پر مہر لگنے کی وجہ

قبل ازیں لکھا گیا ہے کہ ایام واوقات بنی آدم پر اپنی اپنی تاثیرات مناسبہ ڈالتے رہتے ہیں۔ پس جب کہ اسلام کا ہفتہ یوم جمعہ مقرر ہوا اور اس میں انسان کے لئے مجموعہ خیرات دینی ودنیاوی دینے کا وعدہ ہے، تو اس کو ترک کرنے میں گویا خیرات دینی ودنیا سے محروم ہونے کی نشانی ہے، جو شخص جمعہ کی نماز چھوڑے گا یا جان بوجھ کر ترک کر دے گا، اس نے گویا یہود ونصاریٰ کے یوم سبت ویوم احد کے ساتھ اپنی مناسبت پیدا کر لی۔ کیونکہ یہود ونصاریٰ تو یوم جمعہ کو نماز نہیں پڑھتے۔ بلکہ انہوں نے تو ہفتہ اور اتوار مقرر کرلیا ہوا ہے۔ سو سبت واتوار والے لوگوں کا حال ملاحظہ کر لو کہ کیا ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **من ترک الجمعة ثلاثا من غير ضرورة طبع الله على قلبه**۔ ترجمہ۔ یعنی جو شخص تین جمعے بغیر ضرورت چھوڑ دے، خدا تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

شہروں میں تقرری جمعہ کی وجہ

چونکہ یوم جمعہ تبلیغ وتلقین اسلام کے لئے مقرر کیا گیا ہے، اس لئے ضرور تھا کہ تبلیغ وتعلیم اسلام کے لئے ایسے مقام مقرر ہوں، جہاں لوگ بکثرت اکٹھے ہو سکیں۔ اور دیہات کے لوگوں کو امر ہوا کہ وہ اپنے گرد ونواح کے بڑے قصبوں والوں کے ساتھ مل کر نماز جمعہ ادا کریں، کیونکہ وہاں پہلے ہی بکثرت لوگ جمع ہوتے ہیں۔ وجہ یہ کہ تھوڑی تعداد کے لوگوں کو زیادہ تعداد کے ساتھ مل جانا مناسب ہے۔

پھر ضروری تھا کہ نماز جمعہ کے لئے قصبات میں باہر سے آنے والے لوگوں کے لئے ایک حد مقرر ہوتی۔ ورنہ بہت دور سے آکر نماز جمعہ میں شامل ہونے کے لئے انسانوں کے امور معاش میں خلل وحرج ہوتا۔ کیونکہ بعض ممالک میں صدہا کوسوں تک کوئی بڑا شہر نہیں ملتا، بلکہ چھوٹے چھوٹے دیہات ہوتے ہیں اور ایسے صدہا میل کے اندر رہنے والے لوگوں کو اس عظیم الشان نیکی نماز جمعہ وتبلیغ وتلقین وتعلیم اسلام سے محروم رکھنا اور مہمل چھوڑ دینا حکمت دین اسلام ومصلحت الٰہی کے برخلاف ہے۔ کیونکہ دیہات کے لوگ بہ نسبت شہر وقصبات والوں کے زیادہ تر تبلیغ وتعلیم اسلام کا حق رکھتے ہیں۔ وجہ یہ کہ وہ لوگ اکثر مہذب ودیندار لوگوں سے ہٹ کر رہتے ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْراً وَ نِفَاقاً وَ اَجْدَرُ اَنْ لَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ** ۔ ترجمہ۔ یعنی دیہات کے گنوار لوگ کفر ونفاق میں بہت بڑھے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کی

حالت ہی اس لائق ہوتی ہے کہ وہ حدود الٰہی سے جو اس کے رسول پر نازل ہوئی ہیں، ناواقف ہوتے ہیں، کیونکہ ان میں تبلیغ اسلام کم ہوتی ہے۔ پس جہاں کے لوگ اسلام سے بہت سخت ناواقف و بے علم ہوں، ان کے لئے زیادہ تر تاکید تعلیم و تبلیغ اسلام ہونی مناسب ہے۔ سو الٰہی حکمت نے ایسا کیا کہ ان کو اس سے محروم نہیں رکھا۔ لہٰذا کم از کم دو میل کے اندر دیہات کے رہنے والے لوگوں کو امر ہوا کہ وہ بڑے شہروں وقصبات میں جا کر اکٹھے ہو کر نماز پڑھیں، کیونکہ بہت سے آدمیوں کا ایک جگہ عبادت کے لئے جمع ہونا موجب نزول رحمت الٰہی ہے اور شہر کے مہذب لوگوں سے دیہاتیوں کے ملنے اور ان میں آ کر عبادت ادا کرنے سے غیر مہذب لوگوں کے نفوس مہذب بن جاتے ہیں اور ایک دوسرے کے نفوس میں انوار کا تداخل ہوتا ہے۔

اور جہاں نزدیک کوئی شہر نہیں، وہاں پر دو میل کے اندر رہنے والے لوگوں کو ایک جگہ مل کر نماز جمعہ ادا کرنے کی طرف ایما فرمایا گیا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال عسے احدكم ان يتخذ الصبة من الغنم علی راس ميل او ميلين فيتعذر عليه الكلاء فيرتفع ثم تجئی الجمعة فلا يجئی و لا يشهدها و تجئی الجمعة فلا يشهدها و تجئی الجمعة فلا يشهدها حتی يطبع علی قلبه** ۔ترجمہ۔ یعنی حضرت ابی ھریرہؓ نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے راوی ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سنو کہ ایسا ہوسکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص بکریوں کا ریوڑ ایک یا دو میل کے فاصلہ پر رکھے اور ان کے چارہ کی اس کو ضرورت ہو، تو وہ چارہ کے لئے ایک یا دو میل سے دور چلا جائے۔ مگر پھر جب جمعہ کا دن آئے، تو نماز جمعہ میں آ کر وہ حاضر نہ ہو۔ پھر جمعہ کا دن آئے، تو وہ نماز جمعہ میں حاضر نہ ہو۔ پھر جمعہ کا دن آئے، تو وہ نماز میں حاضر نہ ہو۔ تو اس کے دل پر مہر لگائی جائے گی۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ نماز جمعہ دیہات میں پڑھنا جائز نہیں، یہ بات غلط ہے۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے عام اہل اسلام مومنوں کو نماز جمعہ کے لئے خطاب کیا ہے اور اس میں شہری کی تخصیص نہیں فرمائی۔ بلکہ تمام دیہات وشہر والوں کو یکساں امر فرمایا ہے، چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **يَـٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ** ۔ترجمہ، یعنی اے مومنو جب جمعہ کے دن نماز جمعہ کے لئے تم کو بلایا جائے، تو یاد الٰہی کے لئے دوڑ کر جاؤ۔

ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **الجمعة واجبة علی كل قرية** ۔ترجمہ۔ یعنی نماز جمعہ کا ادا کرنا ہر گاؤں والوں پر واجب ہے۔ اور اس وجوب کی وہ شکل ہے، جو ہم نے اوپر ظاہر

کی ہے۔ کیونکہ بعض گاؤں ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں ایک یا دو مرد ہوتے ہیں، تو ان پر وجوب جمعہ اسی شکل میں قائم ہے اور امر یہ ہے کہ وہ دوسرے مقام میں نماز جمعہ جا کر ادا کریں اور اسی میں ان کی فضیلت وبہتری ہے۔ اور اگر وہ ایسا گاؤں ہو، جہاں تین سے زیادہ آدمیوں کی آبادی ہو، تو وہاں بھی جمعہ ادا ہو سکتا ہے۔ اور ہر دو میل پر جمعہ قائم کرنے کا انتظام بادشاہ یا امام وقت کی طرف سے ہوسکتا ہے یا یہ کہ خود لوگ اتفاق کر کے ہر دو میل کے فاصلہ والے دیہات کے اندر جہاں شہر وقصبات کلاں نزدیک نہ ہوں جمعہ ادا کریں۔ مگر اس سے ہماری یہ مراد نہیں ہے کہ جہاں بادشاہ وامام وقاضی وقت جمعہ پڑھنے کے لئے لوگوں کو تاکید نہ کریں، وہاں کے لوگوں سے جمعہ ساقط ہوسکتا ہے۔ اور نہ ہی ہماری یہ مراد ہے کہ ان پر وجوب جمعہ نہیں ہے۔ بلکہ وجوب جمعہ ان پر اسی طرح قائم ہے، جس طرح خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کا امر فرمادیا ہے۔ البتہ کوئی دینِ اسلام کا بادشاہ موجود ہو اور پھر وہ اقامت جمعہ کے لئے اس طرح کوشش نہ کرے، تو اس کی بادشاہی میں فتور وزوال آجائے گا۔ اور یہی امر زوالِ سلطنتِ اسلام کا ہوا۔ کہ امراء نے ادائے نماز جمعہ اور اس کی اقامت کے لئے کوشش نہ کی، بلکہ غفلت وعیاشی میں ڈوب گئے۔ تو پھر ضرور تھا کہ ترک نماز جمعہ کی مناسبت و بددعائے نبوی ان کو لاحق ہوتی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **عن جابر ابن عبد الله قال خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا ايها الناس توبوا الى الله قبل ان تموتوا و بادروا بالاعمال الصالحة قبل ان تشغلوا و صلوا الذى بينكم و بين ربكم بكثرة ذكر كم له و كثرة الصدقة فى السرو العلانية ترزقوا وتنصروا و تجبروا و اعملوا ان الله قد افترض عليكم الجمعة فى مقامى هذا فى يومى هذا فى شهرى هذا من عامى هذاالى يوم القيامة فمن تركها فى حياتى او بعدى و له امام عادل او جائر استخفافا بها او حجودا لها فلا جمع الله شمله و بارك له فى امره الا و لا صلوة له و لا زكوٰة له و لا حج له و لا صوم له و لا بر له حتى يتوب فمن تاب تاب الله عليه الا لا تؤمن امراة رجلا و لا يؤم اعرابى مهاجرا و لا يؤم فاجر مؤمنا الا ان يقهره سلطان يخاف سيفه و سوطه** ۔ ترجمہ۔ جابر بن عبداللہ راوی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں تقریر ذیل فرمائی۔ اے لوگو مرنے سے پہلے خدا کی طرف رجوع کرلو اور اعمال صالحہ کے لئے جلدی کرو اور وہ رشتہ، جو تمہارے درمیان اور پروردگار کے درمیان ہے، اس کو خدا تعالیٰ کو بہت یاد کرنے اور ظاہر و پوشیدہ بہت صدقات دینے سے ملاؤ، تو تم کو رزق دیا جائے گا اور تمہاری مدد کی جائے گی۔ سنو کہ خدا تعالیٰ نے آج اس مقام اس مہینے اور اسی سال قیامت تک

تم پر نماز جمعہ کا ادا کرنا فرض کیا ہے۔اس لئے جس نے نماز جمعہ میری زندگی میں یا میری وفات کے بعد عمداً یا انکار کر کے چھوڑ دیا اور اس کا کوئی امام عادل یا جابر موجود ہو، تو خدا تعالیٰ اس کی پراگندگی جمع نہ کرے گا۔اور اس کے کام میں خدا برکت نہ دے گا۔سنو، اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔اس کی کوئی زکوٰۃ قبول نہیں ہوتی۔اس کا کوئی حج نہیں۔اس کا کوئی روزہ نہیں۔اس کی کوئی نیکی نہیں، جب تک وہ ترک نماز جمعہ سے توبہ نہ کرے۔پس جو شخص توبہ کرے خدا اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔سنو، کوئی عورت کسی مرد کی امامت نہ کرے۔کوئی دیہاتی باہر کا رہنے والا کسی مہاجر کو امام نہ بنے اور کوئی فاجر کسی مومن کا امام نہ بنے۔مگر یہ کہ کوئی بادشاہ اس پر جبر کرے کہ جس کی تلوار اور چابک سے وہ ڈرتا ہے۔

خطبہ جمعہ کے درمیان خطیب کا بیٹھنا مسنون ہونے کی وجہ

بروایت صحیح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطبہ جمعہ کے درمیان خطیب کا بیٹھنا ثابت ہے۔ جس کی وجوہات ذیل ہیں۔

ا۔خطیب دیر تک کھڑا ہو کر خطبہ پڑھتا رہتا ہے، تو تھک جاتا ہے۔لہٰذا خطبہ کے درمیان بیٹھنا خطیب کے آرام کیلئے مسنون فرمایا۔اس سے خطیب وسامعین کا نشاط وسرور از سر نو تازہ ہو جاتا ہے۔

۲۔دوسری وجہ یہ ہے کہ خطبہ قائم مقام دو رکعت ٹھیرایا گیا ہے، جو تکمیل نماز جمعہ کے لئے مقرر ہوا۔پس جب کہ خطبہ قائم مقام دو رکعت ہوا، تو ان کے درمیان فصل ضروری تھا تا کہ وہ شفع کی صورت اختیار کرے۔اور صورت شفع کی حکمت قبل ازیں مذکور ہو چکی ہے۔

جمعہ کی دوسری اذان مقرر ہونے کی حکمت

جمعہ کی پہلی آذان افراد منتشرہ کو جمع کرنے کے لئے ہے اور دوسری اذان ان کو خطبہ امام سننے کے لئے آگاہ کرنے کے لئے مقرر ہوئی۔تا کہ وہ تمام شواغل اور اپنے اوراد و وظائف چھوڑ کر خطبہ سنیں اور اس کی طرف متوجہ ہوں۔

حکمت تعطیلات جمعہ

جمعہ کے دن اہل اسلام کے عام دنیاوی کاروبار وکارخانہ جات ودفاتر وغیرہ میں تعطیلات کا حکم حرمت وعظمت جمعہ کے لئے ہے۔کیونکہ اسلام میں یوم جمعہ عظیم الشان شعائر اللہ میں سے ہے۔پس خدا کا شعار اس مر کا مقتضی ہے کہ اس کا پاس ادب کیا جائے۔اور اس کا ادب جب ہی ادا ہو سکتا ہے کہ اس یوم کا اکثر حصہ عبادت الٰہی میں گذارا جائے۔اس لئے عظمت وآداب جمعہ قائم رکھنے کے لئے تاکیدی

حکم وارد ہوا، کیونکہ جمعہ کا ادب ترک کرنے سے دل پر مہر لگ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ یوم جمعہ میں کاروبار دنیا میں مشغول رہتے ہیں اور نماز جمعہ میں حاضر نہیں ہوتے، انکے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے۔ ان کے دل سیاہ ہو جاتے ہیں۔ دل پر مہر لگنے سے مراد خدا تعالیٰ کی لعنت کا اثر دل پر ہونا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **من ترک ثلاث جمعات تهاونا بها طبع الله على قلبه** ۔ ترجمہ۔ یعنی جو شخص تین جمعے جان بوجھ کر بوجہ غفلت کے چھوڑ دے، خدا تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ **عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم و هو على اعواد المنبر لينتهين اقوام عن ترک الجمعة والجماعات او ليطمسن الله على قلوبهم و ليكتبن من الغفلين و عن ابى جعد الضمرى قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من ترک الجمعة ثلاثا من غير عذر فهو منافق** ۔ ترجمہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ لوگ ترک جمعہ و ترک جماعت سے باز آ جائیں، ورنہ خدا تعالیٰ ان کے دلوں کو مٹا دے گا یعنی ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا اور ان کو غافلوں میں لکھ دے گا۔ اور ابی جعد ضمری نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے تین جمعے بغیر عذر چھوڑ دیئے وہ منافق ہے۔

نماز میں خوف زدہ ہو کر کھڑا ہونے کا راز

نماز میں خدا تعالیٰ کے حضور میں ایسی توجہ رکھ کر اور ایسی ہیئت بنا کر کھڑا ہونا لازم ہے کہ رقت طاری ہو جائے۔ جیسے کہ کوئی شخص کسی خوفناک مقدمہ میں گرفتار ہوتا ہے اور اس کے واسطے قید یا پھانسی کا فتویٰ لگنے والا ہوتا ہے۔ اس کی حالت حاکم کے سامنے کیا ہوتی ہے۔ ایسے ہی خوف زدہ دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا چاہیئے۔ جس نماز میں دل کہیں ہے اور خیال کسی اور طرف ہے اور منہ سے کچھ کہتا ہے، وہ ایک لعنت ہے، جو آدمی کے منہ پر واپس ماری جاتی ہے اور قبول نہیں ہوتی۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَيۡلٌ لِلۡمُصَلِّيۡنَ الَّذِيۡنَ هُمۡ عَنۡ صَلَاتِهِمۡ سَاهُوۡنَ** ۔ ترجمہ۔ یعنی لعنت ہے ان نمازیوں پر جو اپنی نماز کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **و اذا ضيع ركوعها و سجودها و القراة فيها قالت الصلوٰة ضيعک الله كم ضيعتنى ثم صعد بها و لها ظلة حتى تنتهى الى السماء فتغلق ابواب السماء دونها ثم تلف كما يلف الثواب الخلق فيضرب بها وجه صاحبها** ۔ ترجمہ۔ جب کوئی شخص نماز میں رکوع اور سجود ضائع کرے اور اس میں قرات ٹھیک نہ پڑھے، تو اس کو نماز کہتی ہے کہ خدا تعالیٰ تجھے ضائع کرے، جیسا کہ تو

نے مجھے ضائع کیا۔ پھر فرشتے اس کو اوپر لے جاتے ہیں اور اس نماز میں اندھیرا ہوتا ہے۔ جب آسمان کے پاس پہنچتی ہے، تو آسمان کے دروازے اس نماز کے آگے بند کئے جاتے ہیں۔ پھر اس نماز کو پرانے کپڑے کی طرح لپیٹ کر فرشتے اس نماز کے پڑھنے والے کے منہ پر مارتے ہیں۔

حقیقت نماز از زبان حضرت مولانا جلال الدین رومی صاحب مثنوی

معنے تکبیر ایں است ای سلیم — کاے خدا پیش تو ما قربان شدیم
وقت ذبح اللہ اکبر مے کنی — ہمچنیں در ذبح نفس کشتنی
تن چو اسمٰعیل و جان ہمچوں خلیل — کرد جاں تکبیر بر جسم نبیل
گشت کشتہ تن ز شہوتہا وَ آز — شد بہ بسم اللہ بسمل در نماز
چوں قیامت پیش حق صفہا زدہ — در حساب و در مناجات آمدہ
ایستادہ پیش یزداں اشک ریز — بر مثال راست خیزد رستخیز
حق ہمی گوید چہ آوردی مرا — اندریں مہلت کہ من دادم ترا
عمر خود درچہ بپایاں بردہء — قوت و قوت در چہ فانی کردہء
گوھر دیدہ کجا فرسودہء — پنج حس را در کجا پالودہء
ہمچنیں پیغامہائے درد گیں — صد ہزاراں آید از حضرت چنیں
در قیام ایں نکتہا دارد رجوع — و از خجالت شد و تا اندر رکوع
قوت استادن از خجلت نماند — در رکوع از شرم تسبیحے بخواند
باز فرماں آیدش بر دار سر — از رکوع و پاسخ حق بر شمر
سر برآرد او دگر رہ شرمسار — باز اندر او فتد آں نابکار
باز فرماں آیدش بر دار سر — از سجود و دادِہ از کردہ خبر
باز گوید سر بر آرد باز گو — کہ بخواہم جست از تو مُو بمُو
قوت استادن پا نبو دش — کہ خطاب ہیبتے بر جاں زدش
پس نشیند قعدہ زاں بارِ گراں — حضرتش گوید سخن گو با بیاں
نعمتے دادم بگو شکرش چہ بود — داد مت سرمایہ ہیں بنمائی سود
رویدستِ راست آرد در سلام — سوئے جانِ انبیاؤ آں کرام
یعنی اے شاہاں شفاعت کیں لیئم — سخت در ِگل ماندہ از غم دل دو نیم

انبیاء گویند روزِ چارہ رفت　　چارہ آنجا بود و دست افراز رفت

رو بگرداند بسوئے دستِ چپ　　در تبار خویش گو یندش کہ خپ

ہیں جواب خویش گو با کردگار　　ما کئیم اے خواجہ دست از مابدار

نہ ازیں سوز ازاں سو چارہ شد　　جانِ آں بیچارہ صد دل پارہ شد

از ہمہ نومید شد مسکیں کیا　　پس برآرد ہر دو دست اندر دعا

کز ہمہ نومید گشتم اے خدا　　اول و آخر توئی اے منتہا

در نماز این خوش اشارتہا ببیں　　تابدانی کاں بخواہد شد یقین

بچہ بیروں آر از بیضہ نماز　　سرمزن چوں مرغ بے تعظیم ساز

بشنو از اخبار آں صدر الصدور　　**لا صلوۃ تم الا بالحضور**

ترجمہ۔یعنی تکبیر تحریمہ کا یہ مطلب ہے کہ اے خدا ہم نے تیرے آگے اپنے آپ کو قربان کر دیا۔جیسا کہ تم جانور کو ذبح کرنے کے وقت اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرتے ہو،ایسا ہی تم اپنی نفسانی خواہشوں کو تکبیر تحریمہ میں ذبح کر ڈالو۔جسم اسماعیل کی مثل اور جان ابراہیم خلیل اللہ کی مثل سمجھو۔اور جان نے جسم پر تکبیر کہی ہے۔جب جسم نفسانی خواہشات اور حرصوں سے مقتول ہو جائے،تو وہ نماز میں بسم اللہ سے ہی مذبوح ہو جاتا ہے۔نماز کے قیام میں یہ اشارہ سمجھو کہ گویا میدان قیامت میں تم خدا تعالیٰ کے حضور میں صف بستہ کھڑے ہو اور وہ تم سے حساب لے رہا ہے اور تم مناجات کر رہے ہو۔سمجھو کہ خدا تعالیٰ کے آگے کھڑے ہوئے زاری کر رہے ہو۔اور خدا تعالیٰ تم کو کہتا ہے کہ یہ مہلت جو میں نے تم کو دی ہے،اس میں تم میرے لئے کیا لائے ہو۔اپنی عمر تم نے کس کام میں صرف کی۔اور روزی اور طاقت، جو میں نے تم کو دی تھی، وہ تم نے کہاں خرچ کی۔آنکھوں کو تم نے کہاں صرف کیا۔اور پانچ حواس کو تم نے کہاں لگایا۔اسی طرح خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کو ہزاروں دردناک پیغام سمجھنا چاہیئے کہ قیام میں یہ باتیں خدا تعالیٰ کی طرف سے وارد ہوتی ہیں۔اور رکوع میں یہ اشارہ سمجھے کہ ان باتوں سے شرمندہ ہو کر سرنگوں ہو گیا ہوں۔گویا سمجھے کہ شرمندگی سے کھڑا ہونے کی طاقت نہیں رہی اور سرنگوں ہو کر شرمندگی سے تسبیح پڑھتا ہے۔پھر یہ سمجھے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم آتا ہے کہ سر اٹھا اور خدا تعالیٰ کو جواب دو۔سجدہ میں یہ اشارہ سمجھو کہ رکوع کرنے والا گویا سر اٹھا کر بحالت شرمندگی منہ کے بل گرتا ہے۔پھر اس کو حکم آتا ہے کہ سر اٹھا کر جواب دو۔پھر حکم الٰہی آتا ہے کہ سر اٹھاؤ کہ میں تم سے بال بال کا حساب لوں گا۔اب یہ سمجھے کہ اس کو کھڑا ہونے کی طاقت نہیں رہی اور خطاب الٰہی کی ہیبت نے اس کی جان پر اثر کیا۔گویا اس بھاری بوجھ سے

قعدہ میں بیٹھا۔ اور خدا تعالیٰ اس کو فرماتا ہے کہ بیان کرو کہ جو نعمتیں میں نے تم کو دی تھیں، ان کو شکریہ تم نے کیا ادا کیا ہے۔ میں نے تم کو راس المال دیا تھا، اس کا نفع کہاں ہے۔ دائیں جانب سلام پھیرنے میں یہ اشارہ ہے کہ دائیں جانب انبیاء علیہم السلام کو سلام دیتا اور ان سے عرض حال کرتا ہے کہ میں نابکار سخت درماندہ و عاجز ہو گیا ہوں۔ گویا انبیاء علیہم السلام اس کو کہتے ہیں کہ اب سفارش کا دن نہیں رہا۔ سفارش کا علاج دنیا ہی میں ہو سکتا تھا۔ اب بات ہاتھ سے نکل گئی۔ تب گویا وہ بائیں جانب سلام کہتا اور اپنے خویش و اقارب میں چارہ جوئی کرتا ہے۔ وہ بھی اس کو سب جواب دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے آگے اپنا جواب تم خود ہی پیش کرو۔ ہم کیا چیز ہیں کہ تمہاری سفارش کر سکیں۔ ہم سے ہاتھ دھولو اور کچھ امید نہ رکھو۔ جب ادھر ادھر سے اس کو جواب مل جاتا ہے، تو اس وقت اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے اور سخت مغموم ہوتا ہے۔ اور سب سے ناامید ہو کر عاجزانہ دونوں ہاتھ دعا کے لئے خدا تعالیٰ کے آگے اٹھاتا ہے کہ اے خدا میں سب سے ناامید ہو گیا ہوں۔ اول اور آخر میں میرا مرجع و منتہا تو ہی ہے۔ نماز میں یہ نکات یاد رکھو اور یقین جانو کہ انسان پر ایسی حالتیں آتی ہیں۔ اس طرح ان اشارات و نکات کو سمجھ کر نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ کوئی نماز بغیر حضور دل کامل نہیں ہوتی۔

حقیقت دعا و قضا

اگرچہ دنیا کی کوئی خیر و شر مقدر سے خالی نہیں، تاہم قدرت نے اس کے حصول کے لئے اسباب مقرر کر رکھے ہیں، جن کے صحیح اور سچے اثر میں کسی عقل مند کو کلام نہیں۔ مثلاً اگرچہ مقدر پر لحاظ کر کے دوا کا نہ کرنا درحقیقت ایسا ہی ہے جیسا کہ دعا یا ترک دعا۔ مگر کیا کوئی یہ رائے ظاہر کر سکتا ہے کہ مثلاً علم طب سراسر باطل ہے اور حکیم حقیقی نے دواؤں میں کچھ بھی اثر نہیں رکھا۔ جب کہ خدا تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ تربد اور سقمونیا اور سنا اور حب الملوک میں تو ایسا قوی اثر رکھے کہ ان کی پوری خوراک کھانے کے ساتھ ہی دست چھوٹ جاتے ہیں یا مثلاً سمّ الفار اور بیش اور دوسری ہلاہل زہروں میں وہ غضب کی تاثیر ڈالی دی کہ ان کا کامل قدر شربت چند منٹوں میں ہی اس جہان سے رخصت کرا دے۔ تو پھر کیونکر یہ امید کی جائے کہ خدا تعالیٰ اپنے برگزیدوں کی توجہ اور عقد ہمت اور تضرع کی بھری ہوئی دعاؤں کو فقط مردہ کی طرح رہنے دے، جن میں ایک ذرہ بھی اثر نہ ہو۔ کیا یہ ممکن ہے کہ نظام الٰہی میں اختلاف ہو اور وہ ارادہ، جو خدا تعالیٰ نے دواؤں میں اپنے بندوں کی بھلائی کے لئے کیا تھا، وہ دعاؤں میں نہ پایا جاتا ہو۔

جو شخص دواؤں کی اعلیٰ تاثیروں پر ذاتی تجربہ نہ رکھتا ہو اور استجابت دعا کا قائل نہ ہو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ایک مدت تک ایک پرانی اور سالخوردہ اور مسلوب القویٰ دوا کو استعمال کرے اور

پھراس کو بے اثر پاکراس دوا پر عام حکم لگادے کہ اس میں کچھ بھی تاثیر نہیں۔استجابت دعا یعنی قبولیت دعا کا مسئلہ درحقیقت ایک فرح ہے اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جس شخص نے اصل کو سمجھا ہوا نہیں ہوتا، اسکو فرع کے سمجھنے میں مشکلات پیش آتی ہیں اور دھوکے لگتے ہیں۔

دعا کی ماہیت یہ ہے کہ ایک سعید بندہ اوراس کے رب میں ایک قوت مجاذبہ ہے، یعنی پہلے خدا تعالیٰ کی رحمانیت بندہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔پھر بندہ کے صدق کی کوششوں سے خدا تعالیٰ اس سے نزدیک ہو جاتا ہے۔اور دعا کی حالت میں وہ تعلق ایک خاص مقام پر پہنچ کر اپنے خواص عجیبہ پیدا کرتا ہے۔سوجس وقت بندہ سخت مشکل میں مبتلا ہوکر خدا تعالیٰ کی طرف کامل یقین اور کامل امید اور کامل محبت اور کامل وفاداری اور کامل ہمت کے ساتھ جھکتا ہے اور نہایت درجہ کا بیدار ہوکر غفلت کے پردوں کا چیرتا ہوا فنا کے میدانوں میں آگے سے آگے نکل جاتا ہے، پھرآگے کیا دیکھتا ہے کہ بارگاہ الوہیت ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔تب اس کی روح اس آستانہ پر سر رکھ دیتی ہے اور قوت جاذبہ، جو اس کے اندر رکھی گئی ہے، وہ خدا تعالیٰ کی عنایات کو اپنی طرف کھینچتی ہے، تب اللہ جلشانہ اس کام کے پورا کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس دعا کا اثر ان تمام مبادی اسباب پر ڈالتا ہے، جن سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں، جو اس مطلب کے حاصل ہونے کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔مثلاً بارش کے لئے دعا ہے، تو بعد استجابت دعا کے وہ اسباب طبعیہ، جو بارش کے لئے ضروری ہوتے ہیں، اس دعا کے اثر سے پیدا کئے جاتے ہیں۔اسی وجہ سے یہ بات ارباب کشف اور کمال کے نزدیک بڑے بڑے تجارب سے ثابت ہو چکی ہے کہ کامل کی دعا میں ایک قوت تکوین پیدا ہو جاتی ہے۔یعنی باذنہ تعالیٰ وہ دعا عالم سفلی اور علوی میں تصرف کرتی ہے اور عناصر اور اجرام فلکی اور انسانوں کے دلوں کو اس طرف لے آتی ہے، جو طرف مؤید مطلوب ہے۔خدا تعالیٰ کی پاک کتابوں میں اس کی مثالیں کچھ کم نہیں ہیں۔ بلکہ اعجاز کے بعض اقسام کی حقیقت بھی دراصل استجابت دعا ہی ہے۔ اور جس قدر ہزاروں معجزات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سے ظہور میں آئے ہیں یا کچھ کہ اولیائے کرام ان دنوں تک عجائب کرامات دکھلاتے رہے ہیں، اس کا اصل منبع یہی دعا ہے۔اور اکثر دعاؤں کے اثر سے ہی طرح طرح کی خوارق قدرت قادر کا تماشا دکھلا رہے ہیں۔

وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گذرا کہ لاکھوں مردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے۔اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے۔اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے اور گونا گوں ان کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے اور دنیا میں دفعۃً ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے

کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا۔ کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا؟ وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں ہی تھیں، جنھوں نے دنیا میں شور مچا دیا اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں جو اس بیکس سے محالات کی طرح نظر آتی تھی۔ **اللھم صل و سلم و بارک علیه و آله بعد دھمه و غمه و حزنه لھٰذا الامة و انزل علیه انوار رحمتک الی الابد۔**

سوال۔ دیکھا جاتا ہے کہ بعض دعائیں خطا جاتی ہیں اور ان کا کچھ اثر معلوم نہیں ہوتا۔

جواب۔ ہم کہتے ہیں یہی حال دواؤں کا بھی ہے۔ کیا دواؤں نے موت کا دروازہ بند کر دیا ہے؟ یا ان کا خطا جانا غیر ممکن ہے۔ مگر کیا باوجود اس بات کے کوئی ان کی تاثیر سے انکار کر سکتا ہے؟ یہ سچ ہے کہ ہر ایک امر پر تقدیر محیط ہو رہی ہے۔ مگر تقدیر نے علوم کو ضائع اور بے حرمت نہیں کیا۔ اور نہ اسباب کو بے اعتبار کر کے دکھلایا۔ بلکہ اگر غور کر کے دیکھو تو یہ جسمانی اور روحانی اسباب بھی تقدیر سے جدا نہیں ہیں۔ مثلاً اگر ایک بیمار کی تقدیر نیک ہو تو اسباب علاج پورے طور پر میسر آ جاتے ہیں اور جسم کی حالت بھی ایسے درجہ پر ہوتی ہے کہ وہ ان سے نفع اٹھانے کے لئے مستعد ہوتا ہے۔ تب دوا نشانہ کی طرح جا کر اثر کرتی ہے۔ یہی قاعدہ دعا کا بھی ہے یعنی دعا کے لئے بھی تمام اسباب و شرائط قبولیت اس جگہ جمع ہوتے ہیں، جہاں ارادہ الٰہی اس کے قبول کرنے کا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے نظام جسمانی اور روحانی کو ایک ہی سلسلہ مؤثرات اور متاثرات میں باندھ رکھا ہے۔

قبولیت دعا کے آثار

دعا جب قبول ہونے والی ہوتی ہے، تو اللہ تعالیٰ بندہ کے دل میں ایک سچا جوش اور اضطراب پیدا کر دیتا ہے۔ اور بسا اوقات اللہ تعالیٰ خود ہی ایک دعا سکھاتا ہے اور الہامی طور پر اس کا پیرایہ بتا دیتا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے **فَتَلَقّٰی آدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ کَلِمَات** ۔(پس آدمؑ کو اس کے رب کی طرف سے کلمات سکھائے گئے) اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے راستباز بندوں کو قبول ہونے والی دعائیں خود الہاماً سکھا دیتا ہے۔ بعض وقت ایسی دعا میں ایسا حصہ بھی ہوتا ہے، جس کو دعا کرنے والا ناپسند کرتا ہے مگر وہ قبول ہو جاتی ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس آیت کی مصداق ہوتی ہے۔ **عَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّ ھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ** ۔(ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہاری بہتری کے لئے ہو)۔

وہ دعا، جو معرفت کے بعد اور فضل کے ذریعہ سے پیدا ہوتی ہے، وہ اور رنگ اور کیفیت رکھتی ہے۔ وہ فنا کرنے والی چیز ہے۔ وہ گداز کرنے والی آگ ہے۔ وہ رحمت کو کھینچنے والی ایک مقناطیسی کشش ہے۔ وہ موت ہے، پر آخر کو زندہ کرتی ہے۔ وہ ایک تند سیل ہے، پر آخر کو کشتی بن جاتی ہے۔ ہر

ایک بگڑی ہوئی بات اس سے بن جاتی ہے۔اور ہر ایک زہر آخر اس سے تریاق ہوجاتا ہے۔

مبارک وہ قیدی، جو دعا کرنے میں تھکتے نہیں، کیونکہ ایک دن رہائی پائیں گے۔مبارک وہ اندھے، جو دعاؤں میں سست نہیں ہوتے، کیونکہ ایک دن دیکھنے لگیں گے۔مبارک وہ، جو قبروں میں پڑے ہوئے دعاؤں کے ساتھ خدا تعالیٰ کی مدد چاہتے ہیں، کیونکہ ایک دن قبروں سے باہر نکالے جائیں گے۔مبارک تم جب کہ تم دعا کرنے میں کبھی ماندہ نہیں ہوتے۔اور تمہاری روح دعا کے لئے پگھلتی اور تمہاری آنکھ آنسو بہاتی اور تمہارے سینہ میں ایک آگ پیدا کر دیتی ہے۔اور تمہیں تنہائی کا ذوق اٹھانے کے لئے اندھیری کوٹھڑیوں اور سنسان جنگلوں میں لے جاتی ہے۔اور تمہیں بے تاب اور دیوانہ از خود رفتہ بنا دیتی ہے۔کیونکہ آخر تم پر فضل کیا جائے گا۔

کہربائے مسخ آمد ایں دعا　　　　خاک قابل را کند سنگ حصی

آنے والی بلائیں خواہ پیشگوئی کے رنگ میں ظاہر کی جائیں اور خواہ صرف خدا تعالیٰ کے ارادہ مخفی ہوں، وہ دعا و صدقہ و خیرات و توبہ و استغفار سے ٹل سکتی ہیں۔تب ہی لوگ مصیبت کے وقت صدقہ و خیرات دیا کرتے ہیں۔اور تمام نبیوں کا اس پر اتفاق ہے کہ دعا و صدقہ و خیرات و توبہ و استغفار سے ردّ بلا ہوتی ہے۔

ہماری اسلامی تفسیروں اور نیز بائبل میں بھی لکھا ہے کہ ایک بادشاہ کی نسبت اس کے وقت کے نبی نے پیش گوئی کی تھی کہ اس کی عمر پندرہ روز رہ گئی ہے۔مگر وہ بادشاہ تمام رات روتا رہا۔تب اس نبی کو دوبارہ الہام ہوا کہ ہم نے پندرہ دن کو پندرہ سال کے ساتھ بدل دیا ہے۔

صورت دعا

دعا وہ اکسیر ہے جو ایک مشت خاک کو کیمیا کر دیتی ہے۔وہ ایک پانی ہے جو اندرونی غلاظتوں کو دھو دیتا ہے۔دعا کے ساتھ روح پگھلتی ہے اور پانی کی طرح بہ کر آستانہ حضرت احدیت پر گرتی ہے۔وہ خدا کے حضور میں کھڑی بھی ہوتی ہے اور رکوع بھی کرتی ہے اور سجدہ بھی کرتی ہے اور اس کی ظل وہ نماز ہے جو اسلام نے سکھلائی ہے۔روح کا کھڑا ہونا یہ ہے کہ وہ خدا کے لئے ہر ایک مصیبت کی برداشت اور حکم ماننے کے بارے میں مستعدی ظاہر کرتی ہے۔اور اس کا رکوع میں جھکنا یہ ہے کہ وہ تمام محبتوں اور تعلقوں کو چھوڑ کر خدا تعالیٰ کی طرف جھک جاتی ہے اور خدا کے لئے ہو جاتی ہے۔اور سجدہ یہ ہے کہ وہ خدا کے آگے اپنے تئیں بکلی کھو دیتی ہے اور اپنے نقش دھو کر مٹا دیتی ہے۔یہی دعا ہے جو خدا سے ملاتی ہے۔اور شریعت اسلامی نے اس کی تصویر معمولی نماز میں کھینچ کر دکھلائی ہے، تا وہ جسمانی نماز روحانی نماز کی

طرف محرک ہو، کیونکہ خدا تعالیٰ نے انسان کے وجود کو ایسی بناوٹ پر پیدا کیا ہے کہ روح کا اثر جسم پر اور جسم کا اثر روح پر ضرور ہوتا ہے۔ جب تمہاری روح غمگین ہو، تو آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ اور جب روح میں خوشی پیدا ہو، تو چہرے پر بشاشت ظاہر ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ انسان بسا اوقات ہنسنے لگتا ہے۔ ایسا ہی جب جسم کو کوئی تکلیف اور درد پہنچے، تو اس درد میں روح بھی شریک ہو جاتی ہے۔ اور جب جسم کسی ٹھنڈی ہوا سے خوش ہو، تو روح بھی اس سے کچھ حصہ لیتی ہے۔ پس جسمانی عبادت کی غرض یہی ہے کہ روح اور جسم کے باہمی تعلقات کی وجہ سے روح میں حضرت احدیت کی طرف حرکت پیدا ہو اور وہ روحانی قیام اور رکوع اور سجود میں مشغول ہو جائے، کیونکہ انسان ترقیات کے لئے مجاہدات کا محتاج ہے اور یہ بھی ایک قسم کا مجاہدہ ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ جب دو چیزیں باہم پیوست ہوں، تو جب ہم ان میں سے ایک چیز کو اٹھائیں گے، تو اس اٹھانے سے دوسری چیز کو بھی، جو اس سے ملحق ہے، کچھ حرکت ہو گی۔ لیکن صرف جسمانی قیام اور رکوع اور سجود میں کچھ فائدہ نہیں ہے، جب تک کہ اس کے ساتھ کوشش شامل نہ ہو کہ روح بھی اپنے طور سے قیام اور رکوع اور سجود سے کچھ حصہ لے۔ اور یہ حصہ لینا معرفت پر موقوف ہے۔ اور معرفت فضل الٰہی پر موقوف ہے۔

باب الجنائز

میت پر نماز جنازہ پڑھنے کی وجہ

جب انسان کوئی فعل کرتا ہے، تو اسکی عقل کا مقتضےٰ ہے کہ اس فعل کے نتیجہ پر اس کی نظر ہو، کیونکہ افعال کسی نہ کسی نتیجہ کو مدنظر رکھ کر بجالائے جاتے ہیں۔ جبکہ شریعت کا خطاب ہی عقل پر ہے، تو یہ ممکن ہی نہیں کہ شریعت نے عقل کو کسی ایسے امر کے کرنے پر مجبور کیا ہو، جس میں اس کو کسی نتیجہ پر پہنچنے کے لئے راہ ہی نہ دیا ہو۔ اگر شریعت کا راستہ اور ہوتا اور عقل کا اور، تو شریعت عقل کو ہرگز خطاب نہ کرتی۔ چنانچہ اس کتاب کی تمہید میں ہم نے اس امر کا مفصل ذکر کیا ہے اور آیندہ بھی بحسب موقعہ مختلف پیرایوں میں اسی کو ہم دہرائیں گے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی "فتوحات مکیہ" میں لکھتے ہیں۔

الشرع یقبله عقل و ایمان   و للقول موازین و اوزان

عند الاله علوم لیس یعرفها   الا لبیب له فی الوزن رجحان

ترجمہ۔ یعنی اسلامی شریعت ایسی ہے کہ اس کو عقل و ایمان دونوں قبول کرتے ہیں اور شریعت کے ہر قول کیلئے ترازو اور تول مقرر ہیں۔ خدا تعالیٰ کے خزائن معرفت میں اسرار شریعت کے ایسے علوم ہیں، جن کو

ہر ایک انسان نہیں پہچان سکتا۔ مگروہ دانشمند پہچان سکتا ہے، جسکی عقل کے وزن کا پلڑا بھاری ہو۔

عقل کا تقاضا ہے کہ جب کسی انسان کو بہت سے آدمیوں کا گروہ کسی عالیشان حاکم کے آگے لے جا کر اس کے لئے سفارش کرے اور اس کی معافی کی درخواست کرے اور اس کے لئے گڑ گڑا کر التجا کرے، تو بالآخر اس کا قصور معاف ہو جاتا ہے۔ یہی نماز جنازہ کا راز ہے، یعنی نماز جنازہ اس لئے مقرر کی گئی ہے کہ مومنین کے ایک گروہ کا میت کی سفارش کے لئے شریک ہونا اس پر رحمت کے نازل ہونے میں بڑا کامل اثر رکھتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **مامن مسلم یموت فیقوم جنازته اربعون رجلا لا یشرکون بالله شیئا الا شفعهم الله فیه** ۔ترجمہ۔ یعنی کوئی مسلمان ایسا نہیں مرتا ہے کہ اس کے جنازہ پر چالیس آدمی کھڑے ہوں، جو خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرتے ہوں، مگروہ اس میت کے حق میں ان کی سفارش قبول فرماتا ہے۔

چونکہ ان لوگوں کی دعاؤں کا اثر پورا پورا ہوتا ہے، جن کی خدا تعالیٰ کے ہاں عزت ہے۔ وہ دعا پردوں کو پھاڑ کر اس شخص کو نزول رحمت الٰہی کا مستحق بنا دیتی ہے۔ جس طرح نماز استسقا بارانِ رحمت کے نزول کا باعث ہوتی ہے۔ اس طرح گروہ مومنین کی دعا میت پر نزول رحمت الٰہی کا باعث ہوتی ہے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ دو امروں میں ایک طرف رغبت دلائی جائے۔ یا تو نفس داعی اس درجہ کا ہونا چاہیئے کہ وہ تنہا ایک گروہ شمار کیا جائے یا ایک بڑی جماعت ہو۔

وجہ یہ ہے کہ جب آدمی کی روح بدن کو چھوڑتی ہے، تو اس کی حس مشترک وغیرہ کو حس اور ادراک باقی رہتا ہے۔ اور جو خیالات اور علوم زندگی میں اس کے ساتھ تھے، مرنے کے بعد اس کے ہمراہ رہتے ہیں۔ چنانچہ "اسرار اسلام" میں ہم نے اس امر کو مفصل لکھا ہے۔ اور پھر عالم بالا سے اور علوم کا اس پر ترشح ہوتا ہے، جن کی وجہ سے میت کو عذاب یا ثواب ہوتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے نیک بندوں کی ہمتیں جب عالم قدس تک پہنچتی ہیں اور اس میت کے لئے وہ گڑ گڑا کر دعا کرتے ہیں یا میت کے لئے بہت کچھ صدقہ دیتے ہیں، تو حکم الٰہی سے میت کے حق میں وہ نافع پڑتا ہے اور اس عالم سے جب اس پر فیضان ہوتا ہے، تو اس کے ساتھ ہو کر اس میت کی درستی حالت کا سبب ہو جاتا ہے۔

حکمت ماتم پرسی

چونکہ میت کے گھر والوں کو اس کی موت سے سخت رنج ہوتا ہے، لہٰذا دنیا کے اعتبار سے انکے حق میں بھلائی یہ ہے کہ لوگ اس کی تعزیت کے لئے آئیں، تاکہ ان کا رنج کچھ کم ہو۔ اور میت کے دفن کرانے میں شریک ہو کر ان کی مدد کریں۔ اور ان کو ایک دن رات کھانا دیں۔ اور آخرت کے لحاظ سے

ان کیلئے یہی بہتر ہے کہ ان کو اجر عظیم کی ترغیب دلائی جائے۔ تاکہ ہمہ تن اس کی پریشانی میں وہ مصروف نہ ہوں اور خدا کی طرف ان کی توجہ ہو۔ اور چلاّنے اور کپڑے پھاڑنے اور تمام ان چیزوں سے، جو غم اور مصیبت کو یاد دلاتی ہیں اور ان کا غم اور پریشانی بڑھاتی ہیں، منع کریں۔ کیونکہ اس وقت وہ لوگ بمنزلہ مریض کے ہوجاتے ہیں۔ انکے مرض کا علاج کرنا چاہیئے۔ نہ کہ انکا مرض اور بڑھایا جائے۔

انسان کے جننے اور مرنے کے وقت ہاتھ بند کرنے وکھولنے کا راز

اذا ولد المولود یقبض کفہ دلیل علی الحرص المرکب فی الحی

و یبسطھا عنہ الممات مواعظا الا فانظرونی قد خرجت بلا شئی

ترجمہ۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے، تو اپنے ہاتھ بند کرتا ہے۔ اور اس کا ہاتھ بند کرنا اس بات پر دلیل ہوتی ہے کہ زندوں میں حرص مرکب ہوتی ہے۔ اور مرنے کے وقت ہاتھ کھول کر زبان حال سے وعظ ونصیحت کرتا ہے کہ دیکھو میں دنیا کا کوئی مال ساتھ نہیں لے چلا۔ اس کو راہ خدا میں خرچ کرو۔ کیونکہ تم کو بھی ایک دن ایسا ہی دنیا سے خالی ہاتھ نکلنا پڑے گا۔ (فتوحات مکیہ)

فرض کفایہ کا راز

بعض فرائض اس قسم کے مقرر کئے گئے ہیں کہ ایک مقام کے بعض افراد اس کو ادا کریں، تو وہ سب کی طرف سے ادا ہوجائیں۔ اور اگر سب لوگ ان کو متفقانہ طور پر کرنے لگیں، تو انتظام معاش برہم ہوجائے۔ ان کی تدابیر نافعہ معطل ہوجائیں۔ فرض کفایہ کے اصول میں سے یہ بھی ہے کہ اس سے انتظامی حالت درست رہے۔ ان کی فروگذاشت سے کسی نفسانی ابتری اور بہیمیت کا غلبہ نہ ہو۔ مثلاً قاضی ہونا۔ علوم دین کی تعلیم۔ خلافت کا انتظام۔ یہ سب امور انتظاماً مقرر ہوئے ہیں۔ ایسے امور کے لئے ایک شخص کافی ہے۔ اور بیماروں کی عیادت اور نماز جنازہ اس واسطے مشروع ہوئے ہیں کہ بیماروں اور مردوں کی تضییع نہ ہو۔ بعض لوگ اگر اس کو پورا کردیں گے، تو مقصود حاصل ہوجائے گا۔

جنازہ میں چار تکبیرات مشروع ہونے کی وجہ

۱۔ ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں کہ احکام کی علتیں واسباب ان کے اوصاف مؤثرہ سے معلوم ہوتے ہیں۔ لہٰذا واضح ہو کہ جنازہ میں ثناء۔ فاتحہ۔ درود شریف۔ عام ادعیہ برائے عام مؤمنین پڑھی جاتی ہیں۔ ان ہر چار اشیاء کے اوصاف مؤثرہ مردہ کے لئے امور مندرجہ ذیل پر دلالت کرتے ہیں۔

ثناء کی دلالت مردہ کو حضور الٰہی میں عاجزانہ پیش کرنے کی درخواست۔ فاتحہ کی دلالت مردہ کے

لئے قبر وحشر میں استعانت الٰہی ومعیت صلحاء کی درخواست۔ درود شریف کی دلالت مردہ کے لئے قبر و حشر میں معیت اپنے نبی کی درخواست۔ عام ادعیہ کی دلالت مردہ کے لئے گروہ مومنین میں شامل کر دینے کی درخواست ہے۔

ان ہر چار امور متذکرہ بالا کی شہادت قرآن کریم سے ملتی ہے اور مرنے کے بعد انسان کو انہی امور کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مردہ کے لئے یہ چار درخواستیں چار تکبیرات کے ساتھ الگ الگ کر کے درگاہ الٰہی میں پیش کی گئی ہیں۔

(۱) مرنے کے بعد انسان کہاں جائے گا؟ جواب۔ خدتعالیٰ کے حضور میں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ**۔ ترجمہ۔ پھر مرنے کے بعد تم خدا تعالیٰ کے حضور میں پیش کئے جاوگے۔

(۲) پھر انسان کہاں رہے گا؟ جواب۔ **عِنْدَ مَلِيْكٍ مُقْتَدِرٌ**۔ ترجمہ۔ یعنی بادشاہ قادر و زبردست کے حضور میں رہے گا۔

(۳) خدا تعالیٰ کا حضور تام کہاں ہوگا؟ جواب۔ جنت میں۔ **وَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَ ادْخُلِیْ جَنَّتِیْ**۔ ترجمہ۔ یعنی داخل ہوجا میرے بندوں میں اور داخل ہوجا میری جنت میں۔

(۴) انسان کا جنت میں اور کون ساتھی ہوگا؟ جواب۔ **وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَ الصَّالِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰئِكَ رَفِيْقًا**۔ ترجمہ۔ جو لوگ خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانبردار ہیں، سو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہیں، جن پر خدا نے اپنا احسان کیا۔ وہ انبیاء۔ صدیقین اور صالحین ہیں۔ اور ان کی رفاقت اچھی ہے۔

۲۔ نماز جنازہ میّت کے لئے سفارش ہے۔ چنانچہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **مامن اربعین من مؤمن یشفعون لمؤمن الا شفعهم الله**۔ ترجمہ۔ جس مومن کیلئے چالیس مومن سفارش کریں، خدا ان کی سفارش سن لیتا ہے۔ پس اس سفارش کی چار دعاؤں کو چار تکبیرات کے ساتھ، جو الگ الگ ادا کی جاتی ہیں، اس میں میّت کے لئے چار قسم کی سفارش کی جاتی ہے، جس کا اوپر ذکر ہوا۔

نماز جنازہ وصدقہ خیرات سے میت کو فائدہ پہنچنے کا راز

دنیا میں سفارش کرنے اور تاوان دینے سے مجرموں سے عذاب تخفیف ہونے و ٹلنے و رفع ہونے کے مشاہدہ و تجربہ سے کوئی منکر نہیں ہے۔ ایسا ہی گناہگار میت کو دعا و نماز جنازہ اور صدقات مالیہ مفید ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں ایسے امور کا بکثرت ذکر آیا ہے۔ اور آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم

فرماتے ہیں۔ ان الله امـركـم بالصدقة فان مثل ذالک کمثل رجل اسره العدو فاوثقوا یـدیـه الـی عـنـقه و قدموا لیضربوا عنقه فقال انا افدی منکم بکل قلیل و کثیر ففدی نـفسـه منهم ۔ترجمہ۔خداتعالیٰ نے تم کوصدقہ دینے کاحکم فرمایا ہے۔کیونکہ صدقہ دیناایسا ہے جیسا کہ ایک شخص کواس کے دشمنوں نے اسیر کرکے اس کے دونوں ہاتھوں کواس کی گردن سے باندھ دیا ہوتا ہے کہ اس کی گردن زنی کریں۔پس وہ کہے کہ میں تم کو کچھ تھوڑا بہت دے کر چھٹکارا چاہتا ہوں۔پس وہ فدیہ دے کران سے خلاصی پائے۔

میت کی اولاد صالحہ،صدقات وخیرات جاریہ میت سے عذاب ہٹانے ورفع درجات کے لئے مفیدامور ہیں۔کیونکہ ان امور میں قربت الی اللہ کی مناسبتیں ہیں۔اور راقم الحروف نے اپنے والد ماجد غلام محمد خان ابن محمد جمال خان میں کئی باران امور کا بعالم رؤیاءومکاشفہ مشاہدہ کیا۔

جنازہ کی ہر دعا کے بعد تکبیر پڑھنے کی حکمت

جنازہ کی ہر دعا کے بعد تکبیر اس لئے پڑھی جاتی ہے کہ اس میں خداتعالیٰ کے حضور میں مردہ کی عاجزی وکمزوری کا نقشہ پیش کیا جاتا ہے۔اور یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ اے خدا کبریائی وعظمت تیرا ہی حق ہے۔یہ انسان عاجز وکمزور ہے۔اس کی عاجزی وکمزوری پر رحم کرکے ہماری درخواستِ سفارش اس کے حق میں قبول فرما۔کیونکہ سفارش میں اس امر کا ہونا ضروری ہے کہ جس کے آگے سفارش کی جائے،اس کی واقعی عظمت وجلال وکبریائی بیان کی جائے۔اور جس کے لئے سفارش کی جائے،اس کی کمزوری و عاجزی کا اظہار کیا جائے،تاکہ کبیر وعظیم کا دریائے رحمت عظیمہ جوش میں آئے اور کسی غریب وعاجز کا کام بن جائے۔عن ابن عباس ان النبی صلی الله علیه وسلم کبر اربعا ۔ترجمہ۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ نبی علیہ السلام نماز جنازہ میں چار تکبیریں پڑھا کرتے تھے۔

عورت کووالدین کا سوگ تین دن اور خاوند کا سوگ چار ماہ دس دن رکھنے کی وجہ

عورت کواپنے والدین وغیرہ کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ رکھنا منع کیا گیا ہے۔اوراپنے خاوند کی وفات پراس کو چار ماہ دس دن کا سوگ رکھنا واجب کیا گیا۔یہ امر اس شریعت کی خوبیوں وحکمتوں ورعایت مصالح عامہ کی وجہ سے ہے۔کیونکہ میت پر سوگ رکھنا مصیبت موت کی تعظیم میں سے ہے۔جس میں زمانہ جاہلیت کے لوگ بہت مبالغہ کرتے تھے۔اوراس کے ساتھ گریبان کا پھاڑنا اوررخساروں کو پیٹنا اور بالوں کا گھسوٹنا اورواویلا کرنا ان میں رائج تھا۔اورعورت بہت تنگ وتاریک وسنسان گھر میں

مدت تک برابر پڑی رہتی تھی۔ نہ کسی خوشبو کو چھوتی، نہ صاف کپڑے پہنتی، نہ تیل لگاتی اور نہ غسل کرتی تھی۔علی ہذا القیاس۔اس قسم کی ناواجب رسوم، جو خدا تعالیٰ اور اس کی قضاء وقدر پر غصہ کرنے پر دلالت کرتی ہیں، ان میں مروج تھیں۔ پس خدا تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت کی رسم اپنی رحمت و رافت عامہ سے باطل کر دی اور ان کے بدلہ میں ہمیں صبر وحمد واسترجاع (اِنَّـا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن) کہنے کی ہدایت فرمائی، جو مصیبت زدہ کے لئے دارین میں بہت مفید و نافع ہے۔اور چونکہ مصیبت زدہ کو مصیبت موت پر بالضرور غم و رنج بتقاضائے طبیعت انسانی پیدا ہوتے رہتے ہیں، لہٰذا خدا تعالیٰ نے، جو بندوں کے حال کا دانا و بینا ہے، کسی قدر سوگ رکھنا جائز رکھا۔ اور وہ ایام سوگ میت کے بعد تین دن ہیں، جن میں مصیبت زدہ سوگ رکھ کر اپنے غم و رنج کا اظہار کرے، جیسا کہ مہاجر کو اجازت دی گئی کہ فریضہء حج ادا کرنے کے بعد مکہ میں تین دن قیام کرے۔اور جو تین دن سے زیادہ سوگ ہو، اس کا بہت فساد ہے۔ لہٰذا اس سے زیادہ سوگ رکھنا منع کیا گیا۔ بخلاف تین دن کے فساد کے کہ وہ بمصلحت حق عورت کم ہے۔ کیونکہ نفس کو مالوفات سے بالکل جدا کرنے سے بہت تکلیف پہنچتی ہے۔ اس لئے ان کو بعض حصہ مالوفات کا دیا گیا، تا کہ اس پر باقی کا ترک کرنا آسان ہو جاوے۔ وجہ یہ کہ اگر نفس کو اپنی بعض مرادیں مل جائیں، تو ان پر قانع ہو جاتا ہے اور باقی کا چھوڑنا اس کو سہل ہو جاتا ہے۔ خاوند کا سوگ چار ماہ دس دن رکھنے کی حکمت ہم کتاب النکاح میں بیان کریں گے۔

اہل اسلام کا مردہ کو خاک میں دفن کرنے اور آگ میں نہ جلانے کی حکمت

ا۔ دفن کر دینے میں مردہ کے حق میں پردہ پوشی ہے اور زندوں کے حق میں کچھ دشواری نہیں۔ پانی اور ہوا میں مردہ کو رکھیں، تو ناک اور آنکھ کو الگ الگ تکلیف پہنچے یعنی بدبو سے ناک سڑ جائے، صورت کو دیکھئے، تو گھن جدا آئے۔ آگ میں جلائیں، تو گو عرصہ دراز تک بدبو اور گھن نہیں رہتی، مگر جلانے کے وقت کی کیفیت تو جلانے والوں اور گرد و پیش کے رہنے والوں سے پوچھو۔ پھر ہوا کی خرابی سے پانی کے بگڑنے کا اور بیماریوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ جدا رہا۔اور فساد عناصر سے جو کچھ نقصانِ عناصر اربعہ کو پہنچتا ہے، وہ جدا رہا۔ دفن کرنے میں نہ یہ خرابی نہ وہ فساد۔ بلکہ شیرازہ ترکیب بدن کے کھل جانے سے عناصر اربعہ بدن مردہ اپنے اپنے موقع اور مقام پر پہنچ جاتے ہیں اور اس لئے مقدار خاک و پانی و ہوا اور آتش جتنے تھے اتنے کے اتنے ہی ہمیشہ رہتے ہیں۔

۲۔ تپش آتش سے زمین کی قوت نامیہ کو جو نقصان پہنچتا ہے، وہ بھی ظاہر ہے۔ اور دفن مردگان سے جو کچھ قوت نامیہ کو تقویت ہوتی ہے، وہ بھی چنداں پنہاں نہیں۔ تپش کی وجہ سے فساد قوت نامیہ تو خود

عیاں ہے۔ باقی دفن کی وجہ سے قوت نامیہ کی تقویت کی وجہ یہ ہے کہ بدن انسانی وہ چیز ہے کہ قوت نامیہ کے بہت سے زوروں کے بعد پردہءعدم سے صفحۂ ہستی پر نمایاں ہوتا ہے۔ غلہ اور میوہ جات سے اگر بدن انسانی بنتا ہے، تو قطع نظر اس سے کہ اس بننے میں نشو ونما ہوتا رہتا ہے اور یہ خود قوت نامیہ کا کام ہے۔ یہ غذائیں بھی تو قوت نامیہ ہی کی کارگذاری کی بدولت اس رنگ و بو اور ذائقہ کو پہنچتی ہیں۔ القصہ قوائے نامیہ نے بڑی دقتوں سے زمین میں سے چھان کر یہ اجزاء نکالے تھے۔ بعد دفن وہ اجزاء یکجا کرائے، جو قوت نامیہ ہی کو مل جاتے ہیں۔ اس لئے اگر دفن اور قرب و جوار مدفن میں نشونما کا زور ہوا کرے تو کچھ عجب نہیں۔ اور کیوں نہ ہو فضلہ انسانی بایں وجہ کہ غذا میں سے نکلا ہے اور غذا نتیجہ کارگذاری قوت نامیہ ہے زمین کی قوت کو اتنا بڑھا دیتا ہے کہ کیا کہئے۔ جسم انسانی جو اس سے کہیں زیادہ ہے یہ زور کیوں نہ رکھتا ہوگا۔ جس کا فضلہ ایسا ہو وہ اصل، جو خلاصہ اربع عناصر ہو، کیا کچھ ہوگا۔ غرض تپش آتش کا قوت سوز ہونا اور جسم انسانی کا قوت انگیز ہونا زمین کے حق میں یقینی ہے اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ مرگھٹ ہنود پر سبزہ کا نام ونشان نہیں ہوتا۔ اور مدفن اسلام پر ہر جگہ سبزہ زار نظر آتے ہیں۔

۲۔ علاوہ بریں والد خیر اندیش اگر سفر پر جاتا ہے، تو فرزند ولی عہد کو اس کی مادر مہربان کے حوالہ کرتا ہے۔ اس کی والدہ کی سوکن کو نہیں دیتا۔ مگر یہ ہے تو پھر مناسب یوں ہے کہ تن خالی کو حوالہءخاک کیا جائے آتش کو نہ دیا جائے۔ بالجملہ روح جسم خاکی کے حق میں مربی ہے۔ چنانچہ اس کی تربیت اور نگرانی سے ظاہر ہے کہ یہ کرہءخالی اس کے حق میں بمنزلہ مادرِ مہربان ہے۔ چنانچہ اس کا اس سے پیدا ہونا خود اس امر پر شاہد ہے۔ اس صورت میں درصورت سفر روح، جو وقت انتقال بجانب عالم علوی پیش آتا ہے، اگر اس جسم خاکی کو حوالہ آتش کریں اور زمین میں دفن نہ کریں، تو ایسا ہے جیسا اپنے فرزند کو اس کی والدہ کی سوکن کے حوالہ کیا جائے اور ماں کو نہ دیں۔

۴۔ اگر کسی کے کبوتروں میں کسی کا کبوتر بے چرائے آ ملے یا کسی کے ریوڑ میں کسی کی بکری اسی طرح آ ملے، تو اس کو یوں مناسب ہے کہ اوروں کا حق جدا کر کے ان کو دے دے۔ پھر غیروں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس کے کبوتروں اور ریوڑ کو ضبط کر کے لے جائے اور اس کی غیبت میں ان سب کو ہلاک کر دے۔ مگر یہ ہے تو پھر یوں مناسب ہے کہ اس جسم خاکی کو زمین میں دفن کر دیں۔ تاکہ آب و آتش ہوا کو اس سے جدا کر کے چھوڑ دے، تا وہ سب اپنے اپنے مقام کو چلی جائیں، تا کرہءہوا و آب و آتش اپنے اپنے ہم جنس کو اپنی اپنی طرف کھینچ لیں۔ یعنی حرکت خاک و آب و باد آتش اپنے اپنے طبقات کی طرف، جو طبعی ہے، دو حال سے خالی نہیں۔ یا یہ خود حرکت کرتی ہوں، جیسے اکثر حکمائے یونان کا خیال ہے۔ یا

ادھر سے کشش اتصال ہو، جیسے حکمائے فرنگ کا خیال ہے۔ بہر حال مناسب یوں ہے کہ جسم کو حوالہ زمین کر دیں، حوالہ آتش نہ کریں۔ کیونکہ یہ تن خاکی سر سے پا تک خاک ہے۔ البتہ رطوبت اور بادی وگرمی سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اجزاء آبی اور ہوائی اور آتشی بھی اس میں آ ملے ہیں۔ اس نے کسی کو چرایا نہیں۔ اگر زمین میں دفن کر دیں گے، تو وہ شیرازہ ترکیب کھول کر سب کو جدا جدا کر دے گی۔ اور پھر وہ اجزاء خود اپنے اپنے مقام کو چلے جائیں گے یا ان کے اصول ان کو جذب کر لیں گے۔ اور اگر آگ کے سپرد کیا، تو وہ سب کا ستیاناس کر کے ہٹے گی۔

۵۔ محبت باہمی اقربا تو ظاہر ہے۔ مگر غور کرو تو بمقابلہ اَور انواع واجناس کے تمام بنی آدم باہمی قرابتی ہیں۔ اور کیوں نہ ہوں۔ آخر ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ اور اس محبت باہمی کا یہ نتیجہ ہے کہ ایک دوسرے کا حافظ محافظ ہے۔ جیتے جی کی حفاظت میں تو کچھ کلام ہی نہیں، مرنے کے بعد بھی یوں جی نہیں چاہتا کہ تنِ مردہ اقربا کو علیحدہ کر دیں۔ یہی وجہ ہے کہ جدائی کے وقت کسی قدر روتے ہیں اور جنازہ اٹھاتے ہیں، تو کیا غل مچتا ہے۔ اس صورت میں اگر بوجہ مجبوری پاس نہ رہنے دیں تو کیا مقتضائے محبت یہی ہے کہ یوں جلا کر خاک بنا دیں۔ نہیں اہل محبت سے یہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں تا بمقدور آلائش ظاہری سے پاک صاف کر کے اچھا لباس پہنا کر حفاظت سے ایک طرف رکھ دیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ مگر یہ بات بجز خود کردگانِ محبت اور کون جانے۔ وحشیانِ بے اُنس کو اس کی کیا خبر ہو گی جو امید تصدیق ہو۔ اور نا تجربہ کارانِ عشق کو یہ بات کیا معلوم ہو گی جو توقع تائید ہو۔

جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونے کی وجہ

نبی علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں۔ **ان الموت فزع فاذا رایتم الجنازہ فقوموا** ۔
ترجمہ۔ یعنی موت پریشانی کی چیز ہے۔ پس جب تم کسی جنازہ کو دیکھو، تو کھڑے ہو جایا کرو۔

ایسا ہی ساتھ والوں کو امر ہے کہ جب تک جنازہ اتار کر نہ رکھا جائے لوگ کھڑے رہیں۔ چونکہ لذتوں کے دور کرنے والی کا ذکر اور عزیز وآشنا کے انتقال سے نصیحت پکڑنا منظور تھا اور یہ ایک باطنی امر تھا کہ اسکے کرنیوالے اور نہ کرنیوالے میں تمیز ہو سکتی تھی۔ اسلیئے شارح نے اس کیلیئے کھڑے ہونے کا حکم دیا تا کہ اس مطلوب کا انضباط ہو جائے۔ مگر آپ نے لوگوں پر واجب نہیں کیا۔ اور نہ وہ سنت قائمہ ہے۔

مردہ کو نہلانے کی حکمت

مردہ کو نہلانے میں یہ وجہ ہے کہ زندہ کے غسل پر قیاس کیا جائے، کیونکہ وہ خود اپنی زندگی میں بھی

ایسے ہی غسل کرتا تھا اور نہلانے والے بھی خود ایسا ہی نہاتے ہیں۔اس لئے میت کی تعظیم کے لئے اس سے بہتر اور کوئی صورت نہلانے کی نہیں ہے کہ بیر کے پتے پانی میں ڈال کر مردہ کو نہلایا جائے۔ کیونکہ مرض کے اندر اکثر اوقات بدن میلا ہو جاتا ہے اور بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔اور دائیں اعضاء سے شروع کرنے کا اس لئے حکم دیا کہ مردوں کا غسل بمنزلہ زندوں کے ہو اور ان اعضاء کی عزت معلوم ہو۔

میت کے پاؤں قبلہ کی طرف کر کے اس کو غسل دینے کی وجہ

ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں کہ اسلام اپنے ہر حکم میں اطاعت وفرمانبرداری الٰہی کا سبق دیتا ہے۔ بلکہ یوں سمجھو کہ اسلام یوم ولادت بلکہ یوم حمل سے لے کر قبر میں داخل ہونے تک انسان کی تمام حرکات و سکنات اختیاریہ وغیر اختیاریہ میں اطاعت الٰہی کی طرف توجہ دلاتا ہے۔یعنی جس عبادت الٰہی کے فعل کو باختیار خود نہ کر سکے اور وہ اسکے ذمہ ہو، تو اس کیلئے دوسروں کو اس کی وجہ مناسبہ ادا کرنے کیلئے تاکید کرے۔الغرض جو فعل اسلام سکھاتا ہے، اس میں اس نے اطاعت الٰہی کو ملحوظ رکھا ہے۔اس وجہ سے اس دین کا نام اسلام ہے۔گویا شارع علیہ الوف الصلوات والسلام نے دین اسلام کی تمام حقیقتوں کو ایک لفظ ہی میں مرکب کر کے اس کا نام اسلام رکھا ہے۔ کیونکہ لغت عرب میں اسلام اس کو کہتے ہیں کہ بطور پیشگی ایک چیز کا مول دیا جائے۔اور یا تو یہ کہ کسی امر یا خصومت کو چھوڑ دیں اور اصطلاحی معنی اسلام کے وہ ہیں، جو قرآن کریم کی آیت ذیل میں فرمائے ہیں۔**بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَه لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَلَه اَجْرَه عِنْدَ رَبِّه فَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْن** ۔ترجمہ۔یعنی مسلمان وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے تمام وجود کو سونپ دے۔یعنی اپنے تمام وجود کو اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کے ارادوں کی پیروی کے لئے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے وقف کر دے اور پھر نیک کاموں پر خدا تعالیٰ کے لئے قائم ہو جائے اور اپنے وجود کی تمام عملی طاقتیں اس کی راہ میں لگا دیوے۔مطلب یہ ہے کہ اعتقادی اور عملی طور پر محض **کا لمیت فی ید الغاسل** خدا تعالیٰ کا ہو جائے۔اعتقادی طور پر اس طرح کہ اپنے تمام وجود کو درحقیقت ایک ایسی چیز سمجھ لے جو خدا تعالیٰ کی شناخت اور اس کی اطاعت اور اس کے عشق اور اس کی محبت اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے بنائی گئی ہے۔

اور عملی طور پر اس طرح کہ خالصاً للہ حقیقی نیکیاں جو ہر ایک قوت سے متعلق اور ہر ایک خداداد توفیق سے وابستہ ہیں بجالائے۔مگر ایسے ذوق وشوق وحضور سے کہ گویا وہ اپنی فرمانبرداری کے آئینہ میں اپنے معبود حقیقی کے چہرہ کو دیکھ رہا ہے۔پس جس کی اعتقادی وعملی صفائی ایسی محبت ذاتی پر مبنی ہو اور ایسے طبعی جوش سے اعمال حسنہ اس سے صادر ہوں، وہی ہے جو عنداللہ مستحق اجر ہے اور ایسے لوگوں پر نہ کچھ

خوف ہے اور نہ وہ کچھ غم رکھتے ہیں، یعنی ایسے لوگوں کے لئے نقذنجات موجود ہے۔

اب ہم اصل مضمون کو لیتے ہیں۔ واضح ہو کہ چونکہ وضو وغسل کرنا منجملہ عبادات ایزدی کے شمار کئے جاتے ہیں، اس لئے وضو وغسل قبلہ رخ بیٹھ کر یا کھڑا ہو کر کرنا مناسب ہے، کیونکہ اس میں خدا تعالیٰ کے اعظم شعار قبلہ کا ادب ملحوظ ہے۔ لہٰذا میت کو بوقت غسل جو قبلہ کی طرف اس کے پاؤں کر کے لٹایا جاتا ہے، اس میں میت کو بوقت ادائے شعار عبادت الٰہی یعنی وضو وغسل کرنے کے وقت قبلہ رخ کر کے بٹھانا و کھڑا کرنا مقصود ہے، جو کہ میت کو قبلہ کی طرف پاؤں کر کے لٹانے سے ادا ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ لیٹنے میں جس کے پاؤں قبلہ کی طرف ہوں، وہ جب بیٹھے یا کھڑا ہو، تو اس کا منہ سیدھا قبلہ کی طرف ہوتا ہے۔ اس وجہ سے میت کو نہلانے کے وقت اس کے پاؤں قبلہ کی طرف کئے جاتے ہیں کہ اس کو عبادت الٰہی کے شعار میں رکھا جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جو حدیث نبوی میں مذکور ہے کہ جب بیمار و معذور کھڑا ہو کر یا بیٹھ کر نماز نہ پڑھ سکے، تو قبلہ کی طرف پاؤں کر کے لیٹ کر نماز اشارات سے ادا کرے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **یصلی المریض قائما فان لم یستطیع فقاعدا فان لم یستطیع فعلی قفاہ** ۔ترجمہ۔ یعنی بیمار کھڑا ہو کر نماز پڑھے۔ اگر کھڑا ہونے کی طاقت نہ رکھے، تو بیٹھ کر نماز پڑھے۔ اور اگر بیٹھ کر نماز ادا نہ کر سکے، تو اپنی پیٹھ پر لیٹ کر اشارات سے ادا کرے۔

اور عینی شارح "ہدایہ" لکھتا ہے۔ **وان تعذر القعود اومیٰ مستلقیا علی ظھرہ رجلیہ جاعلا الی القبلۃ و یضع تحت راسہ وسادۃ لیرتفع فیصیر شبہ القاعد و ینصب رکبتیہ ان قد تحامیا عن مد رجلیہ الی القبلۃ** ۔ترجمہ۔ اگر بیمار کو بیٹھ کر نماز ادا کرنا مشکل پڑ جائے، تو اپنی پیٹھ کے بل لیٹے اور پاؤں قبلہ کی طرف کر کے اشارات سے نماز ادا کرے۔ اور اپنے سر کے نیچے تکیہ رکھ لے۔ تاکہ اس کا سر بلند رہے اور بیٹھنے والے کی طرح ہو جائے۔ اور اگر بیمار کو طاقت ہو، تو اپنے دونوں گھٹنوں کو بلند رکھے تاکہ قبلہ کی طرف پاؤں دراز کرنے سے بچے۔

اور "فتح القدیر" "شرح" "ہدایہ" میں لکھا ہے۔ **و الاستلقاء علی الظھر افضل من مطلق الاضطجاع لان اشارۃ للمستلقی تقع الی ھواء الکعبۃ و ھو قبلۃ الی عنان السماء و اشارۃ المضطجع الی جانب قدمیہ و لان المرض علی شرف الزوال فاذا زال فقعد او قام کان وجھہ الی القبلۃ بخلاف ما اذا کان علی الجنب** ۔ترجمہ۔ یعنی وہ بیمار، جس کو بیٹھ کر ادائے نماز کی طاقت نہ ہو، اس کو پیٹھ پر لیٹ کر نماز ادا کرنا افضل ہے، بہ نسبت پہلو پر لیٹ کر نماز پڑھنے کے۔ کیونکہ پیٹھ پر لیٹ کر نماز ادا کرنے والے کے اشارات ہوائے کعبہ کی طرف واقعہ ہوں گے

اور وہ فضائے آسمان تک قبلہ ہی ہے۔اور پہلو پر لیٹ کر نماز ادا کرنے والے کے اشارات اس کے اپنے ہی قدموں کی طرف واقع ہوں گے۔ کیونکہ بیماری معرض زوال میں ہوتی ہے۔ پس جب بیماری ہٹ جائے اور بیمار بیٹھے یا کھڑا ہو تو اس کا منہ سیدھا قبلہ کو ہوتا ہے۔مگر پہلو پر لیٹے ہونے کے بعد اٹھے تو اس کا منہ جنوب کو ہو گا۔ میت کو قبلہ کی طرف پاؤں کر کے لٹانے میں یہی وجہ ہے کہ وہ اب معذور ہے اور بحالت عذر قبلہ کو منہ کر کے کسی شعائر الٰہی کو ادا کرنا مقصود ہو، تو پاؤں قبلہ کی طرف کرنے پڑتے ہیں۔ فقہاء نے وضو و غسل میں قبلہ کی طرف منہ کرنا مستحب لکھا ہے۔ دیکھو "فتح قدیر" و ملا مسکین۔اس لئے میت کو وضو و غسل کرانے میں قبلہ رخ کرایا گیا ہے۔

۲۔میت کے پاؤں قبلہ رخ کر کے نہلانے میں یہ بھی راز ہے کہ یہ امر وضو و غسل اس قبلہ کی طرف سے صاحب قبلہ یعنی رب العالمین نے پہنچائے ہیں۔لہٰذا ان کی تعمیل کی جاتی ہے۔

۳۔میت کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف انابت و رجوع کا وقت اس کو وضو و غسل دینے کے وقت سے شروع ہوتا ہے۔اس لئے میت کو قبلہ رخ کر کے غسل دینا میت کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کی صورت ہے۔لہٰذا غسل کے وقت اس کی توجہ کو قائم رہنے کے لئے ایسا کیا گیا۔

مردہ کے سر کو جانب شمال و پاؤں جنوب کو کر کے مدفون کرنے کی وجہ

ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں کہ اسلام کے ہر حکم کی بنیاد حکمت الٰہی پر مبنی ہے۔قبر میت کیلئے دائمی خوابگاہ اور اسکے اپنے اصل مقام کی طرف رجوع کرنے کی جگہ ہے۔لہٰذا اگر میت کا سر قبلہ کو اور اسکے پاؤں مشرق کو کئے جاتے ،تو اسکا منہ قبلہ کی طرف سے پھرا ہوا اور اسکی پیٹھ قبلہ کو ہوتی۔اور یہ امر شعائر اسلام کے برخلاف ہے۔اور اگر میت کا سر مشرق کو اور پاؤں قبلہ کو کئے جاتے ،تو اس میں بھی قبلہ کی بے ادبی لازم آتی۔ کیونکہ خواب کرنے کے وقت بھی قبلہ کی طرف پاؤں کر کے سونا منع آیا ہے۔اس لئے کہ کعبہ کی تعظیم اعلیٰ شعائر اسلام میں سے ہے۔اور نیز اس طرح سے منہ جنوب و شمال کو ہو جاتا ہے۔

بنی عبدالمطلب میں سے ایک شخص فوت ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے لئے مدفن کرنے کے وقت فرمایا کہ اس کے منہ کو قبلہ کی طرف کر دو۔لہٰذا بلحاظ ادب کعبہ معظّمہ، جو کہ اسلام کا اصلی سنٹر و مرکز ہے، اس کی طرف منہ کرنے میں شمال دائیں کو اور جانب جنوب بائیں کو ہوتی ہے۔اور ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں کہ دائیں کو بائیں پر فضیلت و تقدم و شرافت خدا تعالیٰ ہی نے عطا کی ہے۔یہی وجہ ہے کہ فطرت انسانی کے ہر کام میں اس امر کی فوقیت و قوت کا تجربہ و اثر مشاہدہ میں آ چکا ہے۔لہٰذا مقتضائے عدالت و انصاف یہی ہے کہ شرافت و فضیلت والی اطراف اور مکانات سے شریف اعضائے انسانی کو

قریب کیا جائے۔ کیونکہ ہر چیز کا اپنی مناسبت سے پیوست کرنا عین عدالت وانصاف ہے۔انسان کا اعلیٰ بدن، جس میں اس کے اعضائے رئیسہ، دل، دماغ، جگر ہیں، ان کو دائیں جانب سے مناسبت ہے۔اور انسان کا اسفل بدن، جس میں اس کے پاؤں وغیرہ دیگر اعضاء شامل ہیں، ان کو بائیں جانب سے مناسبت ہے۔لہٰذا اعلیٰ اعضائے انسانی اعلیٰ وافضل طرف کو اور ادنیٰ اعضائے انسانی ادنی طرف کو سپرد کئے گئے۔اور منہ قبلہ کو کیا گیا کہ اس میں شعار اسلامی کا لحاظ ہے۔

واضح رہے کہ مدفون میت کے لئے شمال وجنوب کی نسبت ان ممالک کے لئے ہے، جو کعبہ سے مشرق کو واقع ہیں۔اور جو ممالک کعبہ سے مغرب کو واقع ہیں، ان کا مدفن ہمارے برعکس ہوگا۔اس مسئلہ کی مفصل تشریح ہماری کتاب "اسرار شریعت" (عربی) میں انشاءاللہ تعالیٰ ملے گی۔

۲۔میت کا سر شمال کو کیا جائے،تو میت کا منہ قبلہ رخ دائیں طرف سے ہوتا ہے۔مگر سر جنوب کی کو کرنے سے میت کا منہ قبلہ کی طرف کرنے میں بائیں جانب آتی ہے۔اس لئے شمال کی طرف اسکا سر کیا گیا، تا کہ اسکا منہ قبلہ رخ اسی کی دائیں طرف سے ہو۔

۳۔انسانی فطرت اور اس کی اصل خلقت کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ انسان کو کعبہ کے مقابل اسی ہیئت پر زمین میں مدفون کیا جائے۔وجہ یہ ہے کہ انسان کی ابتدائی پیدائش کعبہ سے شروع ہوئی ہے، یعنی پہلے پہل جب خدا نے انسان کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا، تو زمین کعبہ پہلے تیار فرمائی اور پھر اس کے بعد باقی ساری زمین کا پھیلاؤ کعبہ سے ہوا۔ چنانچہ قرآن کریم میں اس مر کے متعلق صریح اشارات ملتے ہیں۔اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبَارَكاً وَّ هُدًى لِلْعَالَمِيْن ۔ترجمہ۔یعنی دنیا میں پہلا گھر عبادت الٰہی کا، جو لوگوں کے لئے وضع کیا گیا، وہ یہی بابرکت گھر ہے، جو مکہ میں ہے اور وہ جہان کے لوگوں کے لئے ہدایت نامہ ہے۔جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِلنَّاسِ ۔ترجمہ، یعنی خدا تعالیٰ نے کعبہ کو، جو عزت کا گھر ہے، لوگوں کے قیام کے لئے بنایا ہے۔

اس آیت شریف میں خدا تعالیٰ نے کعبہ کو انسانوں کے قیام کا سبب بیان فرمایا اور ظاہر کیا کہ جبتک کعبہ کا قیام ہے۔تب تک انسانوں کا بھی قیام ہے اور جب کعبہ نہ ہوگا، تو قیام انسانی بھی نہ ہوگا۔

پس جب کہ خدا تعالیٰ نے کعبہ کو باعث قیام انسان ٹھرایا تو کعبہ کے مقابل پر زمین کے اوپر اور زمین کے اندر انسان کی وضع قیام اس ہیئت پر چاہیئے ،جس میں تعظیم کعبہ میں فرق نہ آئے ، کیونکہ کعبہ کو خدا تعالیٰ نے بیت الحرام یعنی عزت کا گھر اور شعائر اللہ یعنی خدا کا نشان فرمایا۔لہٰذا خدا کے معزز کئے ہوئے گھر کی عزت اور خدا کے نشان کی تعظیم کرنا خدا تعالیٰ کی عزت وتعظیم ہے۔

خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں مکہ کو اُمَّ القرُیٰ فرمایا ہے۔ اُم عربی زبان میں ماں کو کہتے ہیں۔ اور قریٰ جمع ہے قریہ کی۔ قریہ گاؤں کو کہتے ہیں۔ یعنی یہ ظاہر کیا کہ مکہ دنیا کے دیہات وشہروں کی ماں ہے اور اس لفظ میں اس امر کو ثابت کیا گیا کہ بلحاظ جسمانیت وروحانیت بنی آدم کی ماں واصل مکہ ہی ہے۔ بلحاظ جسمانیت مکہ کا تمام دنیا کے لئے اصل ومبداء ہونا اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اور بلحاظ روحانیت بھی مکہ ہی ہے، کیونکہ خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جو دنیا میں قیامت تک بنی آدم کے لئے اکمل شریعت لائے، وہ بھی مکہ ہی میں پیدا ہوئے۔ لہٰذا مکہ بنی آدم کی ماں واصل ٹھہری۔ پس ایسی جسمانی وروحانی ماں کا پاس ادب ضروری ہوا۔ اور پاس ادب اس وضع پر ہوسکتا ہے، جو اوپر بیان ہو چکا۔

سوال۔ احادیث میں تو کہیں مذکور نہیں ہے کہ قبلہ کی طرف پاؤں کر کے نہ سونا چاہیئے۔

جواب۔ بطور اشارت نص قرآن و احادیث میں تعظیم قبلہ کا امر آیا ہے اور یہ کوئی دلیل نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص اس بنا پر کہ حدیث میں ذکر نہیں ہے اور اس لئے قرآن شریف پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہوا کرے، تو کیا یہ جائز ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ خدا تعالیٰ کے شعائر کی تعظیم کرنے کا مؤکد حکم ہے۔ اور کعبہ خدا تعالیٰ کے عظیم الشان شعائر میں سے ہے۔ لہٰذا خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَ مَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ** ۔ ترجمہ۔ یعنی جو کوئی خدا تعالیٰ کے نشانات کی تعظیم کرے، تو یہ امر پرہیزگاری ء دلوں میں شمار ہوتا ہے۔

میت کو قبر میں قبلہ کی طرف سے داخل کرنے کی حکمت

اہل اسلام کا میت کو قبلہ کی طرف سے قبر میں داخل کرنے میں یہ ایماء ہے کہ یہ میّت ملت اسلام پر خدا تعالیٰ کو سپرد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ جلد اول صفحہ ۲۴۲ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں۔ **كان النبى صلى الله عليه وسلم اذا دخل الميت القبر قال بسم الله و على ملة رسول الله صلى الله عليه وسلم** ۔ ترجمہ۔ یعنی جب میت کو قبر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم داخل کرتے، تو فرماتے بہ برکتِ نامِ خدا بر ملتِ رسولِ خدا علیہ الصلوۃ والسلام اس میت کو زمین میں رکھا جاتا ہے۔

مردہ کو کافور لگانے کی حکمت

۱۔ مردہ کو کافور لگانے کا اس لئے امر ہوا کہ جس چیز کو کافور لگایا جائے وہ جلد نہیں بگڑتی۔
۲۔ کافور لگانے میں یہ فائدہ ہے کہ کوئی موذی جانور اس کے قریب نہیں آتا۔

۳۔ یہ بھی فائدہ ہے کہ کافور کی بو سے قبر کے کیڑے جو طبعی طور پر زمین میں پیدا ہو جاتے ہیں، وہ بھاگ جاتے ہیں۔ البتہ جو اعمال بد کے باعث کیڑے سانپ بچھو وغیرہ مردہ کو قبر میں کاٹنے کے لئے پیدا ہو جائیں، وہ نہ کسی چیز سے ڈرتے ہیں اور نہ بھاگتے ہیں۔ بلکہ دنیا کی کوئی طاقت ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ **الا الصدقة و الدعاء** . یعنی صدقہ و دعا سے وہ دفع ہو جاتے ہیں۔ کافور مردہ کے سات اندامون پر، جن پر سجدہ کیا جاتا ہے، لگایا جائے اور وہ یہ ہیں۔ پیشانی۔ دونوں گھٹنے۔ دونوں قدم۔ دونوں ہاتھ۔ یہ سات اندام کافور کے لئے اس وجہ سے مخصوص ہیں کہ انہی پر سجدہ کیا کرتا تھا۔ لہٰذا مزید کرامت کے لئے مخصوص ہوئے۔

۴۔ سارے جسم کی بناوٹ انہی اندامون سے ہوتی ہے۔ ان پر کافور لگانے سے گویا سارا جسم ان میں شامل ہو جاتا ہے۔

شہید کو غسل نہ دینے وخون آلودہ کپڑوں میں مدفون کرنے کی وجہ

ا۔ شہید کو جو غسل نہ دینے اور اپنے خون آلودہ کپڑوں کے ساتھ دفن کرنے کی سنت جاری ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ لوگوں کو اس کا شہید ہونا معلوم ہو۔ اور تا کہ بظاہر اس کے بقائے عمل کی صورت متمثل ہو جائے۔ اور دوسرے یہ کہ نفوس بشریہ، جب اپنے ابدان کو چھوڑتے ہیں، تو ان کو حس اور اپنی جانوں کا علم باقی رہتا ہے۔ بلکہ بعض کو ان باتوں کا بھی ادراک ہو جاتا ہے، جو ان کے ساتھ کی جاتی ہیں۔ پس ایسے عمل کا اثر بدستور چھوڑ دیا جائے، تو ضرور ان کو اس کے سبب سے اپنا عمل یاد رہتا ہے اور ان کے سامنے وہ عمل متمثل ہو جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **جروحهم تدمى اللون . لون دم و الريح ، ريح المسك** ۔ ترجمہ۔ یعنی شہیدوں کے زخموں سے خون جاری ہوگا۔ رنگ تو خون کا سا ہوگا اور خوشبو، جو کستوری کی سی ہوگی۔

۲۔ میت کو اس لئے غسل دیا جاتا ہے اور پاک کیا جاتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے پاس پاک ہو کر حاضر ہو اور عالم برزخ میں مرنے کے بعد طہارت مشروع پر خدا تعالیٰ سے ملے۔ اور شہید، جو راہ خدا میں مارا جاتا ہے، وہ مجرد مرنے کے خدا تعالیٰ کے پاس حاضر ہو جاتا ہے۔ پس اس کو غسل نہیں دیا جاتا۔ کیونکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس مرتے ہی حاضر ہو جاتا ہے۔

وجہ تسمیہ شہید

لفظ شہید کے معنی حاضر و دیکھنے والے کے ہیں۔ جو شخص راہ خدا یعنی بحالت تائید اسلام فوت

ہوتا ہے، وہ بدن سے خروجِ روح کے وقت ہی سے اپنے ثواب کا مشاہدہ کرتا اور خدا تعالیٰ کے مقربین و حاضرین وزندوں میں داخل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کو شہید کہتے ہیں۔

حج کے احرام میں فوت ہونیوالے کو احرام کے کپڑوں میں دفن کرنیکی حکمت

نبی علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں۔ **کفنوہ فی ثوبیہ و لا تمسوہ بطیب و لا تخمروا راسه فانه یبعث یوم القیامةملبیا**۔ ترجمہ۔ یعنی احرام کی حالت میں جو فوت ہو جائے، اس کو اس کے دونوں احرام والے کپڑوں میں لپیٹ دو اور اسکو خوشبو مت لگاؤ اور اس کے سر کو مت ڈھکو۔ اس لئے کہ قیامت کے دن وہ تلبیہ کہتا ہوا اٹھے گا۔ اس قول کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ فرماتے ہیں۔ **المیت یبعث فی ثیابه الذی یموت فیها**۔ ترجمہ۔ یعنی حج کے احرام میں جن کپڑوں میں وہ مرتا ہے انہی میں وہ اٹھتا ہے۔

حقیقت زندگی شہداء اور انکی ارواح کا سبز پرندوں کے اجواف میں داخل ہو کر قندیل عرش کے ساتھ معلق ہونے کی وجہ

ا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَمْوَاتاً بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ** ۔ ترجمہ۔ یعنی جو لوگ راہ خدا میں مارے گئے ہیں، ان کو مردے مت کہو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے خدا تعالیٰ کے پاس سے ان کو رزق ملتا ہے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ **ارواحهم فی جوف طیر خضر لها قنادیل معلقه بالعرش تسرح فی الجنة حیث شاء ت ثم تاوی الی تلک القنادیل**۔ ترجمہ۔ یعنی شہیدوں کی روحیں سبز جانوروں کے جوف میں داخل ہوتی ہیں، جن کے لئے عرش میں قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں۔ جہاں چاہتے ہیں جنت میں چگتے ہیں۔ پھر ان قندیلوں میں واپس آ جاتے ہیں۔

اس میں یہ راز ہے کہ جو شخص راہ خدا میں مارا جاتا ہے، اس میں دو باتیں جمع ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کی جان کامل اور وافر ہوتی ہے۔ اور اس کے علوم، جن کے اندر دنیاوی زندگی میں جان مستغرق رہتی ہے، ان علوم میں کسی قسم کا نقصان نہیں آتا۔ بلکہ اس شخص کا حال ایسا ہوتا ہے، جیسے کوئی شخص اپنے کاروبار میں مصروف ہو اور اس اثناء میں وہ سو جائے۔ بخلاف اس میّت کے، جس نے بہت سی مرض کی تکلیف اٹھائی اور اس کا مزاج صحت کی حالت سے بدل گیا اور بہت سے علوم کو اس نے بھلا دیا ہو۔

۲۔ یہ کہ وہ رحمت الٰہی جس سے خطیرۃ القدس اور ملاء اعلیٰ کے دل لبریز ہوتے ہیں جو انتظام

عالم کی طرف متوجہ رہتی ہے اس شخص کو شامل ہو جاتی ہے۔ پس جب اس شخص کی روح نکلتی ہے اور دین الٰہی کے قائم کرنے کا شوق اس میں بھرا ہوا ہوتا ہے، تو ایک نہایت وسیع راستہ اس شخص میں اور خطیرۃ القدس (حاشیہ) میں مفتوح ہو جاتا ہے۔ اور وہاں سے انس اور رافت اور نعمت کا نزول اس شخص پر ہوتا رہتا ہے۔ اور خطیرۃ القدس سے اس بندہ کی طرف ایک توجہ مثالی ہوتی ہے اور اس کے عمل کے موافق اس کی جزا متمثل ہو جاتی ہے۔ پھر ان دونوں حقیقتوں کے اجتماع سے عجیب وغریب امور پیدا ہوتے ہیں۔ ازاں جملہ ایک یہ ہے کہ اس کا نفس کسی وجہ سے عرش میں معلق ہو کر متمثل ہو جاتا ہے۔ اس لئے وہ شخص حاملین عرش سے ہو جاتا ہے اور اس کی ہمت اسی طرف متوجہ رہتی ہے۔ ازاں جملہ ایک یہ ہے کہ اس کے لئے سبز جانور کا جسم متمثل ہوتا ہے۔ سبز پرند ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سبزی نگاہ کو اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اور ازاں جملہ ایک یہ ہے کہ اس کی نعمت اور راحت رزق کی صورتوں میں ظاہر اور متمثل ہوتی ہے۔ جس طرح دنیا میں نعمت میوہ جات وغیرہ کی صورتیں متمثل ہوتی ہیں۔

حاشیہ ۔ ملاءاعلیٰ یعنی ملائکہ مقربین کے علاوہ ایک قسم کے انسانی نفوس بھی ایسے ہوتے ہیں، جن کو ملاءاعلیٰ سے قرب حاصل ہو جاتا ہے۔ وہ ہمیشہ نجات دہ اعمال کو عمل میں لاتے ہیں، حتیٰ کہ ان میں ہی شامل ہو جاتے ہیں، اپنے بدنوں کی چادریں اتار کر انہی میں منسلک ہو جاتے ہیں۔ اور ملاءاعلیٰ کی حالت یہ ہوتی ہے کہ نہایت خوض ومحویت سے وہ اپنے پروردگار کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ کسی چیز کا میلان ان کو اس توجہ سے روک نہیں سکتا۔ اور یہی معنی ہیں خدا تعالیٰ کے اس قول کے کہ وہ اپنے پروردگار کی حمد سے خدا کی تسبیح کرتے رہتے ہیں۔ اور خدا پر یقین رکھتے ہیں۔ ان کے دلوں میں اپنے پروردگار کی طرف سے یہ ڈالا جاتا ہے کہ فلاں عمدہ انتظام پسندیدہ ہے اور اس کے خلاف ناپسندیدہ ہے۔ اس کی وجہ سے جود الٰہی کا ظہور ہوتا ہے اور یہی مراد ہے خدا کے فرمان سے کہ وہ ایمان والوں کی مغفرت کے خواستگار رہتے ہیں۔ اور ملاءاعلیٰ میں جو نہایت مرتبہ والے ہیں، ان کے انوار کبھی یکجا جمع ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے میں اس روح کی صورت میں داخل ہوتے ہیں، جن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا ہے کہ اس کے منہ اور زبانیں بکثرت ہوتی ہیں، اس وقت وہ سب مل ملا کر گویا ایک شئے ہو جاتے ہیں۔ اور اسی کا نام گویا **خطیرۃ القدس** ہے۔ بارہا خطیرۃ القدس میں اس پر اتفاق کیا جاتا ہے کہ معاش اور معاد کے صدموں سے لوگوں کو نجات دینے کا کوئی ذریعہ اس طرح قائم کرنا چاہیئے کہ مخلوق الٰہی میں اس شخص کو جو اس زمانہ کے معزز لوگوں میں نہایت ذکی النفس ہو مضبوط کرنا چاہیئے۔ اس کے حکم کو لوگوں میں جاری کرنا چاہئے۔ اس اتفاق کا یہ اثر ہوتا ہے کہ منور لوگوں کے دلوں میں اس کا الہام کیا جاتا ہے کہ اس شخص کے اتباع پر کمر بستہ ہوں اور ایسے گروہ بنیں، جو لوگوں کی راہبری اور نفع رسانی کے لئے باہر نکلیں۔

شہداء کا قنادیل عرش سے معلق ہونے کا راز

سوال۔تم نے اپنی کتاب "حقیقت اسلام یعنی اسرار اسلام" میں حقیقت عرش کے متعلق لکھا ہے کہ عرش کوئی جسمانی چیز نہیں ہے۔تو پھر عرش کے ساتھ قنادیل کا معلق ہونا اوران میں شہیدوں کا لٹکنا کیامعنے رکھتا ہے۔

جواب۔اس امر کی مفصل حقیقت آپ کو ہماری کتاب "اسرار اسلام" سے ملے گی۔مگر ہم بطور اختصار بیان کر دیتے ہیں۔آئینہ میں جو تمہاری شکل دکھائی دیتی ہے، وہ درحقیقت آئینہ میں نہیں ہوتی، بلکہ آفتاب کی شعاع کے ذریعہ تمہارا عکس وہاں دکھائی دیتا ہے۔عالم رؤیا میں جو اشباہ واجسام نظر آتے ہیں، وہ درحقیقت ایسا نہیں ہوتا، بلکہ وہ ایک قسم کے روحانی انعکاس ہوتے ہیں۔ایسا ہی شہیدوں کے اعمال نور الٰہی کے ذریعہ عالم برزخ میں متمثّل ہوکر دکھائی دیں گے۔عالم رؤیا میں بسا اوقات انسان پر ایسے ایسے واقعات گذرتے ہیں کہ جن کا انکشاف اس عالم شہادت سے بھی بہت بڑھا ہوا ہوتا ہے۔کبھی عالم رؤیا میں کوئی کھانا کھاتا ہے اوراس کا اثر وذائقہ وہ بیداری میں بھی محسوس ہوتا ہے۔کبھی کوئی درد والم و ضرب وکوب کا واقع عالم رؤیا میں انسان کی روح پر گذرتا ہے اوراس کا اثر بیداری میں جسم پر موجود ہوتا ہے۔دنیا میں ارواح اجسام کے تابع ہوتے ہیں۔پس جو احوال درد ودُکھ وسکھ کے جسم پر واقع ہوتے ہیں، ان کا اثر انسان کی روح پر بھی پہنچ جاتا ہے۔مثلاً اگر جسم پر کوئی زخم لگ جائے تو تمام عقل وہوش میں فتور آجاتا ہے۔اوراگر روح پر کوئی دردانگیز واقع گذرے، تو اس کے آثار جسم پر نمودار ہونے لگتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی کا کوئی دوست یا عزیز رشتہ دار فوت ہو جائے، تو اسکے درد ودُکھ وجدائی کا واقع، جو انسان کی روح پر ہوتا ہے، اس سے انسان کی آنکھوں میں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔علیٰ ہذا القیاس برزخ میں جو واقع روح پر گزرے گا، اس کا اثر انسان کے جسم پر بھی محسوس ہوگا۔کیونکہ اس عالم میں اجسام ارواح کے تابع ہو جاتے ہیں۔ان حقائق حقہ کا مفصل ذکر ہماری کتاب "اسرار اسلام" میں ملے گا۔

شہداء کو اپنا حاملین عرش الٰہی میں داخل ہونا متمثّل ہوکر دکھائی دے گا۔کیونکہ ان کے عمل کی جزا یہی چاہتی ہے کہ وہ حاملین عرش الٰہی میں داخل ہوں۔اوراس حمل عرش یعنی عرش کے اٹھانے سے مراد معنوی حمل ہے حسّی حمل مراد نہیں ہے۔مثلاً دیکھو ہم کہتے ہیں حاملانِ اسرار شریعت۔حاملان کتاب الٰہی۔حاملان امور سلطنت وغیرہ وغیرہ۔اس سے مراد معنوی حمل ہے۔کیونکہ اس اٹھانے وحمل کے معنی حسّی وجسمانی طور پر تو نہیں ہو سکتے اور نہ ظاہر میں دکھائی دیتے ہیں۔مگر حقیقت میں ان پر اشیائے مذکور کے اٹھانے وحمل کے معنی ومراد درست ہے۔جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **یحمل**

هذا لعلم من کل خلف عدو له. ترجمہ۔یعنی علم فقہ کواٹھائیں گے۔یعنی پچھلی نسلوں میں سے عادل لوگ اس علم دین کو حاصل کریں گے۔

مقروض مومن کی روح معلق ہونے کی وجہ

نبی علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں۔ **نفس المؤمن معلقة بدينه حتى يقضیٰ عنه ۔** ترجمہ۔یعنی مؤمن کی جان اسکے قرض سے معلق رہتی ہے، یہاں تک کہ اسکی طرف سے قرض ادا کیا جائے۔دنیا میں بہت تھوڑے ایسے انسان ہیں یا ہوں گے، جو متمدن ہوں اور پھر انکو حاجت قرض کبھی پیش نہ آئے۔مگر بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ بوجہ بخل قرض لیکر واپس نہیں دیتے۔قرض سب سے بڑے حقوق العباد سے ہے۔اور حقوق العباد میں عدم ادا کی غفلت یالا پروائی کرنا اور انکے ادا کرنے کا اہتمام نہ کرنا یا بحالت مجبوری انکو نہ بخشوانا یا انکے ادا کرنے کا کسی کوذمہ دار نہ ٹھرانا انسان کی روحانی حالت پر اس امر کا بہت برا اثر پیدا ہوتا ہے۔اور منازل اخروی میں اسکور کاوٹ پیش آجاتی ہےاور بحالت انکار ادائے حقوق العباد دنیا ہی میں کئی قسم کے عذاب جسمانی اور روحانی انسان پر نازل ہوتے ہیں۔خواہ انکوکوئی سمجھے یا نہ سمجھے۔مگر عذاب وگرفت الٰہی کا نزول ضرور ہوتا ہے۔وجہ یہ ہے کہ انسان کا کوئی فعل اثر ونتیجہ سے خالی نہیں ہوتا۔جیسا ادویہ میں تاثیرات ہیں،ایسا ہی افعال انسانی میں تاثیرات ہیں۔

نماز جنازہ میں امام کے پیچھے مقتدیوں کودعائیں پڑھنے کی اجازت ہونیکی وجہ

صلوۃ جنازہ اپنے لئے دعانہیں بلکہ اور کے لئے ہے،یعنی ازقسم شفاعت ہے۔اور ظاہر ہے کہ شفاعت میں تکثّر اور تعدد زیادہ کارگر ہے،اس لئے صلوۃ جنازہ میں سب ہی شریک ہوتے ہیں۔

قبر پکی بنانے کی وجوہات

نبی علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں۔ **انما الاعمال بالنيات** ۔ترجمہ۔یعنی عملوں کی جزا نیتوں پر موقوف ہے۔بعض وجوہات ایسی ہیں کہ ان کو مدنظر رکھ کر قبر پکی بنانا درست بلکہ ضروری ہے۔ مثلاً بعض جگہ سیلاب آتا ہے۔بعض جگہ پر قبر میں سے میت کو کتے اور بجو وغیرہ نکال لے جاتے ہیں۔ مردے کے لئے یہی ایک عزت ہوتی ہے۔اللہ ورسول نے مؤمن کی لاش کے لئے بھی عزت رکھی ہے۔ اگر مؤمن کی لاش کی عزت ضرور نہ ہوتی،تو اسکوغسل دینا اور خوشبولگانے کا امر نہ ہوتا۔مؤمن کو مجوسیوں کی طرح جانوروں کے آگے پھینک دیا جاتا۔مؤمن اپنے لئے ذلت نہیں چاہتا۔حفاظت ضروری ہے۔ جہاں تک نیت صحیح ہے خدا تعالیٰ مواخذہ نہیں کرتا۔اس بنا پر مصلحت الٰہی نے یہی چاہا کہ حضرت رسول

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پختہ گنبد ہو۔ اور کئی بزرگوں کے مقبرے پختہ ہیں۔ مثلاً نظام الدین اولیاء، حضرت فرید الدین۔ حضرت قطب الدین۔ حضرت معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہم۔ یہ سب صلحائے کرام تھے۔

اہل قبور وغیرہ سے مشکل کشائی وطلب امداد جائز وناجائز ہونیکی وجوہات

چونکہ اس کتاب میں منقولات کو معقولات کے پیرایہ میں دکھانا ہمارا مقصد ہے۔ لہٰذا مضمون عنوان الصدر کے متعلق یہ امر قابل غور ہے کہ انسانوں کو انسانوں وغیرہ اشیاء سے کس حد تک اور کس قسم کی طلب امداد عقلاً وشرعاً جائز ہو سکتی ہے۔ سو واضح ہو کہ عالم معاش میں تمام بنی آدم کو ایک دوسرے کے لئے دینی ودنیاوی تعاون وتناصر کا امر ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ تَعَاوَنُوْا عَلٰی الْبِرِّ وَ التَّقْوٰی وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلٰی الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ۔ ترجمہ۔ یعنی مدد کرو ایک دوسرے کی نیکی اور تقویٰ پر اور نہ مدد کرو ایک دوسرے کی گناہ وزیادتی پر۔

قانون قدرت کا مقتضے بھی ایسا ہی ہے کہ یونہی ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اس عالم کے نظام کی بنیاد ہی اسی طرز وطریق پر واقع ہوئی ہے اور اس کے بغیر یہ کارخانہ چل ہی نہیں سکتا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ عالم معاش میں خواہ کوئی ولی ونبی ہو، اس کو متمدن بن کر رہنے اور اپنی بنی نوع انسانوں وغیرہ اشیاء سے طلب امداد وحاجت براری کی درخواست کرنی پڑتی ہے اور اس تمدنی زندگی کے بغیر وہ زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ اور شرع الٰہی کا بھی یہی حکم ہے اور قانون قدرت میں بھی ایسا ہی امر ہے اور عقل بھی یہی کہتی ہے کہ یونہی ہونا چاہیئے۔ مثلاً بچہ اپنے والدین کی امداد کا دست نگر رہتا ہے۔ بھوکا و پیاسا آدمی روٹی و پانی سے اپنی سیری وسیرابی کی امداد لیتا ہے۔ برہنہ آدمی کپڑے سے اپنے بدن کو ڈھانپنے کی امداد لیتا ہے۔ جولاہے سے کپڑا بنوانا۔ دھوبی سے دھلوانا۔ رنگریز سے رنگوانا۔ درزی سے سلوانا۔ معمار سے عمارت تعمیر کرانا۔ آہنگر وغیرہ پیشہ وروں سے امداد لینا عقلاً وشرعاً ممنوع نہیں ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا یہی امر ہے اور قانون فطرت بھی اسی کی مؤید ہے۔ پس یہ سب امدادیں خدا تعالیٰ سے ہوئیں نہ کسی اور سے۔ کیونکہ اس کا امر اور قانون اسی طرح جاری ہوا۔ حواریین بنانا اور اس کو استمالت قلوب کرنا اور ان سے امداد اسلام لینا انبیاء کا خاصا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حکایۃً ذکر فرماتا ہے۔ مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ۔ ترجمہ۔ یعنی کون ہے کہ میری مدد کرے خدا تعالیٰ کی راہ میں۔

علیٰ ہذا القیاس شاگرد کا استاد سے و مرید کا مرشد سے سبق سیکھنا وعقد ہمت ودعا کرانا عقلاً ونقلاً و

شرعاً ممنوع ومقبوح نہیں ہے۔ کیونکہ دنیا میں ایسے لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے یہی امر ہوتا ہے اور ان کی پیدائش اسی امر کے لئے ہوتی ہے کہ اس قسم کا فیض لوگوں کو دیں۔ اس میں بھی امداد خدا تعالیٰ ہی سے ہوئی۔ کیونکہ اس امر کے متعلق اس کا حکم آ چکا ہے اور تقاضائے عقل بھی یہی ہے۔ یہ تو صرف عالم معاش وتمدن میں بنی آدم کے باہمی تعاون وتناصر کا ذکر ہے۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ عالم معاش ومعاد میں بھی باہمی بنی آدم میں تعاون وتناصر کا سلسلہ عقلاً وشرعاً جاری ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کس حد تک۔ لہٰذا واضح ہو کہ چونکہ زندوں ومردوں کا باہمی سلسلہ معاش وتمدن منقطع ہو جاتا ہے، اس لئے معاشی وتمدنی امداد کا سلسلہ بھی دونوں طرف سے منقطع ہو جاتا ہے۔ مگر روحانی ومعادی تعاون وتناصر، جس کے لئے انسان پیدا ہوا تھا، دونوں طرف سے جاری رہتا ہے اور یہ ان فریقین میں ہوتا ہے، جن میں اشد جسمانی قرابت ہو یا روحانی مناسبت ہو۔ مثلاً جب کسی مردہ کے اقرباء واحباب مردہ کیلئے صدقہ وخیرات دیں اور اس کیلئے دعا کریں، تو ان کا ثواب مردہ کو بالضرور پہنچے گا۔ اور یہ بات عقلاً بھی مسلم ہو چکی ہے اور اسی قسم کی امداد دارین میں دائر وسائر ہے۔ یعنی جب کہ مردہ کی روح کو ان اشیاء کا ثواب وآرام ملتا ہے، تو اسکی روح سے ملحقین کے لئے دعائے خیر نکلتی ہے، جو اس کو صدقہ ودعا وخیرات سے آرام پہنچاتے ہیں۔ یعنی ان ملائکہ میں جو مردوں وزندوں کے درمیان ایصال خیر کے ذرائع ہیں اس صدقہ ودعا وخیرات کا اثر رحمت وفرحت وبشاشت دیتا جاتا ہے اور وہی اثر ملائکہ کے ذریعہ طرفین میں پہنچ جاتا ہے۔

خدا را برآں بندہ بخشائشے است   کہ خلق از وجودش درآسائشی است

دعا وخیرات وصدقہ کا ثواب مردہ کو پہنچنے اور اس کی دعا کے اثر کا دنیا میں پہنچنے کی فلاسفی یہ ہے کہ تمام ذرات عالم کو بنظر غور دیکھا جائے، تو وہ ایک دوسرے سے پیوستگی وتعلق رکھتے ہیں اور اس عالم کے چھوٹے بڑے اجسام واجرام وذرّات میں ایسے رابطے ہیں جیسے ایک بڑے انجن کے ساتھ چھوٹی چھوٹی گاڑیوں اور ان کے پرزوں اور ان میں بیٹھنے والوں اور ان کے عملہ کارکن کو رابطہ ہے۔

کوئی صاحب دل انکار نہیں کرسکتا کہ جو شخص صدق دل سے حقیقی طور پر درود شریف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھتا ہے، اس کو اسی دنیا میں روحانی امداد پہنچ جاتی ہے اور بسا اوقات وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار فرحت آثار سے مشرف ہو جاتا ہے۔ ایک عظیم صاحب دل لکھتے ہیں کہ ایک شب میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سوز دل سے درود شریف پڑھا، تو میں نے دیکھا کہ ملائکہ کرام نور کی مشکیں بھر کر میرے گھر کے اندر صحن میں چھڑک رہے ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا ہے، تو انہوں نے کہا کہ یہ اس درود شریف کا فیضان ہے، جو تو نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھا ہے۔

اس قسم کی اور بھی بہت سے بزرگوں کی شہادتیں ہیں کہ ایسے فیض اِدھر سے اُدھر کو اور اُدھر سے اِدھر کو فریقین اہل معاد و اہل دنیا میں ملتے ہیں اور جاری ہیں۔ اور قرآن کریم و احادیث نبویہ میں بھی اس قسم کی امداد روحانی مُردوں و زندوں میں دائر و سائر ہونے کی بکثرت شہادتیں موجود ہیں۔

یہ تو وہ طریقے امداد کے ہیں جو خدا تعالیٰ نے بتائے ہیں اور خدا کا قانون قدرت بھی اسی امر کا مؤید ہے۔ مگر برعکس ایں بعض نادان اس قانون الٰہی اور خدا کے بتائے ہوئے طریق کو چھوڑ کر طریق امداد کے اُلٹے طور پر پسند کرتے ہیں کہ وہ انبیاء اور صلحاء کو جو اس دنیا سے گذر چکے ہیں کہتے ہیں کہ تم ہمارا فلاں کام کرو۔ فلاں حاجت روا کرو۔ حالانکہ یہ بڑا خطرناک طریق ہے۔ یہ طریق انسان کو اسلام سے خارج کر دیتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا کام انبیاء و اولیاء کے سپرد کرتے ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ انبیاؑ و اولیاء دنیا سے گذر جانے کے بعد ایک خاص قسم کے ملائکہ مدبرات امور کے گروہ میں شامل کئے جاتے ہیں۔ اور وہاں ان کی مثال ان عناصر کی طرح سمجھو جو کہ خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت اپنے اثر ظاہر کرتے ہیں۔ یعنی جیسا کہ آگ بجز امر الٰہی جلاتی نہیں اور پانی بغیر حکم ایزدی بجھاتا اور غرق نہیں کرتا۔ ایسے ہی عالم تجرد و معاد میں انبیاء و اولیاء کا حال ہے کہ وہ بغیر اذن الٰہی کچھ نہیں کر سکتے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ ان کے متعلق فرماتا ہے۔ وَلَا يَسْبِقُوْنَه‘ بِالْقَوْلِ وَ هُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ. وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۔ ترجمہ۔ یعنی وہ خدا تعالیٰ کے آگے کسی بات میں سبقت نہیں کرتے، بلکہ وہ امر الٰہی کی تعمیل کرتے ہیں۔ وہ تو وہی کام کرتے ہیں جس کا ان کو امر ہوتا ہے۔ پس بہت نادان ہے وہ انسان جو آگ و پانی کے خالق کے آگے ہاتھ نہ جوڑے اور براہ راست پانی و آگ کو کہے کہ تم یوں نہ کرو یوں کرو۔ بھلا وہ کب مان سکتے ہیں۔ وہ تو ایسا کریں گے جیسا ان کو امر الٰہی ہوا ہے۔

جو لوگ الٰہی کاموں کی امداد اولیاء و انبیاء سے مانگا کرتے ہیں، ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی یہ قیاس کرے کہ جب کہ باریک سوئی ململ کو سی سکتی ہے، تو ہل کا پھل بطریق اولیٰ جلدی سی سکتا ہوگا۔ یا یوں خیال کرے کہ نبی اور ولی جسم سے الگ ہو کر بعد وفات بطریق اولیٰ ہماری امداد کر سکتے ہیں۔ یا کوئی شخص لوہے کے جہاز و آگبوٹ کو پانی پر تیرتا ہوا دیکھ کر سمجھ لے کہ میں بھی پانی پر لوہا رکھ کر تیر سکوں گا اور پار اتر جاؤں گا۔

اور یہ جو قرآن شریف کی سورہ مائدہ میں وَ ابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ آیا ہے اس کے یہ معنے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی جناب میں اپنی حاجتیں پیش کرو۔ چنانچہ سورہء بنی اسرائیل میں وسیلہ کے معنے خدا تعالیٰ حاجت بیان فرماتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ ۔ ترجمہ۔ یعنی یہ لوگ

جن کو پکارتے ہیں وہ تو خود حاجتیں اپنے رب کے حضور میں مانگتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہ کے ایک شعر میں وسیلہ کے معنے بھی حاجت آئے ہیں۔

کل الرجال لهم اليک وسيلة

ترجمہ۔ یعنی سب لوگ تیرے حضور میں اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں۔ تجربہ ومشاہدہ اس امر پر کافی گواہ ہیں کہ انبیاء واولیاء کی پاک روحیں بجز امر الٰہی کسی کی کچھ امداد وشفاعت نہیں کرسکتیں۔ دیکھو امت نبوی کا صدہا فرقے بن جانا، ان میں فسق وفجور وتنازعات فیما بین کا بکثرت ہونا۔ ان کا اسلام سے خارج ہوکر عیسائیوں ودہریوں کے گروہوں میں شامل ہونا اوران کا آپس میں ایک دوسرے کی تکفیر بازی اوران پر غیر اقوام کا حاکم ہونا اوران کے مذہب اسلام پر آریوں وعیسائیوں کے حملوں کا بکثرت ہونا۔ کیا یہ ایسے امور ہیں جو ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گوارا ہو سکتے ہیں۔ کیا کسی مومن واہل اللہ کو یہ امر پسند ہے۔ کلاّ۔ مگر مسلمانوں نے خدا تعالیٰ کو فراموش کر دیا ہے۔ اسلئے خدا نے ان کو فراموش کر دیا۔ خدا نے ان کو پہلے سے اس بات سے منع کیا تھا۔ مگر انھوں نے وہی کام کیا۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے۔ وَلَاتَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ نَسُو اللّٰہَ فَاَنْسٰھُمْ اَنْفُسَھُمْ اُولٰئِکَ ھُمُ الْفَاسِقُوْنَ۔ ترجمہ۔ یعنی اُن لوگوں کی طرح مت بنو، جنھوں نے خدا تعالیٰ کو بھلا دیا۔ خدا نے بھی ان کو بھلا دیا۔ کیونکہ ایسے لوگ بد عہد ہوتے ہیں۔

میت کی جانب سے روزہ رکھنے اورصدقہ دینے کا راز

نبی علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں۔ **من مات و عليه صوم صام عنه وليه**۔ ترجمہ۔ یعنی جس شخص کے ذمہ کوئی روزہ ہو اور وہ مر جائے، تو اس کی طرف سے اس کا وارث روزہ رکھے۔ اوراسی کے حق میں فرمایا۔ **فليطعم عنه مكان كل يوم مسكينا**۔ ترجمہ۔ یعنی اس کو چاہیئے کہ ہر دن کی جگہ ایک مسکین کو کھانا کھلادے۔ اس لئے کہ دونوں میں سے ہر ایک کے لئے کافی ہونے کا احتمال ہے۔ اور اس میں دو بھید ہیں۔ ایک تو میت کے اعتبار سے۔ کیونکہ بہت سے نفوس جو اپنے ابدان سے مفارقت کرتے ہیں، ان کو اس بات کا ادراک رہتا ہے کہ عبادت میں سے کوئی عبادت، جو ان پر واجب تھی اور اس کے ترک کرنے سے ان سے مؤاخذہ کیا جائے گا، ان سے فوت ہوگئی ہے۔ اس لئے وہ نفوس رنج و الم کی حالت میں رہتے ہیں اوراس سبب سے ان پر وحشت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ ایسے وقت میں ان پر بڑی شفقت یہ ہے کہ لوگوں میں سے جو سب سے زیادہ میت کا قریبی ہے اس کا سا عمل کرے اور اس بات کا قصد کرے کہ یہ عمل اس کی طرف سے کرتا ہوں۔ اس شخص کے قریبی کو مفید ثابت ہوتا ہے یا وہ

شخص کوئی اور دوسرا کام مثل اس کام کے کرتا ہے۔ اور ایسا ہی اگر ایک شخص نے کسی چیز کے صدقہ کرنے کا ارادہ کیا تھا، مگر وہ بغیر صدقہ کے مر گیا، تو اس کے وارث کو اس کی طرف سے صدقہ کرنا چاہیئے۔

استواء وطلوع وغروب آفتاب کے وقت میّت کو دفن کرنا منع ہونیکی حکمت

ا۔ استوائے آفتاب دوزخ کی تپش کا وقت ہے اور قبر منازل اُخروی کی پہلی منزل ہے۔ موت ایک حالت ہے منزل نہیں اور قبر منزل ہے۔ پس اگر میت کو اس وقت دفن کیا جائے، تو وہ آتش کی سوزش مشاہدہ کرتا اور بسا اوقات اس پر اس سے رعب وہیبت چھا جاتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ مومن کا رفیق و مددگار ہے۔ لہٰذا اس نے از روئے رحمت مباح نہیں کیا کہ ہم اس وقت میں اپنے مردوں کو دفن کریں۔

۲۔ طلوع وغروب کے ایسے اوقات ہیں کہ جن میں کفار سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔ اور دوزخ ان کے اس فعل قبیح کے بدلے ان کی گرفت کے لئے پیش قدمی کرتا ہے۔ پس جب میت کو ان اوقات میں دفن کیا جائے، تو بسا اوقات وہ دوزخ کی جھپٹ کو ان شمس پرستوں کی گرفت کے لئے ملاحظہ کرتا ہے اور اس پر رعب چھا جاتا ہے اور وہ گمان کرتا ہے کہ دوزخ میرے لیے جھپٹتا ہے۔ جیسا کہ کوئی راستہ میں چلا جاتا ہو اور جب وہ اپنے پیچھے کسی طالب مہیب الشکل کو آتا دیکھتا ہے، تو اس کی ہیبتناک ڈراونی شکل کو دیکھ کر اس کا دل دہل جاتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ پیچھے آنے والا مجھے ہی پکڑنے کے لئے آرہا ہے، حتیٰ کہ وہ اس کے پاس سے گذر جاتا ہے۔ پس وہ جانتا ہے کہ وہ کسی اور کا طالب و جوئندہ ہے۔ کیونکہ جب کافر غیر اللہ کو سجدہ کرتا ہے، تو دوزخ از روئے غیرت الٰہی غیر اللہ کو سجدہ کرنے کی وجہ سے اس کو پکڑنے کا ارادہ کرتی ہے۔ پس جب وہ اپنا سر سجدہ سے اٹھاتا ہے، تو دوزخ امر الٰہی سے پیچھے ہٹ جاتی ہے کہ شاید یہ سجدہ کرنے والا ایسے فعل سے باز آجائے اور تائب ہو جائے۔ کیونکہ وہ توبہ کے گھر میں ہے۔ اس لئے دوزخ اس تک نہیں پہنچتی۔ پس انسان جب تک زندہ ہو اور کافر ہو، اس کے اسلام لانے کی امید ہے۔ اور اگر مسلمان ہو، تو اس کو خوف کفر ہے، کیونکہ جب تک کسی کو نجات کی بشارت نہ مل چکے اس کے لئے دار دنیا اطمینان کی جگہ نہیں ہے۔

نماز جنازہ میں امام کے لئے میت کے سینہ کے برابر کھڑا ہونے کی وجہ

انسان کے سارے اندام از سر تا پا مکلّف ہیں اور سینہ میں دل ان سب کا حاکم و بادشاہ ہے۔ وہیں سے نیکی و بدی کے حکم صادر ہوتے ہیں۔ پس یہ محل اس لائق ہے کہ امام شافع اس کے پاس برابر کھڑا ہو کر اس کو خدا تعالیٰ کے سامنے کر کے اس کا شفاعت گر ہو۔ پس جب دل کو بخشا جائے تو باقی سب

اعضاء اس کی تبع میں بخشے جاتے ہیں، کیونکہ دنیا و آخرت میں سب اعضاء دل کے تابع ہوتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **ان فی الجسد لمضغة اذا صلحت صلح سائر الجسد و اذا فسدت فسد سائر الجسد الا و ھی القلب** ۔ترجمہ۔یعنی جسم میں ایک بوٹی ہے، جب وہ درست ہو جائے، تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جائے، تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔خبردار وہ یہی دل ہے۔ پس جب دل کے حق میں سفارش قبول ہو جائے تو سارے اعضاء کی قبول ہو جاتی ہے۔

اختتام نماز جنازہ میں دائیں بائیں سلام پھیرنے کی حکمت

امام گویا کہ اس عالم سے نکل کر عالم لاہوت میں بدرگاہ الٰہی شفاعت میت کے لئے حاضر ہوا تھا۔ پس جب اس درگاہ سے فارغ ہو کر آدمیوں و ملائکہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو برسم آئندگان سب کو سلام کرتا ہے، جیسا کہ بالعموم نماز میں کیا کرتا ہے۔اور اس میں بطور فال حسن اس کی جانب سے ان کے اور میت کے حق میں پیغام سلامتی و قبول شفاعت سناتا ہے۔

جاں سفر رفت و بدن اندر قیام　　　　وقت رجعت زاں سبب گوید سلام

نماز جنازہ میں رکوع و سجود و تحیّہ نہ ہونے کی وجہ

ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ نماز جنازہ ایک محض سفارش ہے، جو میت کے لئے کی جاتی ہے۔اور رکوع و سجود کے آثار مؤثرہ و ہیئتیں اس کے برعکس ہیں، کیونکہ رکوع و سجود میں تو اپنے نہایت عجز و انکسار اور خدا تعالیٰ کی بے حد بزرگی و عظمت و جلال کا اظہار کیا جاتا ہے۔اور نماز جنازہ میں خدا تعالیٰ کی تحمید و تسبیح اور دوسرے کے لئے بخشس کا سوال ہوتا ہے، جس کو ہم حقیقت رکوع و سجود میں ظاہر کر چکے ہیں۔اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ نماز جنازہ میں رکوع و سجود میت کے سامنے ہونے کی وجہ سے مقرر نہیں ہوئے یہ بات درست نہیں ہے۔ کیونکہ اگر اس نماز کو رکوع و سجود کے ساتھ مناسبت ہوتی، تو میت کو یکطرف کر کے بھی رکوع و سجود ادا ہو سکتے تھے۔اور نماز جنازہ غائبانہ بھی ہوتی ہے، حالانکہ وہاں میت سامنے نہیں ہوتا۔اور ایسا ہی اس نماز کو تحیّہ سے بھی مناسبت نہیں ہے۔ چنانچہ اس کی وجہ حقیقت تحیّہ نماز میں سے واضح ہوگی، جو دوسری جگہ درج ہے۔

زیارت قبور کا مسنون طریقہ

زیارت قبور کا سنت طریق یہ ہے کہ قبرستان میں جا کر عبرت پذیر ہو۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اکثرو ذکرھادم اللذات ۔ترجمہ۔یعنی لذتوں کے توڑنے والی موت کو بہت یاد کیا کرو۔ اور حسب تعلیم نبویؐ اہل قبور کے لئے دعا کرے۔۔کتاب "مناسک الحج" مطبوعہ مصر صفحہ ۳۹۲ میں لکھا ہے۔ وزیارۃ القبور علی وجھین زیارۃ شرعیة و زیارة بدعیة، فالشرعیة المقصود بها السلام و الدعاء له کما یقصد بالصلوة علی جنازته فزیارته بعد موته من جنس الصلوة علیه فالسنة ان یسلم علی المیت و یدعوله سواء کان نبیّاً او غیر نبی کما کان النبی صلی الله علیه وسلم یامر اصحابه اذ زاروا لقبور ان یقول احدهم السلام علیکم اهل الدیار من المؤمنین و المسلمین و انا انشاء الله بکم لاحقون و یرحم الله المستقدمین منا و منکم والمستاخرین نسال الله لنا و لکم العافیة اللهم لا تحرمنا اجرهم و لا تفتنّا بعد هم واغفرلنا و لهم ۔ترجمہ۔یعنی زیارت قبور دو طریق پر ہے۔ شرعی اور بدعی۔ پس جو زیارت شرعی ہے اس سے مقصود مردہ کو سلام پہنچانا اور اس کے لئے دعا کرنا ہے جیسا کہ مردہ کے لئے جنازہ پڑھا جاتا ہے۔ پس کسی کے مرنے کے بعد اس کی قبر پر جا کر دعا کرنا گویا اس کے لئے ایک قسم کا جنازہ ہے۔ پس سنت طریق یہ ہے کہ میت پر سلام کرے اور اس کے لئے دعا کرے خواہ وہ نبی یا ولی ہو جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو زیارت قبر کے لئے بتایا کرتے تھے کہ جب قبر پر جاؤ تو کہو اے مومنین و مسلمین کے دیار تم پر سلام۔ ہم بھی تم کو پہنچنے والے ہیں اور خدا تعالیٰ ہم اور تم سے پہلوں اور پچھلوں پر رحم کرے۔ ہم اپنے اور تمہارے لئے خدا سے عافیت طلب کرتے ہیں۔ اے اللہ ہم کو ان کے اجر سے محروم نہ کیجیو۔ اور ان کے بعد ہم کو فتنہ میں نہ ڈالیو، بخش دے ہم کو اور ان کو۔ وزیارۃ البدعة ان یکون مقصود الزائر ان یطلب حوائجه من ذالک المیت ۔یعنی بدعت یہ ہے کہ زیارت کرنے والے کا یہ مقصود ہو کہ میت سے اپنی حاجتیں طلب کرے۔

کتاب الزکوٰۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم . الحمد للہ معلی الاسلام و مخزاللئام و الصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد الھادی و المزکی الانام و علی آلہ و اصحابہ و خلفائہ المھدیین الکرام ۔ اما بعد واضح ہو کہ اسلام کی خوبیاں اس سے ہویدا ہیں کہ اس کے احکام بڑی حکمتوں و مصلحتوں پر شامل اور حقائق حقہ و معارف دقیقہ و اسرار انیقہ سے پُر ہیں، جن کی طرف انسانوں کو ان کی بہتری و بہبودی کے لئے دعوت کی گئی ہے۔ اس کے احکام کے ہر لفظ میں انسان کی اصلاح وفلاح کے اشارات و دعوتیں مرکوز ہیں، یعنی ہر حکم الٰہی جیسا ظاہر میں اپنی تعمیل و امتثال کے لئے انسان کو دعوت کرتا ہے، ایسا ہی اپنے باطنی فوائد و منافع کی طرف راہنما ہے۔

عقول سلیمہ ہر وقت احکام الٰہی کے آگے سر تسلیم خم کرنے کو تیار ہیں۔ مگر طبائع زائغہ یعنی وہ نفوس انسانی، جن میں شیطانی سرشت کا مادہ زیادہ ہے، وہ بباعث مرض و اختلال طبع اگر اسلامی احکام کی شیرینی وحلاوت کو کڑوا کہہ دیں اور ان پر اعتراض کریں تو جائے تعجب نہیں اور نہ اس سے اسلام کا کچھ بگڑ سکتا ہے۔ بلکہ مقابلہ ضدین سے انوار صداقت زیادہ تر درخشان اور ظاہر و باہر ہوتے ہیں اور اس عالم میں خدا تعالیٰ نے قانون قدرت اسی طرح جاری کیا ہے کہ مقابلہ ضدّین سے ہر چیز کے جوہر و حقیقتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

مقابلہ ضدین منظوم

فلو لا اللیل ما کان النھار — و لو لا النور ما وجد النھار

فلو لا الصید ما نفر الغزال — و لو لا الصد ما عذب الوصال

و لو لا الشرع ما ظھر القیود — و لو لا الفطر ما ارتقب الھلال

و لو لا الجوع ما ذبلت شفاہ — و لو لا الصوم ماکان الوصال

و لو لا الکون ما انفطرت سماء — و لو لا العین ما دکت جبال

ولو لا ماابان الرشد غیا — لما عرفت ھدایۃ او ضلال

و لا کان النعیم بکل شیء — و لا حکم الجلال و لا الجمال

ترجمہ۔ اگر رات نہ ہوتی، تو دن بھی نہ ہوتا اور اگر نور نہ ہوتا، تو صبح کی تر و تازگی بھی نہ ہوتی۔ اگر

شکار کا کسب ورواج نہ ہوتا، تو ہرن نہ ڈر کر بھاگتے۔ اور اگر عشق وشیفتگی نہ ہوتی، تو وصال وملاپ لذت نہ دیتا۔ اگر شریعت نہ ہوتی، تو پابندیاں ظاہر نہ ہوتیں۔ اگر افطار نہ ہوتا، تو ہلال کا انتظار نہ کیا جاتا۔ اگر بھوک نہ ہوتی، تو ہونٹ پژمردہ وخشک نہ ہوتے۔ اگر روزہ نہ ہوتا، تو (اس کے پورا ہونے کا) وصال بھی نہ ہوتا۔ اگر جہان نہ ہوتا، تو آسمان نہ کھلتے۔ اگر چشمے نہ پائے جاتے، تو پہاڑ ریزہ ریزہ نہ ہوتے۔ اگر گمراہی سے ہدایت ظاہر نہ ہوتی، تو ہدایت اور گمراہی کی شناخت نہ ہوتی۔ اور ہر چیز میں قدر نعمت نہ ہوتا اور نہ جلال و جمال میں کوئی حکم ہوتا۔

نظم

گر نبودے در مقابل روئے مکروہ و سیاہ   کس چہ دانستے جمال شاہد گلفام را
گر نیفتادے بخصمے کار در جنگ و نبرد   کے شدے جوہر عیاں شمشیر خوں آشام را
روشنی را قدر از تاریکی است و تیرگی   و از جہالتہا است عزو وقر عقل تام را

وجہ تسمیہ زکوٰۃ وصدقہ

لفظ زکوٰۃ تزکیہ سے نکلا ہے، جس کے معنے پاک کرنے کے ہیں۔ اور زکوٰۃ کے معنے پاکی ونمو وترقی کے ہیں۔ چونکہ زکوٰۃ انسان کے لئے بخل وگناہ وعذاب سے پاکی ورہائی وطہارت کی موجب وترقی مال وطہارت دل کا باعث ہے، لہٰذا اس فعل کا نام زکوٰۃ ہوا۔ اسی طرف خدا تعالیٰ قرآن کریم میں اشارہ فرماتا ہے۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا ۔ ترجمہ۔ یعنی اے نبی لوگوں کے مالوں سے صدقہ لے لو، کیونکہ یہ امر ان کی طہارت و پاکیزگی کا باعث ہوگا۔ اس فعل کا نام صدقہ اس لئے ہوا کہ یہ فعل صدقہ دینے والے کے ایمان کی تصدیق کرتا ہے۔ اور اس کی قلبی حالت صدق وصفائی نیت کی علامت ہے۔

ایں زکوٰۃ و ہدیہء و ترک حسد   ہم گواہی دادن است از سرِّ خود
خوانِ مہمانی پئے اظہار راست   کاے مہاں ما باشما ہستیم راست
ہدیہ ہا و ارمغان و پیشکش   شد گواہ آنکہ ہستم با تو خوش
ایں نماز و روزہ و حج و جہاد   ہم گواہی دادن است از اعتقاد
قول و فعل آمد گواہاں ضمیر   زیں دو بر باطن تو استدلال گیر
چوں ندارد سیر صورت در دروں   بنگر اندر بول رنجور از بروں

فعل و قول آں بول رنجوراں بود　　　　که طبیب جسم را برہاں بود

زکوٰۃ کا نام اس لئے زکوٰۃ ہے کہ انسان اس کی بجا آوری سے یعنی اپنے مال کو، جو اس کو بہت پیارا ہے، للہ دینے سے بخل کی پلیدی سے پاک ہو جاتا ہے۔ اور جب بخل کی پلیدی، جس سے انسان طبعاً بہت تعلق رکھتا ہے، انسان کے اندر سے نکل جاتی ہے، تو وہ کسی حد تک پاک بن کر خدا سے، جو اپنی ذات میں پاک ہے، ایک مناسبت پیدا کر لیتا ہے۔

کوئی اس پاک سے جو دل لگاوے　　　　کرے پاک آپکو تب اسکو پاوے

جب انسان خدا تعالیٰ کے لئے اپنے اس مال عزیز کو ترک کرتا ہے، جس پر اس کی زندگی کا مدار اور معیشت کا انحصار ہے اور جو محنت اور تکلیف اور عرق ریزی سے کمایا گیا ہے، تب بخل کی پلیدی اسکے اندر سے نکل جاتی ہے اور اس کے ساتھ ہی ایمان میں بھی ایک شدت اور صلابت پیدا ہو جاتی ہے۔

محنت سے کمایا ہوا اپنا مال محض خدا کی خوشنودی کے لئے دینا یہ کسب خیر ہے، جس سے وہ نفس کی ناپاکی، جو سب ناپاکیوں سے بدتر ہے یعنی بخل، دور ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ حالت، جو بخل سے پاک ہونے کے لئے اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرنا اور اپنی محنت سے حاصل کردہ سرمایہ محض للہ دوسرے کو دینا، ایک ترقی یافتہ حالت ہے اور اس میں صریح اور بدیہی طور پر بخل کی پلیدی سے پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ اور خدائے رحیم و کریم سے تعلق بڑھتا ہے، کیونکہ اپنے مال عزیز کو خدا کے لئے چھوڑنا نفس پر بھاری ہے، اس لئے اس زیادہ تکلیف اٹھانے کے کام سے خدا سے تعلق بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ اور بجائے ایک مشقت کا کام بجالانے کے ایمانی شدت اور صلابت بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔

تعریف زکوٰۃ

ا۔ زکوٰۃ کیا ہے؟ **یؤخذ من الامراء و یرد الیٰ الفقراء** ۔ یعنی زکوٰۃ کا مال امراء سے لے کر فقراء کو دیا جاتا ہے۔ اس میں اعلیٰ درجہ کی ہمدردی سکھائی گئی ہے۔ اس طرح سے باہم گرم سرد ملنے سے مسلمان سنبھل جاتے ہیں۔ امراء پر یہ فرض ہے کہ وہ ادا کریں۔ اگر نہ بھی فرض ہوتا، تو بھی انسانی ہمدردی کا تقاضا تھا کہ غرباء کی امداد کی جائے۔

انسان میں ہمدردی اعلیٰ درجہ کا جوہر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لَنۡ تَنَالُوۡا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ** ۔ یعنی تم ہرگز نیکی کو حاصل نہیں کر سکتے، جب تک اپنی پیاری چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو۔

یہ طریق اللہ کو راضی کرنے کا نہیں ہے کہ مثلاً کسی ہندو کی گائے بیمار ہو جائے اور وہ کہے اچھا

اسے منس دیتے ہیں۔ بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ باسی اور سڑی بُسی روٹیاں، جو کسی کام نہیں آ سکتی ہیں، فقیروں کو دے دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے خیرات کر دی ہے۔ ایسی باتیں اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں ہیں اور نہ ایسی خیرات مقبول ہو سکتی ہے۔ وہ تو صاف طور پر فرماتا ہے۔ **لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْن**۔ درحقیقت کوئی نیکی نیکی نہیں ہو سکتی، جب تک اپنا پیارا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس کے دین کی اشاعت اور اس کی مخلوق کی ہمدردی کے لئے خرچ نہ کریں۔

یہ مت خیال کرو کہ خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے سے تم مفلس یا محتاج ہو جاؤ گے۔ یا کہ اپنی جان کو اس کی راہ میں لگانے سے وہ تم کو عوض سے محروم رکھے گا۔ نہیں نہیں، وہ بڑا جواد اور کریم ہے۔

ناں دہی از بہر حق نانت دہند　　جاں دہی از بہر حق جانت دہند
گر بریزد برگ ہائے ایں چنار　　برگ بے برگیش بخشد کردگار
گر نماند از جود در دست تو مال　　کے کند فضل الٰہت پائمال

خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبِهِمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِنَ اللهِ**۔ ترجمہ۔ یعنی زکوٰۃ جو ہے سو حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور اس کام پر جانے والوں کا اور جن کا دل پرچانا ہے اور گردن چھڑانے میں (غلاموں اور قیدیوں کا چھڑانا) اور جو تاوان بھریں اور خدا کی راہ میں اور راہ کے مسافر کو یہ ٹھہرا دیا ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے۔

ہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم بنو ہاشم پر زکوٰۃ اور صدقہ حرام ہے۔ ان کو جائز نہیں کہ ان مشنری چندوں سے کچھ لیں۔ گو کیسے ہی غریب اور مسکین ہوں۔ منصفو، یہ استثناء بھی قابل غور ہے۔ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچے تھے، تو آپ نے صدقے کی کھجوروں میں سے ایک کھجور اٹھائی اور چاہا کہ منہ میں ڈالیں۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے زور سے منع فرما دیا اور منہ سے نکلوا دی۔

حرام مال سے زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہونے کا راز

بعض لوگ زکوٰۃ تو دیتے ہیں، مگر اس بات کا کچھ خیال نہیں کرتے کہ یہ روپیہ حلال کی کمائی ہے یا حرام کی کمائی سے ہے۔ دیکھو اگر ایک کتا ذبح کیا جائے اور اس کے ذبح کرنے کے وقت اللہ اکبر بھی کہا جائے۔ اور ایسا ہی ایک سؤر لوازمات ذبح کے ساتھ مارا جائے، تو کیا وہ کتا یا سؤر حلال ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں۔ وہ تو بہر حال حرام ہے۔ زکوٰۃ تو تزکیہ سے نکلی ہے۔ اس کے ذریعہ انسان کا دل اور مال پاک ہو جاتا ہے۔ اور جو مال حرام ہو، اس کا نتیجہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔

لقمہ تخم است و برش اندیشہا	لقمہ بحر و گوہرش اندیشہا
ہیچ گندم کاری و جو بر دہد	دیدہء اسپے کہ کرہ خر دہد
زائد از لقمہ حلال اندر دہاں	میل خدمت عزم رفتن آنجہاں
زائدازلقمہ حلال اے مہ حضور	در دل پاک تو و در دیدہ نور
لقمہء کاں نور افزود و کمال	آں بود آوردہ از کسب حلال
علم وحکمت زائدازلقمہ حلال	عشق رقّت زاید از لقمہ حلال
چوں زلقمہ تو حسد بینی دوام	جہل وغفلت زاید آنرا داں حرام

انسان حلال روزی حاصل کرتا ہے اور پھراس کو دین کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ انسانوں میں غلطیاں بہت ہوتی ہیں۔ ارکان اسلام نجات دینے کے واسطے ہیں۔ مگر انسان اپنی غلطیوں سے کہیں کے کہیں چلے جاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کھرے سونے کی بجائے پیتل لیجائے ،تو وہ پکڑا جائے گا اور اس کو ہتھکڑی لگائی جائے گی اور قید خانے میں ڈالا جائے گا۔ جو شخص خدا کو چاہتا ہے، وہ تمام دنیاوی خواہشات سے عاری ہوجائے اور نفسانی حرص وہوائے ناجائز کو چھوڑ دے۔

حقیقت زکوٰۃ دل

زکوٰۃ کے معنے لغت میں زیادتی وترقی کے ہیں، چنانچہ کہتے ہیں زکی الشئی یعنی وہ چیز بڑھ گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ صَدَقَۃً تُطَھِّرُ ھُمْ وَ تُزَکِّیْھِمْ بِھَا ۔ترجمہ، یعنی اے نبی لوگوں کے مالوں سے صدقہ لے۔ ان کو اس صدقہ کے ذریعے پاکی وترقی وتزکیہ حاصل ہوگا۔

خدا نے اس آیت میں دونوں باتیں، طہارت اور زکوٰۃ، جمع فرمائی ہیں۔ کیونکہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رہتی ہیں۔ برائیوں اور گناہوں کی ناپاکی دل میں ایسی ہے، جیسے نکمے اخلاط بدن میں یا گھاس کھیتی میں یا میل سونے چاندی وغیرہ میں۔ تو جیسے بدن بُری خلطوں سے جب خالی ہوجاتا ہے، تو قوت طبعی صاف ہوجاتی ہے اور آرام پاکر بے روک ٹوک اپنا کام کرنے لگتی ہے اور بدن بڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب دل توبہ کے باعث گناہوں سے صاف ہوتا ہے اور گناہوں کے ملاپ سے خالص بن جاتا ہے، تو دل کا ارادہ ان کشاکشوں اور خراب مادوں سے علیحدہ ہوکر محض خیر کے لئے ہوجاتا ہے اور دل بڑھتا اور زور پکڑتا ہے اور اپنے تخت سلطنت پر بیٹھ کر اپنی رعیت میں حکم جاری کرتا ہے۔ اس وقت رعیت اس کا حکم سنتی اور مانتی ہے۔ غرضکہ دل کی زکوٰۃ کی کوئی سبیل بدوں اس کی طہارت کے نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْ مِنْ اَبْصَارِھِمْ وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَھُمْ ذَالِکَ اَزْکٰی

لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا یَعْمَلُوْن ۔ترجمہ۔یعنی اے نبیؐ مومنوں کو کہہ دے کہ اپنی آنکھیں نیچے کر لیں اور فروج کو نگاہ میں رکھیں۔ یہ بات ان کے لئے پاکی کا موجب ہو گی۔ خدا تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔اس آیت میں خدا تعالیٰ نے زکوٰۃ کو آنکھ کے بند کرنے اور شرمگاہ پر نگاہ رکھنے پر موقوف فرمایا۔یہی وجہ ہے کہ محارم سے آنکھ کو نیچے رکھنے سے انسان کو تین بڑے بڑے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ ایمان کی حلاوت اور اس کی وہ لذت کہ جس چیز سے اپنی آنکھ پھیر لی جاتی ہے اور اس کو خدا کے لئے چھوڑ دیا ہے اس کی نسبت زیادہ مزہ دار ہے۔اس لئے کہ جو شخص کسی چیز کو خدا کے لئے چھوڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عوض میں اس کو بہتر عنایت فرماتا ہے۔انسان کا نفس اچھی صورتوں کے دیکھنے پر بڑا حریص ہوتا ہے۔ اور آنکھ دل کے لئے امام ہے۔دل اس کو دیکھنے کے لئے بھیجتا ہے۔پس جب وہ خوبصورت چیز کی خبر دل کو دیتی ہے،تو دل میں حرکت اور اشتیاق پیدا ہوتا ہے۔

لوگ بادشاہوں کے دروازوں پر عزت ڈھونڈتے ہیں۔مگر عزت صرف خدا تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری میں ملتی ہے۔حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ گناہگاروں کے گھوڑوں کے قدم بھی سونے کے ہوں مگر گناہوں کی ذلت ان کے دل میں ہے۔خدا تعالیٰ اپنے نافرمانوں کی رسوائی کے بغیر اور کچھ نہیں چاہتا۔

دعا قنوت میں ہے کہ الٰہی جس کا تو والی ہو، وہ رسوا نہیں۔اور جس سے تو دشمنی کرے، وہ عزت نہیں پاتا۔الغرض دل کا ترقی کرنا اس کی طہارت پر منحصر ہے۔جیسے بدن کی زیادتی نکمی خلطیں بدن سے نکالنے کے بغیر نہیں ہوتی۔ایسا ہی ترقی دل بغیر طہارت دل حاصل نہیں ہو سکتی۔خدا تعالیٰ حرمت زنا وغیرہ کے بعد فرماتا ہے۔وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ مَازَكیٰ مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَاءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۔یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تزکیہ دل حرام کاری سے بچنے سے ہوتا ہے۔ایک اور جگہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ گھر والوں سے اجازت لینے کے بعد ان کے پاس جاؤ۔وہ آیت یہ ہے۔وَاِنْ قِیْلَ لَكُمْ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكیٰ لَكُمْ۔یعنی اگر تم کو کہا جائے کہ پھر جاؤ،تو پھر جاؤ۔یہ تمہاری پاکیءدل کا موجب ہوگا۔

اسلامی زکوٰۃ کا مقابلہ مسیحی زکوٰۃ سے

تارک الدنیا ہادی بنی اسرائیل اور ان کے گھرانے کا خاتم حضرت مسیح السلام زکوٰۃ کی نسبت فرماتے ہیں۔"مال اپنے لئے آسمان پر جمع کر، جہاں نہ کیڑا نہ مورچہ خراب کرے نہ چور سیندھ دے۔ جہاں مال وہاں دل ہے"۔(متی ٦ باب ۲۰۔۲۱۹)

ایک دولتمند نے حضور کے پاس رہنا اور خدائی بادشاہت میں داخل ہونا چاہا۔ اسے حضرت مسیح علیہ السلام حکم دیتے ہیں۔ "تمام مال و اسباب دے ڈال، تب میرے ساتھ رہ"۔ (متی ۱۵۔ باب ۱۶۔۲۴)۔ وہ بے چارہ باوجود شوق داخل نہ ہوسکا۔ انسانی فطری کمزوری نے روک لیا۔ غور کرو کیا تمام لوگوں کے ایسے حوصلے ہوتے ہیں، جیسی حضرت مسیحؑ کی خواہش ہے۔

تعجب ہے اتنے بڑے دولتمند اور بادشاہ عیسائی، جو برسوں کا فکر آج کر رہے ہیں، کیسے الٰہی بادشاہت میں داخل ہوں گے۔ اونٹ کا سوئی کے ناکے سے نکلنا آسان ہے۔ اور دولتمند کا خدا کی بادشاہت میں داخل ہونا محال۔ (متی ۱۹۔ باب ۲۴)

حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم خاص وقت اور خاص محل پر اور خاص طبائع میں بلا ریب مؤثر ہے اور بعض طبائع کو پسند اور پیاری معلوم ہوسکتی ہے۔ مگر ہر حال اور ہر ایک کے لئے اس تعلیم کا خدا کی طرف سے حکم ہو، قانون فطرت کی گواہی اور عمل درآمد سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ البتہ فطرت کے مطابق کہا جب قرآن کریم نے کہا۔ **وَ لَاتَجْعَلْ یَدَکَ مَغْلُوْلَۃً اِلٰی عُنُقِکَ وَ لَا تَبْسُطْھَا کُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْماً مَحْسُوْرًا** ۔ ترجمہ۔ یعنی نہ تو اپنے ہاتھ کو گردن سے باندھ دے اور نہ اس کو سرے سے کھول دے۔ وگرنہ تم بیٹھے ہو گے خود الزام کھائے ہوئے۔ **یَسْئَلُوْنَکَ مَا ذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ** ۔ ترجمہ۔ یعنی تجھ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں، تو کہو کہ جو حاجت سے بڑھ کر ہو۔

حکمت تعیین زکوٰۃ

۱۔ لفظ زکوٰۃ خود اس امر کی طرف ایماء کرتا ہے کہ اس فعل میں تزکیہ وطہارت ملحوظ ہے۔ سو وہ زیادہ تر فاعل زکوٰۃ کے لئے ہے۔ زکوٰۃ دینا اس لئے مقرر ہوا کہ اس سے غربا کی پرورش و حاجتمندوں کی کاربراری، رفع عادت بخل و دفع عذاب و ترقی و پاکی مال فاعل زکوٰۃ ہو۔ چنانچہ اس کے بالمقابل زکوٰۃ نہ دینے والوں کے حق میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ھُوَ خَیْرٌ لَّھُمْ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ** ۔ ترجمہ۔ وہ لوگ جو ان نعمتوں میں بخل کرتے ہیں، جو خدا نے اپنے فضل سے ان کو دی ہیں، یہ ہرگز خیال نہ کریں کہ یہ ان کے حق میں اچھا ہے بلکہ برا ہے۔ قیامت کے روز یہ چیزیں، جس کا انہوں نے بخل کیا، ان کے گلے کا طوق ہوں گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اشیاء کی ارواح ان کی معانی کے موافق متمثل ہوتی ہیں۔ چنانچہ عالم معاد میں دولت کی محبت سانپ کی صورت میں متمثل ہوگی یا وہ اموال مضر صورتوں میں اس کے سامنے متمثل ہوں گے۔

۲۔ لوگوں کو خدا تعالیٰ سے محبت کرنے کا امر ہے اور کوئی مومن ایسا نہیں ہے کہ وہ محبت خدا کا

دعویدار نہ ہو۔ لہٰذا لوگوں کے دعویٰ کی آزمائش ایک نشان و برہان کے ساتھ کرنی پڑی تاکہ ہر کوئی بے حاصل دعویٰ کے ساتھ مغرور اور فریفتہ نہ ہو۔ پس مال، جو آدمی کی محبوبات میں سے ہے، اس کے ساتھ اس کی آزمائش کی گئی۔ اور کہا گیا کہ اگر تم محبت خدا میں صادق ہو، تو اس کے لئے اپنا ایک محبوب قربان کر دو، تاکہ تم کو خدا کی دوستی میں اپنا مرتبہ معلوم ہو۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ **اخبرهم ان الله تعالیٰ فرض عليهم صدقة تؤخذ من اغنيائهم فترد على فقرائهم** ۔ ترجمہ۔ ان کو بتادے کہ خدا نے ان پر صدقہ دینا فرض کیا ہے۔ مالداروں سے لیا جائے اور غریبوں کو دیا جائے۔

جب کسی مسکین کو کوئی حاجت پیش آتی ہے اور وہ زبان قول یا حال سے اس کے لئے خدا کے حضور میں گریہ وزاری کرتا ہے، تو اس کا یہ عاجزی کرنا خدا تعالیٰ کی بخشش کے دروازے کو کھول دیتا ہے۔ اور اس وقت مقتضائے مصلحت اکثر یہ ہوتا ہے کہ کسی زکی شخص کو الہام ہوتا ہے کہ اس کی حاجت رفع ہو جائے۔ تب الہام اس پر چھا جاتا ہے۔ اس کے موافق خدا کی خوشنودی پیدا ہوتی ہے اور اوپر سے نیچے سے دائیں اور بائیں سے برکتیں اس پر نازل ہوتی ہیں اور وہ قابل رحمت الٰہی ہو جاتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ایک روز مجھ سے ایک مسکین نے اپنی حاجت ظاہر کی۔ وہ اسکی وجہ سے مضطر ہو رہا تھا۔ تب میں نے اپنے دل میں الہام کی آہٹ پائی۔ گویا خدا تعالیٰ مجھ کو حکم دیتا تھا کہ میں اسکو کچھ دے دوں اور اسکی حاجت براری میں امداد کروں۔ وہ الہام مجھ کو بشارت دیتا تھا کہ دنیا و آخرت میں اسکا بڑا اجر ملے گا۔ میں نے اس مسکین کی حاجت براری کرائی اور میں نے اپنے پروردگار کے وعدہ کا سچا ہونا دیکھ لیا۔ اس غریب کا جودِ الٰہی کے دروازہ کو کھٹکھٹانا اور الہام کا پیدا ہو کر میرے دل کا اس روز اسکو اختیار کر لینا اور اسکے بعد اجر کا ظاہر ہونا، یہ سب امور آنکھ کے سامنے مجھے عیاں ہوئے۔ اکثر کسی موقعہ پر خرچ کرنا رحمت الٰہی کے نازل ہونے کا باعث ہوا کرتا ہے۔ جب ملاء اعلیٰ کی خواہش کسی کتاب یا کسی قوم یا کسی انسان کے مشہور و معزز کرنیکے لئے طے ہو جاتی ہے، تو جو شخص اسکے کام چلانے کے درپے ہوتا ہے، اس پر رحمت الٰہی کے فوارے چھوٹ جاتے ہیں۔ خاکسار راقم الحروف نے اس بات کو کئی بار ملاحظہ کیا۔ یہ اس طرح ہوتا کہ تنگ حالی میں جب خدا کو کسی مفلس گروہ کا زندہ رکھنا مقصود ہوتا ہے تب سچے خبر دینے والے پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موجب جو شخص ایسی تنگ حالی پر خیرات کریگا اسکا عمل مقبول ہو جائے گا۔ ان امور کو جب کوئی شخص سن کر اپنی دلی بشارت سے حکم الٰہی کو مانتا ہے اور اسکی تعمیل کرتا ہے تو وہ خدا تعالیٰ کے وعدہ کو سچا پاتا ہے۔

۳۔اکثر آدمی سمجھ جاتے ہیں کہ مال کی محبت وبخیلی کرنا ان کے حق میں مضّر ہوگا اور ان کو مقصود راہ سے باز رکھے گا۔اس لئے ان کو اس خیال سے نہایت تکلیف ہوتی ہے۔اس تکلیف کو وہ اس طرح دفع کرتے ہیں کہ اپنی نہایت محبوب چیزوں کے صَرف کرنے کی مشق کرتے ہیں۔اس وقت خرچ کرنا ہی ان کے حق میں مفید ہوتا ہے۔اگر وہ صَرف نہ کرتے تو محبت مال اور بخیلی کی خُو اسی طرح ان میں باقی رہ جاتی اور عالمِ معاد میں ان کو مضر صورتوں میں تکلیف دیتی۔چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَ الْفِضَّۃَ وَ لَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْ ھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتَکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَ جُنُوْبُھُمْ وَ ظُھُوْرُھُمْ. ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ ۔ترجمہ۔جولوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اس کو راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے، ان کو عذاب سخت کی خبر دیدے۔قیامت کے روز دوزخ کی آگ اس سونے اور چاندی پر دہکائی جائے گی۔پھر اس کے ساتھ ان کی پیشانیوں اور کروٹوں و پشتوں کو داغ دیں گے اور ان کو کہیں گے کہ یہ وہ سونا اور چاندی ہے کہ جو تمہارے پاس موجود تھا اور باوجود ضرورت امداد اسلام تم نے اس کو خرچ نہ کیا اور اپنے لئے جمع رکھا۔اب چکھو اس کو جمع رکھنے کے مزے۔

۴۔بسا وقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی شخص کے مرجانے کا حکم عالم مثال میں قرار پاجاتا ہے کہ اتنے میں وہ بہت سا مال راہ خدا میں صرف کرتا ہے، تو اسکی ہلاکت صَرفِ مال سے پھر جاتی ہے۔راقم حروف نے اس قدرت الٰہی کا کرشمہ ۱۳۱۶ھ میں قاضی فتح احمد مرحوم رئیس گوندل ضلع اٹک کی حالت میں مشاہدہ کیا۔میں نے دیکھا کہ اس کی موت قریب تر آ پہنچی ہے کہ یکدم اس کے دل میں راہ خدا میں مال خرچ کرنے کا القا ہوا۔اس نے مال دینا شروع کر دیا۔یہ صبح کے وقت کی بات ہے۔ظہر کو دیکھا کہ اس کی موت پھر گئی اور وہ کئی سال تک زندوں میں شمار ہوگیا۔قریباً چھ سال تک زندہ رہ کر اب فوت ہوگیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **لا یرد القضاء الا الدعاء و لا یزید فی العمر الا البــــرّ** ۔ترجمہ۔یعنی قضا کو دعا ہٹا دیتی ہے اور نیکی سے عمر بڑھ جاتی ہے۔راہ خدا میں مال دینا اور غربا وَ مساکین سے مواسات کرنا حالی دعا ہے۔اس کو دفع بلیات و رفع درجات میں بڑا دخل ہے۔

۵۔آدمی اکثر طبیعت کے غلبہ سے کوئی برا کام کر لیتا ہے۔پھر اس کی برائی معلوم کر کے نہایت شرمندہ ہوتا ہے، لیکن طبیعت پھر غالب آجاتی ہے اور اس کام کو پھر کرتا ہے۔ایسے نفس کا علاج یہی ہے کہ اپنے فعل کے تاوان کے لئے بہت سا مال صرف کرے، تاکہ یہ نقصان اس کے پیش نظر رہے اور پھر آیندہ ایسے کام سے اس کو روکے۔

۶۔ زکوٰۃ دینے کا فعل اور اس کے آثار مؤثرہ ظاہر کر رہے ہیں اور ہر مزاج سلیم میں یہ بات مرکوز ہے کہ یہ فعل کرنے سے بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی ہوتی ہے۔ یہ ایسی خصلت ہے جس پر بہت سے اخلاق موقوف ہیں، جن کا انجام لوگوں کے ساتھ خوش معاملگی ہے۔

۷۔ جس شخص میں ہمدردی بنی نوع نہیں ہوتی، اس کے اندر نہایت نقصان ہوتا ہے، جس کی اصلاح اس پر واجب ہے۔ اور وہ غربائے بنی نوع انسان کو مال دینے سے ہوتی ہے۔

۸۔ زکوٰۃ اور صدقات گناہوں کو دور کرنے اور برکات کو زیادہ کرنے کے بزرگ ترین ذرائع و اسباب ہیں۔

۹۔ شہر کے اندر بالضرور ہر قسم کے لوگ ناتواں اور حاجتمند وغیرہ ہوتے ہیں اور یہ حوادث آج ایک پر اور کل دوسرے پر ہوتے رہتے ہیں۔ پس اگر رفع فقر اور حاجت کا طریقہ ان میں نہ پایا جائے، تو ضرور وہ ہلاک ہو جائیں اور بھوکے مر جائیں۔

۱۰۔ شہر کے انتظام کے لئے ایسے مال کا ہونا ضروری ہے، جس کے اندر محافظین اور مدبرین اور حکام کی معاش کا مدار ہو۔ اور چونکہ وہ لوگ اس شہر کے کارکن اور اس کے حق میں نفع پہنچانے والے ہوتے ہیں اور اس کے سبب سے کچھ روزگار نہیں کر سکتے، لہٰذا ضروری ہوا کہ ان کی معاش اس شہر سے حاصل کی جائے۔ اور خاص خاص لوگ ان کے خرچ کے بسہولت متکفل نہیں ہو سکتے یا تحمل ہی نہیں کر سکتے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ رعایا کے مال میں سے کچھ حصہ مقرر کیا جائے۔ چونکہ اس سے زیادہ سہل تر مصلحت کے موافق کوئی طریقہ نہ تھا کہ ایک مصلحت کو دوسری مصلحت کے ساتھ شامل کر دیا جائے، لہٰذا شارع نے ایک کو دوسرے میں داخل کر دیا۔

وجہ تخصیص مقادیر نصاب زکوٰۃ اشیائے متفرقہ

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ **لیس فیما دون خمسة اوسق من التمر صدقة و لیس فیما دون خمسة اواق من الورق صدقة و لیس فیما دون خمس ذود من الابل صدقة**۔ ترجمہ۔ یعنی پانچ وسق سے کم چھوہاروں میں صدقہ نہیں ہے اور نہ پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں صدقہ ہے اور نہ پانچ اونٹوں سے کم میں صدقہ ہے۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ تو پانچ اوقیئے دوسو درہم یعنی دوسو روپیہ ہوا۔ پس ہر چالیس روپیہ میں ایک روپیہ زکوٰۃ دینے کا حکم ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔ **من کل اربعین درهما درهما**۔ یعنی ہر چالیس روپیہ سے ایک روپیہ دینا چاہیئے۔ اب ہم ہر چیز کی مقدار کی وجہ خصوصیت کو علیحدہ علیحدہ ذیل میں لکھتے ہیں۔

چھوہاروں کا نصاب زکوٰۃ پانچ وسق مقرر ہونے کی وجہ

چھوہاروں میں پانچ وسق کی مقدار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے مقرر فرمائی کہ یہ مقدار چھوٹے سے چھوٹے کنبے کے لئے ایک سال تک کافی ہوسکتی ہے۔اس واسطے کہ کم سے کم گھر میں ایک خاوند اور ایک بیوی اور ایک خدمتگار یا ان کا بچہ ہوتا ہے۔اور جو اس کے قریب قریب ہو، وہ بھی اسی قسم ہے ہے۔اور اکثر ایک آدمی کی خوراک ایک رطل یا ایک مدّ ہوتی ہے۔

چاندی کا نصاب پانچ اوقیہ یعنی دوسو روپیہ مقرر کرنے کی وجہ

چاندی کی مقدار پانچ اوقیہ یعنی دوسو روپیہ اس واسطے مقرر فرمائی کہ یہ مقدار بھی چھوٹے سے چھوٹے کنبہ کو، بشرطیکہ اکثر ملکوں میں غلہ کا نرخ قریب قریب ایک جیسا ہو، پورے ایک سال کے لئے کافی ہوسکتی ہے۔اور معتدل ملکوں میں تلاش کرنے سے لوگوں کی عادات کا گرانی اور ارزانی میں یہ حال معلوم ہوسکتا ہے۔چاندی کی زکوٰۃ چالیسواں حصہ ہے۔پس ایک سو نوے درہم چاندی ہو، تو اس پر کچھ زکوٰۃ دینی نہیں پڑتی۔

پانچ اونٹوں کی مقدار میں نصاب زکوٰۃ مقرر ہونے کی وجہ

اونٹ کا نصاب پانچ کی تعداد مقرر کیا گیا۔اور ان پانچ کی زکوٰۃ ایک بکری واجب کی گئی۔ اگر چہ فی الحقیقت جس جنس کا مال ہو اسی قسم کا مال زکوٰۃ میں لینا چاہیئے اور نیز زکوٰۃ کا نصاب ایک مقدار کثیر مقرر کرنی چاہیئے۔کیونکہ اونٹ سب مواشی میں ایک عظیم الجثہ اور بڑا نفع پہنچانے والا جانور ہے۔ خواہ اس کو ذبح کر کے کھاؤ، خواہ اس پر سواری کرو۔دودھ پیو، خواہ اس سے بچے لو۔اور اس کے بال اور کھال سب کام میں آتے ہیں۔

زمانہ سابق میں ایک اونٹ دس اور کوئی آٹھ اور کوئی بارہ بکریوں کے برابر سمجھا جاتا تھا، جیسا کہ بہت سی احادیث میں وارد ہوا ہے۔اس واسطے پانچ اونٹ بکریوں کا ادنی نصاب کے برابر سمجھے گئے اور ایک بکری ان کی زکوٰۃ سمجھی گئی۔

یہ بات متواتر مسلمانوں میں چلی آتی ہے کہ پانچ اونٹ کی زکوٰۃ ۲۴ تک ایک بکری ہے اور ۲۵ اونٹ کی ۳۵ تک بنت مخاض ہے (اونٹ کا وہ بچہ جو ایک برس سے نکل کر دوسرے میں پاؤں رکھے) اور ۳۶ سے ۴۵ تک بنت لبون دینا پڑتا ہے (بنت لبون اونٹ کا وہ بچہ جو تیسرے برس میں ہو) ۴۶۔۶۰ تک ایک حقہ دینا پڑتا ہے (حقہ اونٹ کا وہ بچہ ہے جو چوتھے برس میں ہو) اور ۶۱ سے ۷۵ تک جذعہ ہے

(جذعہ اونٹ کا وہ بچہ ہے جو پانچویں برس میں ہو) اور ۷۶ سے ۹۰ تک دو بنت لبون ہیں اور ۹۱ سے ۱۲۰ تک دو حقے ہیں۔ اور ۱۲۰ سے آگے ہر ۴۰ اونٹوں پر ایک بنت لبون اور ہر ۵۰ پر ایک حقہ ہے۔

اصل اس کی یہ ہے کہ جب اونٹوں کی دانگوں پر اونٹنیوں کو تقسیم کرنا چاہا، تو چھوٹی اونٹنی کو چھوٹے دانگ کے لئے اور بڑے کو بڑے کے لئے انصاف کے اعتبار سے مقرر کیا۔ اور دانگ کا اطلاق ان کے عرف میں ۲۰ سے زیادہ پر ہوتا ہے۔ اس لئے ۲۵ سے اس کو منضبط کیا۔ پھر ہر دہائی پر عمر کی زیادتی کا لحاظ کیا گیا، جس میں عرب کی رغبت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے ہر پندرہ میں اس زیادتی کو مقرر کیا۔

بکریوں کا نصاب زکوٰۃ ۴۰ سے شروع ہونے کی وجہ

بکریوں کی زکوٰۃ ۴۰ سے ۱۰۰ تک میں ایک بکری ہے اور اس سے آگے ۲۰۰ تک ۲ بکریاں ہیں۔ اس کے بعد ۳۰۰ تک ۳ بکریاں ہیں۔ بعد ازاں ہر سینکڑے پر ایک بکری ہے۔ اس میں یہ وجہ ہے کہ بکریوں کا گلہ تھوڑا بھی ہوتا ہے اور زیادہ بھی ہوتا ہے۔ ان کے گلوں میں بہت سا فرق ہوتا ہے۔ کیونکہ بکریاں پالنا آسان ہوتا ہے اور ہر شخص اپنی گنجائش کے موافق پال سکتا ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے گلہ کا اندازہ ۴۰ بکریوں کے ساتھ کیا اور بڑے کا اس مقدار سے دو چند پر اور پھر ہر سینکڑے پر حساب کی آسانی کے لئے ایک بکری مقرر کی۔

بیلوں اور گائیوں کی زکوٰۃ کا نصاب ۳۰ سے شروع ہونیکی حکمت

گائے بیل کی زکوٰۃ ۳۰ گائیوں میں ایک سال کا بچھڑا یا بچھیہ ہے اور ہر ۴۰ میں دو برس کا بچھڑا یا بچھیہ ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ گائے بیل کی جنس اونٹ اور بکری کے درمیان میں ہے۔ اس لئے اس میں دونوں کی مشابہت کا لحاظ رکھا گیا۔

چاندی و سونے کی مقدار نصاب کی حقیقت

چاندی میں نقد پر ڈھائی روپیہ فیصدی دینے آتے ہیں اور محض چاندی میں چالیسواں حصہ دینا آتا ہے۔ اور ساڑھے سات تولہ سونے میں سوا دو ماشہ سونا زکوٰۃ ہے۔ چونکہ سونا چاندی جملہ اموال میں نفیس مال ہے، جس کی مقدار کثیر صرف کرنے سے لوگوں کو ضرر پہنچنے کا احتمال ہے، اس لئے سب قسموں کے اموال سے اس کی زکوٰۃ کا کم ہونا مناسب ہوا۔ اور سونا بھی چاندی پر قیاس ہوا ہے۔

زکوٰۃ کی ہر چیز میں ایک خاص نصاب زکوٰۃ مقرر ہونے کی وجہ

زکوٰۃ کے لئے نصاب مقرر ہونے کی یہ وجہ ہوئی کہ ہر طرح کے مال کی مقدار مقرر نہ ہوتی، تو جو کمی سے دینا چاہتا، وہ کمی سے دے سکتا تھا اور جو زیادتی سے لینا چاہتا، وہ زیادتی سے لے سکتا تھا۔ اور نیز یہ بات بھی ضروری تھی کہ اس کی مقدار زیادہ نہ مقرر کی جائے کہ اس کے دینے سے لوگوں کو بوجھ معلوم ہو۔ عقل سلیم وفطرت صحیحہ کا مقتضےٰ ہے کہ کثرت مال پر کثرت زکوٰۃ دینا لازم ہے۔ لہٰذا اگر مقدار نصاب مقرر نہ ہوتا، تو جن اشخاص کو زیادہ زکوٰۃ دینی پڑتی، وہ حرص مال کے باعث بہت تھوڑی زکوٰۃ دیتے۔ اور اس سے غرباء ومساکین کی رفع حاجت نہ ہوتی۔

حقیقت نصاب زکوٰۃ کھیتی

جن کھیتوں نے بارش وچشموں کے پانی سے پرورش پائی ہے، ان پر دسواں حصہ واجب ہے۔ اور جن کھیتوں کو راہٹ وغیرہ سے پانی دیا جاتا ہے، ان پر بیسواں حصہ ہے، کیونکہ جن میں محنت کم ہوتی ہے اور پیداوار زیادہ ہوتی ہے، ان پر لگان زیادہ ہونا چاہیئے۔ اور جس میں محنت زیادہ ہے اور پیداوار کم ہے، اس کے لگان میں تخفیف مناسب ہے۔

سال میں ایک بار ادائے زکوٰۃ کی وجہ

زکوٰۃ ادا کرنے کی ایک ایسی مدت کا مقرر کرنا ضروری ہوا، جس میں سب لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرسکیں۔ اور نیز یہ بات بھی ضروری تھی کہ وہ مدت بہت کم نہ ہو کہ جلد جلد ان کو زکوٰۃ دینی پڑے اور اس کا ادا کرنا ان کو دشوار ہو۔ اور نہ وہ مدت اس قدر دراز ہو کہ اس میں ادا کرنے سے ان کا بخل کچھ کم نہ ہو اور محتاج لوگ اور محافظین انتظار شدید کے بعد فائدہ اٹھاسکیں اور مصلحت کے مناسب اس سے زیادہ کوئی مناسب صورت نہیں ہے کہ زکوٰۃ لینے میں وہ قانون مقرر کیا جائے کہ بادشاہ عادل اپنی رعایا سے اس کو برتتے رہتے ہیں اور لوگ اس کے عادی ہو رہے ہیں۔ کیونکہ جس چیز کے عرب وعجم عادی ہیں وہ بمنزلہ ضروری چیز کے ہوگئی ہے، جس کے سبب وہ تنگدل نہیں ہوتے اور لوگوں نے اس کو ایسا مان لیا ہے کہ ان پر اس کا بار نہیں ہے۔ اس سے لوگوں کو مکلّف کرنا رحم کی شان کے مناسب اور ان کے قبول کرنے کے قریب ہے اور سب کی عقلوں نے ان کو تسلیم کرلیا ہے۔ زکوٰۃ والی چیزوں کے لئے ایک سال کی مدت مقرر کی گئی۔ کیونکہ ایک سال میں ہر قسم کی فصلیں شامل ہوتی ہیں، جن کے طبائع مختلف ہوتے ہیں اور نیز ایک سال میں مال کے بڑھنے کا بھی احتمال ہوتا ہے۔ اس لئے ایک سال کی مدت اس قسم کے اندازوں کے لئے مناسب ہے۔

نصاب زکوٰۃ سے پانچواں، دسواں، بیسواں، چالیسواں حصہ دینے کی وجہ

زکوٰۃ کے باب میں پانچواں اور دسواں اور بیسواں اور چالیسواں حصہ معتبر کیا گیا ہے۔اس کی یہ وجہ ہے کہ صدقہ زیادہ کرنے کا مدار آبادی کی وسعت اور منفعت کی کمی ہے اور تمام ممالک کے پیشے چار ہی مرتبوں سے منتظم ہوا کرتے ہیں۔ان میں یہ بھی مناسب کہ دو مرتبوں میں فرق صاف طور پر مبیّن ہو جائے۔یعنی ایک مرتبہ کے ساتھ دوسرے مرتبہ سے دو چند ہونا معلوم ہو جائے۔

سائمہ میں وجوب زکوٰۃ وعوامل سے اسقاطِ زکوٰۃ کی وجہ

دارقطنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔ **لیس فی الابل العوامل و لا فی البقر العوامل صدقۃ** ۔ترجمہ۔یعنی کام میں لگائے ہوئے اونٹوں اور کام کرنے والے بیلوں میں صدقہ نہیں ہے۔اس میں یہ راز ہے کہ جو مال صاحب مال کی خدمت کے لئے مخصوص ہو مثلاً پہننے کے کپڑے اور کام کرنے والے خدمتگار اور رہنے کے مکانات اور سواری کے جانور اور پڑھنے کی کتابیں اور عورتوں کے مدام پہنے جانے والے زیورات اور کھیتی میں کاشتکاری کے بیلوں اور راہٹ میں چلنے والے اونٹوں وغیرہ جانوروں میں زکوٰۃ نہیں ہے، کیونکہ یہ اشیاء مالک کے دست و پاء وآلات ضروریہ کی طرح ہیں۔عوامل یعنی کام کرنے والے جانوروں اور سائمہ یعنی مدام چرنے والے جانوروں میں فرق ظاہر ہے۔کیونکہ جانوران عاملہ نمود بڑھنے سے الگ کر کے کام میں لگائے ہوئے ہوتے ہیں۔اور مدام چرنے والے نکمے جانور بڑھتے اور پھیلتے رہتے ہیں۔لہٰذا ان میں زکوٰۃ مقرر ہوئی اور جانوران عاملہ انسان کے اثاثہ ضروریہ کی طرح ہوتے ہیں۔لہٰذا ان میں زکوٰۃ مقرر نہیں ہوئی، کیونکہ زکوٰۃ کی دو وجہیں ہوتی ہیں۔ (۱) نموے مال۔(۲) حاجت سے زائد۔مگر جانوران عاملہ میں یہ دونوں امر نہیں ہوتے۔بدیں وجہ ان میں زکوٰۃ مقرر نہیں ہوئی۔

اونٹوں میں زکوٰۃ واجب ہونے کی حکمت

شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اونٹ شیطان ہے۔پس اونٹوں میں زکوٰۃ واجب ہوئی، تاکہ زکوٰۃ کے ذریعہ اس نسبت سے پاک ہو جائے، کیونکہ زکوٰۃ صاحب مال کو صفت بخل سے پاک کر ڈالتی ہے۔شیطنت کے معنے بُعد یعنی دوری کے ہیں۔چنانچہ عرب کہتے ہیں **بئر شطون** یعنی گہرا کنواں۔شیطان اس اسم سے اس لئے موسوم ہوا کہ وہ رحمت الٰہی سے دور ہے، کیونکہ اس نے حکم الٰہی سے انکار و سرکشی کی اور کافر بن گیا۔اعمال وافعال کی نسبت جب خدا کی طرف نہ ہو، تو وہ خدا سے

دور ہوتے ہیں۔لہٰذا ان میں زکوٰۃ واجب ہوئی۔جس چیز میں حق الٰہی ہو، وہ خدا کی طرف پھیری جاتی ہے۔اور جب وہ چیز خدا کی طرف پھیری جائے، تو اس کو حسن واحسان کا لباس پہنایا جاتا ہے۔اسی لئے کہا جاتا ہے کہ خدا کے سارے افعال اچھے ہیں۔

گھوڑوں میں زکوٰۃ نہ واجب ہونے کی وجہ

گھوڑے وغیرہ اس قسم کے جملہ حیوانات زینت الٰہی میں شمار ہوتے ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔وَالْخَيْلَ وَ الْبِغَالَ وَ الْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَ زِيْنَة۔یعنی گھوڑے، خچریں، گدھے خدا تعالیٰ نے اس لئے بنائے کہ وہ تمہاری سواری اور زینت میں کام آئیں۔

گھوڑا ان جانوروں میں سے ہے، جن سے شان وشکوہ وشوکت اسلامی ظاہر ہوتی ہے۔گھوڑا جہاد فی سبیل اللہ کے لئے نافع ترین حیوانات میں سے ہے۔گھوڑا خدا تعالیٰ کے لئے ہے۔ پس، جو جانور خدا کے لئے ہو، اس میں خدا کا حق نہیں ہوتا، بلکہ وہ سب خدا تعالیٰ ہی کا ہوتا ہے۔

نفس کا مرکب بدن ہوتا ہے۔ پس جب بدن کا مزاج وترکیب طبع اس حیثیت سے ہو کہ اس سے نفس مومنہ طاہرہ کو الٰہی اطاعت واقبال علی اللہ میں امداد اور مخالفت الٰہی سے فرار حاصل ہو، تو وہ خدا تعالیٰ کیلئے ہوتا ہے۔اور جو خدا کیلئے ہو، اس میں خدا کا حق نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ سب خدا کا ہوتا ہے۔

پہننے کے زیورات میں زکوٰۃ نہ مقرر ہونے کی وجہ

زیورات زینت وزیبائش وآرائش کے لئے مقرر ہوتے ہیں اور زینت کے لئے امر الٰہی آچکا ہے۔چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔يَا بَنِىْ آدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ۔یعنی اے بنی آدم ہر عبادت الٰہی میں اپنی زینت پکڑو۔اور فرماتا ہے۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللهِ الَّتِىْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ۔ ترجمہ۔یعنی کہہ دے کہ کون ہے جو خدا تعالیٰ کی زینت وزیبائش کو حرام کردے، جو اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالی ہیں۔

خدا تعالیٰ نے زینت کو اپنی طرف نسبت دی ہے اور دنیا وشیطان کی طرف نسبت نہیں دی۔اور زکوٰۃ خدا تعالیٰ کا حق ہے، تو جس چیز کی نسبت خدا کی طرف ہو، اس میں اس کا حق ہی نہیں ہوتا، بلکہ وہ ساری کی ساری اسی کی ہوتی ہے۔پس خدا کی زینت (یعنی پہننے کے زیورات میں) اس لئے زکوٰۃ نہیں ہوئی کہ وہ خدا کے ہیں۔ان میں کسی اور کا حق نہیں۔

اس جگہ پہننے کے زیورات سے مراد وہ زیورات ہیں، جو محض از روئے تقویٰ دینی پردہ دار

عورت کے پہننے کیلئے بنائے جائیں۔ پس جس نے زیور کو محض لوگوں کے دکھاوے اور دنیاوی شیطانی و نفسانی خواہشات کی پیروی میں بنایا اور الٰہی زینت کو اس سے سلب کیا، اس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔
اولاد کے بارے میں کہا گیا ہے۔

و انما اولادنا بیننا اکباد تمشی علی الارض

ترجمہ۔ یقیناً ہماری اولاد ہمارے درمیان ہمارے جگروں کی مانند ہے، جو زمین پر چلتے ہیں۔ پس بیٹا جگر کے ایک ٹکڑے کی مانند ٹھرایا گیا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام اپنے صحابہ یعنی حواریین کو فرماتے ہیں کہ ہر ایک انسان وہاں پر ہوتا ہے، جہاں پر اس کا مال ہوتا ہے۔ پس اپنے مالوں کو آسمان میں جمع کرو تاکہ تمہارے دل آسمان میں ساکن ہوں۔ اس میں صدقہ پر ترغیب و تحریص فرمائی۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ صدقہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں جا پڑتا ہے۔ اور وہ فرماتا ہے۔ ءَاَمِنۡتُمۡ مَنۡ فِی السَّمَاءِ ۔ کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو، جس کا عذاب آسمان میں ہے۔
اور صدقہ غضب الٰہی کی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ دیکھو کلام نبوی کیسا عجیب اور لطیف و دقیق و شیریں ہے۔ پس جس نے بیٹے کو باپ سے ملحق کیا اور اس کے ساتھ ملایا، تو اس کو صلہ رحمی کا اجر ملتا ہے، جبکہ وہ اپنے مال سے زکوٰۃ دیتا ہے۔ اور اپنی محبوب چیز کے گم ہونے پر صبر کرنا سب سے بڑا صبر ہے۔ اور اس پر وہی صبر کرتا ہے، جو مومن یا عارف ہو۔ کیونکہ زاہد پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہوتی۔ وجہ یہ کہ وہ اپنے لئے کوئی چیز نہیں چھوڑتا، جس میں زکوٰۃ واجب ہو۔

موالید ثلاثہ میں زکوٰۃ واجب ہونے کی حکمت

واضح ہو کہ خدا تعالیٰ نے زکوٰۃ موالید ثلاثہ میں واجب ٹھرائی۔ اور وہ ہیں معدن۔ نبات۔ حیوان۔ پس معدن کی قسم تو سونا اور چاندی ہیں۔ اور نبات کی قسم گندم۔ جَو اور خُرما ہیں۔ اور حیوان کی قسم اونٹ۔ گائے۔ بکری ہیں۔ پس جملہ مولدات اس میں شامل ہو گئے اور ان پر مولدات کے نام کا اطلاق ہوا، کیونکہ وہ ماں اور باپ یعنی فلک اور اس کی اس حرکت سے پیدا ہوئے، جو بمنزلہ جماع کے ہے۔ فلک والد اور عناصر بمنزلہ والدہ کے ہیں۔ اسی لئے خدا نے مال کو اولاد کے فتنہ میں ایک ہی جگہ ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔ اِنَّمَا اَمۡوَالُکُمۡ وَ اَوۡلَادُکُمۡ فِتۡنَۃٌ ۔ یعنی تمہارے مال اور اولاد تمہارے لئے فتنہ ہیں۔ یہاں فتنہ کے معنے آزمائش و امتحان کے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے مال کا اولاد سے پہلے ذکر کیا اور فرمایا۔ وَاللّٰهُ عِنۡدَهٗۤ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ۔ یعنی ان چیزوں کا خدا کے ہاں بڑا اجر ہے۔
جب مال و اولاد میں سے کسی میں کوئی مصیبت تم کو پہنچے، تو وہ تمہارے لئے زکوٰۃ ہے۔ اور اگر

مال کی طہارت ہوئی، تو صاحب مال صفت بخل سے پاک ہو جاتا ہے۔ پس بلا شبہ مصیبت جو مال میں واقع ہوتی ہے، اس سے صاحب مال کی اس مصیبت کا اجر ملتا ہے۔ اور یہ اجر سب اجروں سے بڑا ہے۔ اور بیٹا باپ کی شاخ ہوتا ہے۔ جیسا کہ رحم رحمٰن سے مشتق ہے، جو اس کو وصل کرے خدا اس کو وصل کرتا ہے اور جو اس کو کاٹے خدا اس کو کاٹ دیتا ہے۔

وجہ اس امر کی کہ جس قسم کا مال ہو، اسی قسم کی زکوٰۃ لی جائے

ا۔ مصلحت کے اعتبار سے زیادہ آسان اور موافق صورت یہ ہے کہ جس قسم کا مال ہو اسی قسم میں سے زکوٰۃ لی جائے۔ اس لئے اونٹوں کے دانگ میں سے اونٹنی لی جاتی ہے اور گایوں کے گلہ اور بکریوں کے ریوڑ میں سے گائے اور بکری لی جاتی ہے۔ پھر یہ ضرور ہے کہ مثال اور تقسیم اور تلاش سے اس قسم کے اموال معلوم کئے جائیں، تا کہ ان کے ذریعہ سے جامع اور مانع ان کی تعریفیں ہو سکیں۔ اکثر شہروں میں مواشی اونٹ۔ گائے اور بکریاں ہوتی ہیں۔ اور انعام کے لفظ میں وہ سب آ جاتی ہیں۔

۲۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ہر پانچ اونٹوں میں ایک بکری واجب ٹھرائی ہے اور بکری کی قسم اونٹ سے بظاہر مخالف ہے۔ پس اس مسئلہ میں اصل یوں ہے کہ یہاں ایک سوال ہے کہ آیا کوئی چیز بنفسہ پاک ہو جاتی ہے یا کسی اور چیز کے ساتھ پاک ہوتی ہے۔ سو صحیح مسئلہ یوں ہے کہ ہر چیز بنفسہ پاک ہوتی ہے، جس کی طرف اس کا رجوع ہے۔ اور اگر چہ صورت میں خلاف واقع ہو، جب کہ خدا نے عبادت کے لئے طہارت پانی اور مٹی کے ساتھ فرض ٹھرائی ہے اور وہ صورت میں مخالف ہیں۔ مگر اصل میں مخالف نہیں۔ کیونکہ ہر ایک چیز پانی سے زندہ کی گئی ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيّ** ۔ ہم نے ہر چیز پانی سے زندہ کی ہے۔ اور آدم کے بارے میں فرمایا **خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ** یعنی آدم کی مٹی سے بنایا۔ پس طہارت بظاہر کیسی با موقع اس چیز کے ساتھ ہوئی ہے، جس سے اس کی پیدائش ہوئی ہے۔ کیونکہ حیوانات بکری اور اونٹ کو اور مالیت بکری اور اونٹ کو شامل ہے۔ پس اگر یہ امر جامع نہ ہوتا تو طہارت صحیح نہ ہوتی۔ لہٰذا زکوٰۃ بعض مالوں میں بغیر اس صنف کے درست ہے، جس میں زکوٰۃ واجب ہے۔

معلق مال کی زکوٰۃ

معلق مال پر زکوٰۃ نہیں ہے جب تک کہ اپنے قبضہ میں نہ آئے۔ لیکن تاجر کو چاہیئے کہ حیلہ بہانہ سے زکوٰۃ کو نہ ٹال دے۔ آخر اپنی حیثیت کے مطابق اپنے اخراجات بھی تو اسی میں سے برداشت کرتا

ہے۔تقویٰ کے ساتھ اپنے مال اور موجودہ اور معلق پر نگاہ ڈ لے اور مناسب دیکھ کر خدا تعالیٰ کو خوش کرتا رہے۔بعض لوگ خدا تعالیٰ کے ساتھ بھی حیلے بہانے کرتے ہیں۔ یہ درست نہیں ہے۔

پانچ اونٹوں میں زکوٰۃ مقرر ہونا اور ہزارہا گھوڑوں، خچروں، گدھوں میں زکوٰۃ مقرر نہ ہونے کی وجہ

نبی علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں۔ **عفوت لکم عن صدقة الجبهة و الكسعة والنخسة. الجبهة الخيل والكسعة البغال والحمير و النخسة المربيات فى البيوت ۔** ترجمہ۔یعنی میں نے تم کو گھوڑوں، گدہوں، خچروں اور دیگر جانوران عاملہ اور گھر کے مربیات سے صدقہ معاف کر دیا ہے۔ اور حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم و بخاری میں حدیث آئی ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔**وليس على المسلم فى عبده و لا فرسه صدقة ۔** ترجمہ۔یعنی مسلمان پر اس کے نوکر و گھوڑے میں صدقہ نہیں ہے۔گھوڑے اور اونٹ میں یہ فرق ظاہر ہے کہ گھوڑے جس غرض کے لئے رکھے جاتے ہیں، ان اغراض کے لئے اونٹ نہیں رکھے جاتے۔ بلکہ اونٹ۔ بکریاں۔گائیاں دودھ پینے اور ان کی نسلیں بڑہانے اور کھانے اور ان کے بوجھ ڈہونے اور تجارت کے لئے اور ایک مقام سے دوسرے مقام پر اشیاء لے جانے کے لئے رکھے جاتے ہیں۔لیکن گھوڑے۔ گدہے۔ خچر شان وشوکت ، کروفر ، زیب وزینت ،طلب و ہرب، دوڑ دہوپ وسواری و اقامت دین وحفظ ناموس کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔لہٰذا یہ جانور آلات دستکاری وتن کے کپڑوں، آلات کشاورزی وآلات جنگ تیر وتفنگ کی طرح ٹھرے جن میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ ہاں اگر یہ جانور بھی تجارت اور نمو کے لئے رکھے جائیں تو ان میں زکوٰۃ ہے۔اور آلات و جانوران عاملہ و جانوران سواری میں زکوٰۃ نہ ہونا ظاہر ہے کہ یہ آلات و جانور انسان کے لئے مثل اس کے ہاتھ پاؤں کے ہیں،جن میں زکوٰۃ مقرر نہیں ہوئی۔

خاندان نبوی کے لئے حرمت صدقات کی وجہ

ا۔آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔**ان هذه الصدقات انما هى من اوساخ الناس و انها لا تحل لمحمد و لا لآل محمد ۔**ترجمہ۔یعنی یہ صدقات لوگوں کا میل ہوتے ہیں۔اس لئے یہ نہ محمدؐ کے لئے حلال ہیں اور نہ اولاد محمدؐ کے لئے حلال ہیں۔

اور ایک دوسری حدیث میں آیا ہے. **نحن اهل البيت لا تحل لنا الصدقة ۔**ترجمہ۔یعنی

ہم اہل بیت ہیں، ہمارے لئے صدقہ حلال نہیں ہے۔اہل بیت سے مراد بنو ہاشم۔آل علی وعباس وجعفرو عقیل وحارث بن عبدالمطلب ہیں۔

۲۔صدقات کا میل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صدقات کے دینے سے گناہ دور ہوتے ہیں اور بلا رفع ہوتی ہے۔اوران باتوں میں صدقات انسان کا فدیہ ہوتے ہیں۔اس لئے ملاءاعلیٰ کے ادراکات میں یہ صدقات ان صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں،جس طرح صورت ذہنیّہ اورلفظیّہ اورخطیّہ میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جن چیزوں کے یہ نام ہیں وہی چیزیں ذہن اورالفاظ اور کتابت کے اندر موجود ہیں اور ہمارے نزدیک اس کا نام وجود تشبیہی ہے۔اس لئے بعض نفوس عالیہ میں اس بات کا ادراک پیدا ہوتا ہے کہ ان صدقات میں ایک قسم کی تاریکی پائی جاتی ہے اور کبھی اس امر کو امکنہ سافلہ کی طرف نزول ہوتا ہے اور بعض اہل مکاشفہ اس امر کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

۲۔جس طرح صالحین کو زنا یا اعضائے خبیثہ کا ذکر کرنا ناگوار معلوم ہوتا ہے اور نفیس اشیاء کے ذکر سے بشاش ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نام کی تعظیم کرتے ہیں،ایسے ہی جس مال کو انسان بلا کسی عوض کے خواہ وہ عوض کوئی خاص شے ہو یا صرف نفع ہی ہو،اس سے لیتا ہے اور اس دینے والے کو اس شخص کی عزت مقصود نہیں ہوتی،تو اس مال کے لینے میں اس شخص کو ایک قسم کی ذلت واہانت حاصل ہوتی ہے اور اس معطی کو اس شخص پر فضیلت اور احسان ہوتا ہے۔چنانچہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **الید العلیا خیر من ید السفلیٰ**۔ترجمہ۔یعنی اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔بہرحال اس طور سے کمانا تمام پیشوں میں بدترین پیشہ ہے۔اور جو لوگ مقدس اور بزرگان دین ہیں،ان کی شان کے بالکل مناسب نہیں ہے۔

۳۔اس حکم میں دوسرا یہ راز ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بہ نفس نفیس صدقہ لیتے اور اپنے عزیزوں اور ان لوگوں کیلئے،جن کا نفع اپنا ہی نفع ہے،تجویز فرماتے،تو اس بات کا احتمال تھا کہ لوگ آپ سے بدگمان ہوتے اور آپ کے حق میں وہ وہ باتیں کہتے جو بالکل لغو ہوتیں۔اس لئے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دروازہ کو بالکل بند کردیا اور اس بات کو ظاہر فرمایا کہ صدقات کے منافع انہیں دینے والوں کی طرف عائد ہوتے ہیں اور انہی کے اغنیاء سے لے کر انہی کے فقراء کو واپس کر دیئے جاتے ہیں۔یہ انکے حق میں بڑی رحمت اور مہربانی اور بھلائی کا پہنچانا اور برائی سے بچانا ہے۔

جو لوگ صرف مانگ کر گذارہ کرنے کے عادی ہوجاتے ہیں،ان میں سے تقویٰ وعفت و شجاعت اور دیگر اخلاق فاضلہ ضائع ہوجاتے ہیں۔ان کی ہمتیں بہت پست ہوجاتی ہیں۔محنت وکسب

اور تحصیل کمالات سے وہ جی چراتے ہیں۔عیاشی ان کا پیشہ ہو جاتا ہے۔ترفہ وآسائش وآرام طلبی ان کی رگ وریشہ میں سرایت کر جاتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان امور کو مدنظر رکھ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خوف دامنگیر ہوا کہ مبادا میری آل لوگوں کی خیرات وصدقات پر تکیہ لگا کر تحصیل کمالات میں سست نہ ہو جائے۔اور واقعی یہ ایسے اسباب ہیں جو نفوس نفیسہ کی حالت کے برخلاف ہیں۔لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر صدقات منع فرمادیئے، تاکہ وہ ایسے امورِ دُنیہ کے عادی ہونے سے سخت دل نہ بنیں اور ایسے رزق مذلت کے طالب بن کر ذلیل وخوار نہ ہو جائیں۔چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ طلب کرنے ایسے رزقِ دنی ورسوائی کی ممانعت میں ارشاد ذیل فرماتے ہیں۔

لا تطلبن معیشة بمذلة و ارفع بنفسک عن دنی المطلب

و اذا افتقرت فداو فقرک بالغنیٰ عن کل ذی دنس کجلد الاجرب

فلیر جعن الیک رزقل کله لو کان ابعد عن محل الکواکب

ترجمہ۔نہ تلاش کر ذلت کے ساتھ روزی کو اور بچالے اپنے نفس کو خسیس مطلب سے۔اور جب تو محتاج ہو، تو علاج کر اپنی محتاجی کا بے پروائی کے ساتھ ہر ایک پلید سے جو پوست گرگین کی طرح ہو۔پس جلد پھر آئے گا تیری طرف رزق سارا، اگر چہ وہ دور ہو ستاروں کے مقام سے۔

واضح رہے کہ سادات کے لئے منع صدقات کی حکمت بیان کرنے میں یہی خاکسار متفرد نہیں ہے، بلکہ سارے حکمائے اسلام اس پر متفق ہیں۔چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ " کیمیائے سعادت" میں لکھتے ہیں "باید کہ زکوٰۃ باعلویان (سادات) ندہد کہ اوساخ مالِ مردم است"۔ترجمہ۔یعنی چاہیئے کہ زکوٰۃ کا مال سادات کو نہ دیا جائے کہ یہ مال لوگوں کے مال کی مَیل ہوتی ہے۔اور اس امر کی ممانعت میں کلام نبوی بھی وارد ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بزرگان اسلام نے اموال صدقات میں سے اپنی غذا بنانا پسند نہیں کیا۔چنانچہ حضرت عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب "لطائف المنن" میں لکھتے ہیں۔ **و مما منّ اللہ تبارک و تعالیٰ به علیّ حمایتی من الاکل من صدقات الناس و زکوتهم ما دمت اجد عندی ما یسد الرمق و ذالک لما بلغنی اننی من ذریة سیدی محمد ابن الحنیفه رضی اللہ عنه تعالیٰ عنه .اللهم .الاان تکون الصدقات عامة کا لاوقاف فلی الاکل منها اذا کنت بصفة المستحقین لذالک الوقف و هذا من اکبرنعم اللہ تبارک و تعالیٰ و من یستغن یغنة اللہ تبارک وتعالیٰ.و قد کان والدی و جدی و اخی الشیخ**

عبد القادر علی ھذا القدم و یقولون نخاف ان نخالف ھدی اسلافنا و ناکل من اوساخ الناس ۔ترجمہ۔یعنی خدا تعالیٰ نے جو مجھ پر احسانات وانعامات کئے ہیں،منجملہ ان کے یہ ہے کہ جب تک میرے پاس سدرمق جتنا مال موجود ہو،اس نے مجھے لوگوں کے اموال صدقات وزکوٰۃ کے کھانے سے محفوظ رکھا ہے۔کیونکہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ میں حضرت محمد بن حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے ہوں۔یا اللہ۔ہاں۔اگر صدقات عامہ مثلاً اموال اوقاف میں سے ہو اور میں اپنے آپ کو ایسے وقف کے مستحقین سے سمجھوں تو اس سے کھا لیتا ہوں۔اور یہ بات مجھ پر خدا تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے مجھے قناعت کرنے پر مدد عطا فرمائی ہے۔اور جو کوئی بچنا چاہے خدا اس کو بچاتا ہے اور جو کوئی غنا طلب کرے،اس کو خدا تعالیٰ غنی کر دیتا ہے۔اور میرے والد ماجد اور میرے جدامجد اور میرا بھائی شیخ عبدالقادر اسی قدم پر تھے۔اور کہا کرتے تھے ہم ڈرتے ہیں کہ اپنے بزرگوں کی ہدایت کی مخالفت کریں اور لوگوں کی میل کھائیں۔

البتہ اگر سید کو اضطراری حالت ہو۔فاقہ پر فاقہ ہو۔تو ایسی مجبوری کی حالت میں جائز ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔اِلَّا مَا اضۡطُرِرۡتُمۡ اِلَیۡہِ ۔حدیث سے فتویٰ تو یہ ہے کہ نہ دینی چاہیئے۔اگر سید کو اور قسم کا رزق آتا ہو،تو اسے زکوٰۃ لینے کی حاجت ہی کیا ہے۔ہاں اگر اضطراری حالت ہو تو اور بات ہے۔

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے راستہ میں ایک خرما پڑا ہوا دیکھا،تو فرمایا۔لو لا اخاف ان تکون من الصدقۃ لاکلتھا۔ترجمہ۔یعنی مجھے اس خرما کے صدقہ ہونے کا ڈر نہ ہوتا،تو میں اس کو کھا لیتا۔

جواب اس سوال کا کہ جبکہ تم نے شریعت کا خطاب عقل پر مانا ہے، تو پھر تمہارا یہ کہنا کہ عقل اسرارِ حق کو نہیں پا سکتی اور صحتِ عقل کا معیار وحی الٰہی ہے کیونکر صحیح ہو سکتا ہے

واضح ہو کہ انبیاء کی تعلیم کا بہت سا حصہ فوق العقل ہے،جو بجز حالی تفہیم اور تعلیم کے اور کسی راہ سے سمجھ ہی نہیں آ سکتا۔اور اس حصہ کو وہی لوگ دل نشین کرا سکتے ہیں،جو صاحب حال ہوں۔مثلاً ایسے ایسے مسائل کہ اس طرح پر فرشتے جان نکالتے ہیں اور پھر یوں آسمان پر لے جاتے ہیں اور پھر قبر میں حساب اس طور پر ہوتا ہے اور بہشت ایسی ہے اور دوزخ ایسی اور پل صراط ایسا ہے اور عرش الٰہی کو دنیا میں چار فرشتے اٹھا رہے ہیں اور قیامت کو آٹھ اٹھائیں گے۔اور اس طرح خدا تعالیٰ اپنے بندوں پر وحی نازل کرتا ہے یا مکاشفات کا دروازہ کھولتا ہے۔یہ تمام حالی تعلیم ہے۔اور مجرد قیل وقال سے سمجھ نہیں آ

سکتی۔ لہٰذا ایسے علوم ان لوگوں پر کھلتے ہیں، جن کے حق میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْن۔ یعنی قرآن کریم کے حقائق و دقائق ان لوگوں پر کھلتے ہیں، جن کے دل دست قدرت الٰہی سے پاک کئے گئے ہیں۔

راز قرآں را کجا فہمد کسے	بہر نورے نور میباید بسے
ایں نہ من قرآں ہمیں فرمودہ است	اندر و شرط بودہ است
گر بقرآں ہر کسے را راہ بود	پس چرا شرط تطہر را فردد
نور را داند کسے کو نور شد	و از حجاب سرکشیہا دور شد
وحی حق پر از اشارات خدا است	گر نفہمد جاہلے کج دل رواست
چشمہء فیض است وحی ایزدی	لیکن آں فہمد کہ باشد مہتدی
وحی قرآں راز ہا داد بسے	نسبتے باید کہ تا فہمد کسے
واجب آمد نسبت اندر دیں نخست	کار بے نسبت نمی آید درست
آں سعیدے کش ابو بکر است نام	نسبتے میداشت با خیر الانام
زیں نشد محتاج تفتیش دراز	جان او بشناخت روئے پاکباز
ہست فرقے در نظر ہا اے سعید	آں چہ ہاروں دید آں قاروں ندید
بود ہاروں پاک دیں کرمے پلید	کے بماند با یزیدے با یزید
گر نباشد نسبتے در جائیگاہ	ظلمتے در ہر قدم گیرد براہ
آں یکے را مہ عیاں پیش نظر	دیگرے را ابر کردہ کور و کر

جب کہ یہ بات بہ پایہء ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ قرآن کریم کے بعض مضامین حالی ہیں نہ قالی۔ تو پھر ایسے صاحب حال روحانی پاکیزہ نفس قرآنی معلموں کی ضرورت ہر زمانہ میں ماننی پڑتی ہے۔ اور یہ کہنا کہ حل مشکلات قرآن کریم کے لئے ضرورت تھی لیکن جب حل ہوگئی تو پھر اب کیا ضرورت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حل شدہ بھی ایک مدت کے بعد قابل حل ہو جاتے ہیں۔ ماسوا اس کے امت کو ہر ایک زمانہ میں نئی مشکلات پیش آتی ہیں۔ اور قرآن کریم جامع جمیع علوم ہے۔

جمیع العلم فی القرآن لاکن ۔۔۔ تقاصر عنہ افہام الرجال

یعنی قرآن کریم میں سارے علوم موجود ہیں، لیکن لوگوں کے فہم ان کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ ایک ہی زمانہ میں اس کے تمام علوم ظاہر ہو جائیں، بلکہ جیسی جیسی مشکلات

کا سامنا ہوتا ہے، ویسے ویسے قرآنی علوم کھلتے ہیں۔اور ہر زمانہ کی مشکلات کے مناسب حال ان مشکلات کوحل کرنے والے روحانی معلم بھیجے جاتے ہیں، جو وارث رسل ہوتے ہیں۔اور ظلی طور پر رسولوں کے کمالات کو پاتے ہیں۔

پس اس بات کوخوب سمجھ لو کہ بعض حصے تعلیم قرآن کے از قبیل حال ہیں نہ از قبیل قال۔اوراس وجہ سے ان حالی علوم کوسمجھانے کے لئے ہر زمانہ میں نئے معلموں کی ضرورت پڑتی ہے۔اورآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے، جو پہلے معلم اوراصل وارث اس تخت کے ہیں، حالی طور پران دقائق کواپنے صحابہ کو سمجھایا ہے۔مثلاً خدا تعالیٰ کا کہنا کہ میں عالم الغیب ہوں۔اور میں مجیب الدعوات ہوں۔اور میں قادر ہوں۔اور میں دعاؤں کوقبول کرتا ہوں۔اور طالبوں کی حقیقی روشنی تک پہنچا تا ہوں۔اور میں اپنے صادق بندوں کوالہام دیتا ہوں۔اورجس پر چاہتا ہوں اپنے بندوں میں سے اپنی روح ڈالتا ہوں۔یہ تمام باتیں ایسی ہیں کہ جب تک معلم خودان کانمونہ بن کر نہ دکھلائے، تب تک یہ کسی طرح سمجھ میں نہیں آسکتیں۔

و قد جاء قول الله بالرسل تواما　　و من دونهم فهم الهدیٰ متعسر

و فی الدین اسرار و سبل خفیة　　و یظهر ها ربی لعبد یخیر

و کم من حقائق لا یری کیف شجها　　کنجم بعید نورها یستر

فیاتی من الله العلیم معلم　　و یهدی الی اسرارها و یفسر

یعنی خدا کا کلام اور رسول باہم توام ہیں اوران کے بغیر خدا کے کلام کاسمجھنا مشکل ہے۔دین میں بھید ہیں اور پوشیدہ راہیں ہیں۔اور میرا رب وہ بھید اس بندے پر ظاہر کرتا ہے، جسے چن لیتا ہے۔ بہت سی حقیقتیں ہیں، جن کی صورت نظرنہیں آتی۔اس ستارے کی طرح، جو دور تر ہے اور بسبب بُعد کے ان حقیقتوں کا نور چھپا تا ہے۔پس خدا کی طرف سے ایک معلم آتا ہے اوراس کے بھید ظاہر کرتا اور بیان فرماتا ہے۔اگرقرآن کریم کی تعلیم صرف اس حد تک مانی جائے، جس حد تک ایک تجربہ کاراورلطیف الفکر فلاسفر کی تعلیم محدود ہوسکتی ہے اورآسمانی تعلیم، جومحض حال کے نمونہ سے سمجھائی جاتی ہے، اس میں نہیں، تو پھرنعوذ باللہ قرآن شریف کا آنا لاحاصل ہوتا۔مگر میں جانتا ہوں کہ اگرکوئی ایک دم کے واسطے بھی اس مسئلہ میں فکر کرلے کہ انبیاء کی تعلیم اورحکیموں کی تعلیم میں بصورت فرض کرنے صحت ہر دو تعلیم ما بہ الامتیاز کیا ہے، تو بجز اس کے اور کوئی ما بہ الامتیاز قرار نہیں دے سکتے کہ انبیاء کی تعلیم کا بہت سا حصہ فوق العقل ہے، جو حالی تفہیم وتعلیم کے سوا کسی طرح سمجھ نہیں آسکتا۔پس خوب سمجھ لو کہ اللہ جل شانہ نے اپنے بندوں کے لئے ارادہ فرمایا ہے کہ اس کی کتاب کا یہ حصہ تعلیم ابتدائی زمانہ تک محدود نہ رہے۔تو بیشک اس نے یہ

بھی انتظام کیا ہوگا کہ اس حصہ تعلیم کے معلم بھی ہمیشہ آتے رہیں، جو ظلی طور پر نور نبوت سے رنگین ہوں۔ کیونکہ حصہ حالی تعلیم کا بغیر توسط ان معلموں کے جو مرتبہء حال پر پہنچ گئے ہوں ہرگز سمجھ نہیں آ سکتا۔ وجہ یہ کہ دنیا ذرہ ذرہ باتوں پر ٹھوکر کھاتی ہے۔

عقل کا جوڑ و طریق ہدایت کا فلسفہ

ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں کہ کوئی عقل بغیر اپنے جوڑ کے کام نہیں کر سکتی۔ اور اس کا جوڑ خدا کا کلام ہے۔ پس جو عقل اس جوڑ سے علیحدہ ہے، وہ ناقص ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ نور وحی الٰہی کے نازل ہونے کا یہی فلسفہ ہے کہ وہ نور پر ہی وارد ہوتا ہے، تاریکی پر وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ فیضان کے لئے مناسبت شرط ہے اور تاریکی کو نور سے کچھ مناسبت نہیں۔ بلکہ نور کو نور سے مناسبت ہے۔ اور حکیم مطلق بغیر رعایت مناسبت کوئی کام نہیں کرتا۔ ایسا ہی فیضانِ نور میں بھی اس کا یہی قانون ہے کہ جس کے پاس کچھ نور ہے، اسی کو اور نور بھی دیا جاتا ہے۔ اور جس کے پاس کچھ نہیں، اس کو کچھ نہیں دیا جاتا۔ جو شخص آنکھوں کا نور رکھتا ہے، وہی آفتاب کا نور پاتا ہے۔ اور جس کے پاس آنکھوں کا نور نہیں، وہ آفتاب کے نور سے بھی بے بہرہ رہتا ہے۔ اور جس کو فطرتی نور کم ملا ہے، اس کو دوسرا نور بھی کم ملتا ہے۔ اور جس کو فطرتی نور زیادہ ملا ہے، اس کو دوسرا نور بھی زیادہ ملتا ہے۔ قرآن کریم کا متقیوں کے لئے راہنما ہونا اسی وجہ سے ہے کہ نور کو نور سے مناسبت ہوتی ہے اور ذرہ کو آفتاب سے مناسبت ہے نہ کسی اور چیز سے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا فرماتا ہے۔ **هُدًى لِلْمُتَّقِيْن** ۔ اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ قرآن کریم کے منکروں کی عقل اس وجہ سے ناقص ہوتی ہے کہ حقیقی آفتاب سے ان کا رخ پھرا ہوا ہوتا ہے۔

ترا عقل تو ہر دم پاے بند کبر میدارد ‌‌ ‌ بروعقلے طلب کن کت ز خود بینی بروں آرد
ہما بہتر کہ ما آں علم حق از حق بیا موزیم ‌ ‌ ‌ کہ ایں علمی کہ ماداریم صد سہو و خطا دارد
کہ گوید بہتر از قولش گراو خاموش بنشیند ‌ ‌ ‌ کہ گیرد دستت ای ناداں گر او دستِ تو بگزارد
بروقدرش بہ بیں واز حجت بے اصل دم درکش ‌ ‌ ‌ کہ ایں حجت کہ می آری بلا ہا بر سرت آرد

سلسلہء ہدایت میں آفتاب کی نہایت روشن مثال ہے کہ ہر چند آفتاب اپنی کرنیں چاروں طرف چھوڑ رہا ہے، لیکن اس کی روشنی قبول کرنے میں ہر یک مکان برابر نہیں۔ جس مکان کے دروازے بند ہیں، اس میں کچھ روشنی نہیں آ سکتی۔ اور جس میں بمقابل آفتاب کے چھوٹا سا روزن ہے، اس میں روشنی تو پڑتی ہے، مگر تھوڑی، جو بکلی ظلمت کو اٹھا نہیں سکتی۔ لیکن وہ مکان جس کے دروازے بمقابل آفتاب سب کے سب کھلے ہیں اور دیواریں بھی کسی کثیف شے سے نہیں، بلکہ مصفیٰ اور روشن شیشہ سے

ہیں، اس میں یہی خوبی نہیں ہوگی کہ کامل طور پر روشنی قبول کرے گا، بلکہ اپنی روشنی چاروں طرف پھیلا دے گا اور دوسروں تک پہنچا دے گا۔ اس حجت سے اس نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کے لبوں پر حکمت جاری تھی فرمایا۔ **خیارکم فل الجاھلیة خیارکم فی الاسلام** ۔ترجمہ۔یعنی جو لوگ نیک ذات ہیں وہی اسلام میں بھی داخل ہو کر نیک ذات ہوتے ہیں۔

غرض طبائع انسانی جواہر کانی کی طرح مختلف الاقسام ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **الناس کمعادن الذھب والفضة** ۔ترجمہ۔یعنی لوگ سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح ہیں۔ بعض طبیعتیں سونے چاندی کی طرح روشن اور صاف اور بعض گندھک کی طرح بدبودار اور جلد بھڑکنے والی، بعض زیبق (پارہ) کی طرح بے ثبات اور بے قرار، بعض لوہے کی طرح سخت اور کثیف۔ اور جیسا یہ اختلاف طبائع بدیہی الثبوت ہے، ایسا ہی انتظام ربانی کے بھی موافق ہے۔ کچھ بے قاعدہ بات نہیں۔ کوئی ایسا امر نہیں کہ قانون نظام عالم کے برخلاف ہو۔ بلکہ آسائش و آبادیء عالم روشنی پر موقوف ہے۔ ظاہر ہے کہ تمام طبیعتیں ایک ہی مرتبہ استعداد پر نہیں ہیں، بلکہ مختلف طور کے کثیف کاموں کے لئے وہ طبیعتیں مناسبت رکھی ہیں، جو کثیف ہیں۔ یونانی حکیموں نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے کہ جیسے بعض انسان حیوانات کے قریب قریب ہوتے ہیں، اسی طرح عقل تقاضا کرتی ہے کہ بعض انسان ایسے بھی ہوں، جن کا جوہر نفس کمال صفوت اور لطافت پر واقع ہو۔ جس طرح طبائع انسانی کا سلسلہ نیچے کی طرف اس قدر متنزل نظر آتا ہے کہ حیوانات سے جا کر اتصال پکڑ لیتا ہے۔ اسی طرح اوپر کی طرف بھی ایسا ہی متصاعد ہو کر عالم اعلیٰ سے اتصال پکڑتا ہے۔ الغرض افراد بشریہ عقل میں، قوی اخلاقیہ میں، نور قلب میں متفاوت المراتب ہوتے ہیں۔

ہمارے علمائے اسلام ذوی الاحترام توجہ سے سنیں

ممکن ہے کہ کسی مسئلہ کی فلاسفی وحقیقت سمجھنے میں ہمارا قصور و کسر ہو اور کوئی صاحب ہم سے بہتر بیان کرنا جانتے ہوں۔ **وَ فَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٍ** ۔ ذی علم اصحاب اگر مجھے کسی ایسے امر کی طرف توجہ دلائیں گے، تو میں بڑی خوشی سے سننے کیلئے تیار ہوں۔ البتہ اس کتاب کو بنظرِ تنقید پڑھنے والوں پر لازم ہے کہ وہ تنقید کے ساتھ اپنے دلائل موجہ بھی پیش کریں۔ ورنہ "عذرِ نامعقول ثابت میکند الزام را"۔

خاکسار محمد فضل خان

یکم ذی الحج ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۱۱ء

اسرار شریعت (جلد دوم)

"اسرار شریعت" جلد دوم مندرجہ ذیل دس کتابوں پر مشتمل ہے۔ (۱) کتاب الصوم۔ (۲) کتاب النکاح۔ (۳) کتاب البیوع۔ (۴) کتاب الاکل والشرب۔ (۵) کتاب الجنایات۔ (۶) کتاب الحدود۔ (۹) کتاب الجہاد۔ (۱۰) کتاب المیراث۔ (۱۱) کتاب فلسفۃ الاسلام۔

اسرار شریعت (جلد سوم)

"اسرار شریعت" جلد سوم میں زیر بحث آنے والے مضامین میں سے چند ایک کو بطور نمونہ یہاں پر درج کیا جا رہا ہے۔ (۱) حقیقت ایمان اور اس پر ثواب ملنے کی وجہ (۲) حقیقت اسلام اور اس کی وجہ تسمیہ (۳) دلائل بر وجود باری تعالیٰ (۴) خالق کی طرف سے مخلوق کو تبلیغ حق کے لئے انبیاء مبعوث ہونے کی حکمت (۵) حقیقت ملائکہ (۶) پیدائش شیطان کی حکمت (۷) حقیقت مکافات اعمال (۸) خدا تعالیٰ کا زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا کرنے کی حقیقت (۹) خدا تعالیٰ کا عرش پر قرار پکڑنے کی وجہ (۱۰) آدم کی پسلی سے پیدائش حوا کی حقیقت (۱۱) اس آدم سے پہلے دو لاکھ آدم ہو گذرے ہیں (۱۲) پیدائش عالم کی وجہ (۱۳) حدوث عالم پر دلائل (۱۴) عالم برزخ یعنی عذاب و ثواب قبر کی حقیقت (۱۵) جواب اس سوال کا کہ جبکہ خدا تعالیٰ مجسم نہیں ہے، تو قیامت میں اس کا تخت پر بیٹھنا اور انسانوں کا اس کے روبرو حاضر ہونا کس طرح ہوگا (۱۶) حقیقت پل صراط (۱۷) قیامت قائم ہونے کی گھڑی کا کسی کو علم نہ ہونے کی وجہ (۱۷) اس جہان کے فنا ہونے پر دلائل عقلیہ (۱۸) حقیقت معجزات انبیاء (۱۹) حقیقت قانون قدرت و عالم اسباب (۲۰) حقیقت شفاء انبیاء (۲۱) حقیقت معراج نبویؐ (۲۲) حقیقت وحی اور اس کے نزول کی وجہ (۲۳) حقیقت ختم نبوت (۲۴) حقیقت لوح محفوظ (۲۵) حقیقت تقدیر ازلی الٰہی (۲۶) حوروں کی حقیقت (۲۷) ابطال تناسخ (۲۸) نزول مسیح ابن مریم و مہدی آخر زمان (۲۹) خروج دجال (۳۰) تسلط یاجوج و ماجوج (۳۱) حقیقت روح اور اس کی پیدائش کا زمانہ (۳۲) آخر شب میں آسمان پر نزول الٰہی کی حقیقت (۳۳) معصومیت انبیاء (۳۴) نسخ کتب و تبدیل احکام الٰہی کی حکمت۔

☆☆☆

مولوی محمد فضل خانؒ

ایک عالم ربانی کی سوانح حیات

مصنفہ

منیرالدین احمد

حضرت مولوی محمد فضل خان چنگویؒ (۱۸۶۸ء۔۱۹۳۸ء) عربی زبان کے جید عالم تھے اور آپ کا شمار ہندوستان میں بیسویں صدی کے نامور مصنفین میں ہوتا ہے۔ آپ کے قلم سے بیش بہا کتب اسلامی موضوعات پر نکلیں، جن کا سلسلہ " مکتوبات محمدؐیہ " سے شروع ہوا، جو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات کے اردو ترجمہ پر مشتمل تھا۔ آپ کی دوسری کتاب "خزینۃ الاسرار" فی زمانہ ناپید ہے۔ جب کہ تیسری کتاب " تحفۃ الصوفیہ " تواتر سے دہلی اور لاہور سے چھپتی رہی ہے اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدسہ سرہ کے اقوال پر مشتمل ہے، جن کا ترجمہ اردو اور فارسی میں نثر و نظم میں کیا گیا ہے۔ "اسرار شریعت" (تین جلدوں میں) آپ کی اہم ترین تصنیف ہے، جو پون صدی کے بعد دوبارہ شائع کی جارہی ہے۔ مصنف اس کتاب کو عربی میں بھی شائع کرنا چاہتے تھے، چنانچہ اس کی پہلی عربی جلد آپ کی کتاب " نہج المصلی " کے نچلے نصف پر چھپی تھی۔ آپ نے ابن عربیؒ کی کتاب "فتوحات مکیہ " کا اردو میں ترجمہ کیا اور اس کی تشریح لکھی، جو آج تک مستند حیثیت کی حامل ہے۔ "ہدایات الزوجین" نامی کتاب کا مسودہ بدقسمتی سے تلف ہو گیا تھا۔ آپ نے ایک رسالہ تفسیر سورۃ فاتحہ کے موضوع پر اور ایک کتابچہ ردعیسایت کے بارے میں بھی شائع کیا تھا۔ آپ صوفی مسلک اور صاحب کشوف والہام تھے۔

ناشر۔ فضلی بکس۔ کمر فیلڈ۔ جرمنی   fazli@gmx.net